Scanned with CamScanner

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

واٹس ایپ
03172266944

بانی: محمود ریاض
مدیر منتظم —— آذر ریاض
مدیرہ —— رضیہ جمیل
مدیر خصوصی —— امت الصبور
فنانشل ایڈوائزر —— شاہین رشید
قانونی مشیر —— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل ایڈوائزرز

مارچ 2026
جلد 39 شمارہ 07
قیمت 150 روپے

پہلی شعاع 6
حمد، اقبال عظیم 7
نعت، عبدالحمید صدیقی 7
نبی ﷺ کی باتیں، ادارہ 8

انٹرویو
یمنیٰ احمد سے ملاقات، شاہین رشید 25
جب تجھ سے ناتا، س۔ظ 13

سروے
بہاریں عید کی، ادارہ 18

ناول
دھوپ دریچہ، مریم عزیز 32
گنگا کنارے، نعیمہ ناز سلطان 152

مکمل ناول
آہ نیم کش، آسیہ رئیس خان 124
روشنی سامنے تھی، صدف عمر 62

ناولٹ
شکر نعمت، نگہت اعظمی 100
مسکراہٹ عید کی، ام اقصیٰ 172

افسانے
چھوٹی سی بات، عمارہ احمد 55
قرار دیے، دانیہ سمیع 58
چاٹ مسالہ، حرا خان 118

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

digest.library.com

Scanned with CamScanner

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ——— 1,000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور یورپ — 50000 روپے

subscriptions@khawateendigest.com

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

گُڈی آپا، گوشی جمال 189

عید کی خوشیاں، نظیر فاطمہ 97

نظمیں غزلیں

غزل، محسن نقوی 196

نظم، ناہید حزمی 196

مستقل سلسلے

خط آپ کے، ادارہ 29

باتوں سے خوشبو آئے، شگفتہ جاہ 198

کھلتا کسی پہ، واصفہ سہیل 200

یادرکھے کے جھروکے، امت الصبور 201

مسکراہٹیں، ادارہ 197

موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 208

خوبصورت بننے، ادارہ 210

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37- اُردو بازار، کراچی

Scanned with CamScanner

پہلی بات

شعاع مارچ کا شمارہ لیے حاضر ہیں

یہ شمارہ آپ کو ملے گا تو آپ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی عبادتوں کے ساتھ ساتھ عید کی تیاریوں میں مصروف ہوں گی۔

جب بندے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتے ہوئے رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی رحمت و بخشش نازل فرماتا ہے اور انہیں انعام میں عید کا دن عنایت فرماتا ہے۔ عید کے لغوی معنی خوشی کے ہیں اس لیے اس دن کو عید کا نام دیا گیا۔

عید اجتماعی تہوار ہے۔ اس کے رنگ تب ہی نکھرتے ہیں جب سب خوش ہوں۔ اپنے اردگرد نظر ڈالیں۔ کچھ لوگ عید کی خوشیاں خریدنے کی سکت نہیں رکھتے۔ سفید پوشی کا بھرم رکھتے ہوئے وہ کسی کے سامنے دست سوال بھی دراز نہیں کر سکتے۔ خاموشی اور رازداری کے ساتھ ان کی مدد کر کے دعائیں سمیٹیں تاکہ ان کی سفید پوشی کا بھرم قائم رہے۔

خصوصاً اپنے مستحق عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کا خیال رکھیے۔ اس کا دوہرا اجر ہے۔

آپ سب کو ادارہ شعاع کی جانب سے دلی عید مبارک

ہماری دعا ہے کہ روزِ عید آپ کے لیے اور آپ سے منسلک افراد کے لیے بے شمار خوشیاں اور محبتیں لے کر آئے۔

digest library.com

اس شمارے میں

☆ ......صدف عمر کا مکمل ناول...... روشنی سامنے تھی

☆ ......آسیہ رئیس کا مکمل ناول...... آہ نیم کش

☆ ......ام اقصیٰ اور نگہت اعظمی کے ناولٹ

☆ ......عمارہ صفدر، دانیہ سمیع، حرا خان، نظیر فاطمہ اور گوشی جمال کے افسانے

☆ ......نعیمہ ناز اور مریم عزیز کے ناول

☆ ......بہاریں عید کی...... قارئین سے سروے

☆ ......یمنیٰ احمد سے ملاقات

☆ ......معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ دستک

☆ ......پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

Scanned with CamScanner

حمد باری تعالیٰ

حمد و شکر کہ یوں ورد زباں حمد خدا ہے
وہ سب سے بڑا، سب سے بڑا، سب سے بڑا ہے

اس کا کوئی ثانی، نہ مشابہ، نہ مقابل
وہ سب سے جدا، سب سے جدا، سب سے جدا ہے

کافر ہو کہ مسلم، کوئی مشرک ہو کہ مومن
وہ سب کا خدا، سب کا خدا، سب کا خدا ہے

وہ خالق کونین بھی، رزاق جہاں بھی
وہ رب علی، رب علی، رب علی ہے

یہ رنگ، یہ خوشبو، یہ بہاریں، یہ فضائیں
سب اس کی عطا، اس کی عطا، اس کی عطا ہے

معراج عبادت بھی، معراج سخن بھی
صرف اس کی ثنا، اس کی ثنا، اس کی ثنا ہے

اقبال لیے جاؤ سدا نام خدا کا
ہر دل کی جلا، غم کی دوا، دکھ کی شفا ہے

اقبال عظیم

نعت رسول مقبول

نگاہ خلق و نگاہ خدا گواہ بنے
میں کہہ رہا ہوں کہ وہ مرکز نگاہ بنے

جہاں پناہ بنے اور کج کلاہ بنے
غلام ان کے، زمانے کے سربراہ بنے

وہ ذات پاک جو مہمان عرش اعظم ہو
نہ کیوں نشان شرف رشک مہر و ماہ بنے

ہیں آسمان نبوت کے انبیاء مہتاب
خدا کے فضل سے لیکن وہ رشک ماہ بنے

خبر ان سے ملی لا الہ الا اللہ
وگرنہ پہلے تو بت بھی مرے الہ بنے

ترے اشارۂ ابرو پہ جائیے قرباں
قدم قدم پہ مجھے مانع گناہ بنے

اسی کے دامن رحمت میں ہے جہاں کا سکوں
بروز حشر بھی جو دامن پناہ بنے

عبدالحمید صدیقی

Scanned with CamScanner

حضور کی پیاری باتیں

digestlibrary.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں: میں اپنا پیٹ بھوک کی شدت سے زمین پر ٹیک دیتا تھا اور (اسی طرح بعض دفعہ) بھوک کی شدت سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک روز میں اس راستے پر بیٹھ گیا جہاں سے لوگ گزرتے تھے۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (میرے پاس سے) گزرے تو میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق پوچھا۔ میں نے تو ان سے اس لیے پوچھا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلادیں، لیکن وہ گزر ہی گئے اور کچھ نہ کیا۔ پھر میرے پاس سے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے تو میں نے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق پوچھا۔ میں نے تو ان سے بھی اسی لیے پوچھا تھا کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلادیں، لیکن وہ بھی گزر گئے اور انہوں نے بھی کچھ نہ کیا۔

پھر میرے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مجھے دیکھا اور مسکرائے اور میرے چہرے اور دل کی کیفیت کو جان گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”ابوہریرہ!“

میں نے کہا۔ ”حاضر اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”ساتھ آؤ۔“ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہولیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ میں نے اجازت طلب کی تو مجھے بھی اجازت مرحمت فرمادی اور میں بھی اندر چلا گیا۔

وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا ایک پیالہ پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

”یہ دودھ کہاں سے آیا؟“

گھر والوں نے کہا۔ ”فلاں مرد یا فلاں عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ بھیجا ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”ابوہریرہ!“ میں نے کہا۔ ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ (فرمایئے) حاضر ہوں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس بلالاؤ۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل صفہ (درس گاہ نبوی کے طلبا) اسلام کے مہمان تھے۔ ان کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا، گھر بار تھا نہ کوئی مال اور نہ کسی اور کا سہارا۔ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقے کی کوئی چیز آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف بھیج دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس میں سے کچھ نہ لیتے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ہدیہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بلا بھیجتے اور خود بھی اسے استعمال فرماتے اور انہیں بھی اس میں شریک فرماتے۔ چنانچہ اپنی اس عادت مبارکہ کے مطابق

Scanned with CamScanner

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اہل صفہ کو بلا لاؤ۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر میں سوچنے لگا (کہ ایک پیالہ دودھ ہے اور میں بھوک کی شدت سے نڈھال ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پلانے کے بجائے فرمار ہے ہیں کہ اہل صفہ کو بلالاؤ۔)

میں نے (دل میں) کہا۔ اس دودھ سے اہل صفہ کا کیا بنے گا! میں اس بات کا زیادہ حق دار ہوں کہ میں اتنا پی لوں جس سے میں طاقت حاصل کرلوں۔ چنانچہ جب وہ آئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ہی حکم دیں گے کہ میں انہیں دوں، اور مجھے امید نہیں کہ اس دودھ کا کچھ حصہ مجھے بھی ملے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر چارہ نہیں۔

چنانچہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق) میں ان (اہل صفہ رضی اللہ عنہم) کے پاس آیا اور انہیں بلایا، تو وہ سب آئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی اور وہ گھر میں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اے ابو ہریرہ!"

میں نے کہا۔

"حاضر ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" یہ پیالہ پکڑو اور انہیں دو (باری باری پیش کرو)۔"

چنانچہ میں نے پیالہ لیا اور ایک ایک آدمی کو دینے لگا۔

ایک کو دیتا، تو وہ پیتا یہاں تک کہ سیراب ہو جاتا، پھر وہ پیالہ مجھے لوٹا دیتا۔

میں وہ دوسرے کو دیتا، پس وہ پیتا حتیٰ کہ سیراب ہو جاتا، پھر وہ پیالہ مجھے لوٹا دیتا۔

پھر (اگلا آدمی) پیتا اور سیراب ہو کر مجھے واپس لوٹا دیتا۔

یہاں تک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا اور سب لوگ پی کر سیراب ہو چکے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ پکڑا اور اس پر ہاتھ رکھا اور پھر میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا!

"اے ابو ہریرہ!"

میں نے کہا۔"حاضر ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"اب میں اور تم ہی باقی رہ گئے۔"

میں نے کہا۔"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے سچ کہا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"بیٹھ جاؤ ادھر، پیو!"

چنانچہ میں بیٹھ گیا اور دودھ پیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا۔"اور پیو۔"

میں نے پھر پیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے"پیو!" (اور میں پیتا رہا) یہاں تک کہ میں نے کہا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا! اب میں کوئی گنجائش اس کے لیے اپنے اندر نہیں پاتا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"اچھا مجھے دکھاؤ۔" چنانچہ وہ پیالہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی اور اس کا نام لیا اور (سب کا) بچا دودھ پی لیا۔ (بخاری)

فوائد ومسائل

(1)۔ اس میں معجزہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اصحاب صفہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کا خیال رکھنے کا بیان ہے۔

(2) نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقے کی نہیں

Scanned with CamScanner

اور رات کو اٹھنا بھی نہایت گراں گزرتا ہے، پھر نرم بستر پر نیند بھی زیادہ گہری آتی ہے۔

عیادت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری آدمی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر وہ واپس جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اے انصار کے بھائی! میرے بھائی سعد بن عبادہ کا کیا حال ہے؟''

اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم میں سے کون ان کی عیادت کے لیے تیار ہے؟''

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم دس سے کچھ اوپر تھے۔ ہمارے پاس جوتے تھے نہ موزے، نہ ٹوپیاں تھیں نہ قمیصیں۔ اس شوریلی زمین میں ہم پیدل چل رہے تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گئے۔ چنانچہ ان کے گھر والے، ان کے پاس سے پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، وہ ان کے قریب ہو گئے (مسلم)

فوائد و مسائل

(1) اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنی جو کیفیت بیان کی ہے، اس کی مناسبت باب سے واضح ہے کہ ان میں کس قدر غربت اور سادگی تھی۔

(2) دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک رشتہ دینی اخوت کا بھی ہے۔

(3) جگہ تنگ ہو تو گھر والوں کو چاہیے کہ مزاج پرسی کے لیے آنے والوں کے لیے جگہ خالی کر دیں تا کہ وہ مریض کے پاس چند لمحے بیٹھ کر مریض کی عیادت کر لیں۔

مال جمع کرنا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اے فرزند آدم: اگر تو زائد از ضرورت مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو تیرے مال کے لیے بہتر ہو گا اور اگر تو اسے روکے گا تو تیرے لیے برا ہو گا اور برابر سرابر مال پر تو ملامت کے لائق نہیں ہو گا۔ اور (خرچ کرنے کی ابتدا ان لوگوں سے کر جن کے اخراجات زندگی کا ذمہ دار تو ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(1) اس میں جہاں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق مال رکھنے کی اجازت بلکہ تاکید اور حکم ہے، وہاں دوسری طرف ضرورت سے زائد مال کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا استحباب بھی ہے۔

(2)۔ مال کے روکے رکھنے کو اس کے حق میں برا قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ صحیح نہیں۔ دنیا میں دولت کے ارتکاز (جمع کرنے) سے گردش دولت رک جاتی ہے۔ جس سے معاشرے میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور آخرت میں تو اس بخل کا انجام بد واضح ہی ہے۔

(3) بعض علما کے نزدیک سالانہ زکاۃ کی ادائی کے بعد مزید خرچ کرنا ضروری نہیں۔ لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ زکاۃ کی ادائی کے بعد بھی اگر کسی کے پاس دولت موجود رہے اور اہل حاجت بھی اس کے علم میں ہوں تو ان پر خرچ کرنا اس کے لیے

Scanned with CamScanner

digest library.com

اور رات کو اٹھنا بھی نہایت گراں گزرتا ہے، پھر نرم بستر پر نیند بھی زیادہ گہری آتی ہے۔

عیادت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری آدمی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر وہ واپس جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے انصار کے بھائی! میرے بھائی سعد بن عبادہ کا کیا حال ہے؟“

اس نے کہا۔ ”ٹھیک ہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”تم میں سے کون ان کی عیادت کے لیے تیار ہے؟“

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم دس سے کچھ اوپر تھے۔ ہمارے پاس جوتے تھے نہ موزے، ٹوپیاں تھیں نہ قمیصیں۔ اس شوریلی زمین میں ہم پیدل چل رہے تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گئے۔ چنانچہ ان کے گھر والے، ان کے پاس سے پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، وہ ان کے قریب ہو گئے (مسلم)

فوائد و مسائل

(1) اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنی جو کیفیت بیان کی ہے، اس کی مناسبت باب سے واضح ہے کہ ان میں کس قدر غربت اور سادگی تھی۔

(2) دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک رشتہ دینی اخوت کا بھی ہے۔

(3) جگہ تنگ ہو تو گھر والوں کو چاہیے کہ مزاج پرسی کے لیے آنے والوں کے لیے جگہ خالی کر دیں تا کہ وہ مریض کے پاس چند لمحے بیٹھ کر مریض کی عیادت کر لیں۔

مال جمع کرنا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے فرزند آدم! اگر تو زائد از ضرورت مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو تیرے مال کے لیے بہتر ہو گا اور اگر تو اسے روکے گا تو تیرے لیے برا ہو گا اور برابر سرابر مال پر تو ملامت کے لائق نہیں ہو گا۔ اور (خرچ کرنے کی ابتدا ان لوگوں سے کر جن کے اخراجات زندگی کا ذمہ دار تو ہے۔“ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(1) اس میں جہاں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق مال رکھنے کی اجازت بلکہ تاکید اور حکم ہے، وہاں دوسری طرف ضرورت سے زائد مال کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا استحباب بھی ہے۔

(2)۔ مال کے روکے رکھنے کو انسان کے حق میں برا قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ صحیح نہیں۔ دنیا میں دولت کے ارتکاز (جمع کرنے) سے گردش دولت رک جاتی ہے۔ جس سے معاشرے میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور آخرت میں تو اس بخل کا انجام بد واضح ہی ہے۔

(3) بعض علما کے نزدیک سالانہ زکاۃ کی ادائی کے بعد مزید خرچ کرنا ضروری نہیں۔ لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ زکاۃ کی ادائی کے بعد بھی اگر کسی کے پاس دولت موجود رہے اور اہل حاجت بھی اس کے علم میں ہوں تو ان پر خرچ کرنا اس کے لیے

Scanned with CamScanner

مستحب ہی نہیں، ضروری ہے۔

کافی ہے

حضرت عبید بن محصن انصاری خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص تم میں سے اس حال میں صبح کرے کہ وہ اپنے گھر یا قوم میں امن سے ہو، جسمانی لحاظ سے تندرست ہو اور ایک دن کی خوراک اس کے پاس موجود ہو تو گویا اس کے لیے دنیا اپنے تمام تر سازوسامان کے ساتھ جمع کر دی گئی۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔)

فوائد و مسائل

(1) امن اور صحت کے ساتھ ایک دن کی خوراک فی الواقع بہت بڑی نعمت ہے، گویا اسے ایسی آسودگی حاصل ہو گئی جیسی کسی کو ساری دنیا مل جانے پر ہو سکتی ہے۔ اور اگر امن یا صحت نہ ہو تو دنیا بھر کے خزانے بھی انسان کے لیے بے کار ہیں کیونکہ دولت کے انبار انسان کو امن فراہم کر سکتے ہیں نہ صحت۔

(2) اس میں بالواسطہ یہ نصیحت بھی ہے کہ انسان کو دولت کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے بلکہ صبر و قناعت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ اسی میں امن وسکون اور راحت و آسائش ہے ورنہ اس سراب کے تعاقب میں سب کچھ گنوا بیٹھنے کا خدشہ ہے۔

کامیاب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اسلام قبول کر لیا اور اسے برابر سرابر روزی حاصل ہوئی اور اللہ نے اسے اپنے دیے ہوئے پر قانع بنا دیا۔"

فوائد و مسائل

(1) کامیابی آخرت میں اللہ کی رحمت ومغفرت سے شادکام ہونا ہے اور اللہ کی رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف اور صرف اسلام ہے۔ اگر بدقسمتی سے انسان کا دامن دولت اسلام سے خالی ہے تو دنیا بھر کے خزانے بھی اسے اخروی کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتے۔ بلکہ دنیا سے آنکھیں موند لینے کے بعد عذاب الٰہی کے شکنجے میں کس دیا اور جہنم کی بیڑیوں میں اسے جکڑ دیا جائے گا اور یوں یہ ناکام ترین انسان ہوگا۔

(2) اسی طرح بقدر کفاف (روزمرہ ضرورت کے مطابق) روزی کے ساتھ قناعت واستغفار کا مل جانا بھی امن وسکون کی ضمانت ہے۔ ورنہ دنیا کی حرص اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی خواہش اور کوشش انسان کا سکون چھین لیتی ہے۔ اس لیے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تونگری زیادہ سازوسامان کا نام نہیں بلکہ اصل تونگری نفس کی تونگری ہے۔

زہد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی راتیں متواتر بھوکے گزار دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو بھی رات کا کھانا میسر نہ ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر روٹی، جو کی روٹی ہوتی۔ (اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

فوائد و مسائل

اس میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے زہد اور تنگ دستی کا تذکرہ ہے۔

☆☆

Scanned with CamScanner

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

س۔ظ

شادی ایک خوب صورت بندھن ہے جس میں دو خاندانوں کا ملاپ ہوتا ہے اور ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھی جاتی ہے تو آیئے میرے حالات زندگی کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں۔

س۔شادی کب ہوئی؟

ج۔میری شادی 27 نومبر 1992ء کو ہوئی تھی۔ میں نے ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا کہ میرا رشتہ طے ہوگیا۔ شادی اپنے خاندان میں ہی ہوئی۔ ظفر صاحب تعلیم یافتہ تھے اور میری تعلیم واجبی سی ہے۔ دراصل جب میں ابھی اسکول کی طالبہ تھی۔ کچھ بیمار رہنے لگی تھی۔ جس کی بنا پر اسکول جانا بند ہوگیا اور تعلیم ادھوری رہ گئی۔

س۔شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے اور دلچسپیاں......؟

ج۔ہمارے گھر کا ماحول بہت سادہ تھا۔ والدین زمین دار تھے مگر رہائش شہر میں تھی۔ اس وجہ سے گاؤں اور شہر دونوں قسم کے ماحول کی جھلک گھر میں نظر آتی تھی۔ ہمسایوں کے بچوں سے دوستی تھی ان سے ہی کھیل کود میں دن ختم ہو جاتا تھا۔ ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس لیے کام کاج کرنے کا موقع کم ہی ملتا تھا۔

س۔اس رشتے میں آپ کی رضامندی شامل تھی یا والدین کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟

ج۔ہمارے گھر کا ماحول بہت ٹائٹ قسم کا تھا۔ رشتے میں عورتوں کی رضامندی لینے کا تصور نہیں تھا۔ عورتوں کا بازار تک جانا پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ شادی بیاہ کی خریداری تک کا سامان مرد حضرات ہی کرتے تھے۔ میرے رشتے کے لیے ابو نے میرے ماموں کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ رشتہ آپ نے ڈھونڈنا ہے۔ ظفر صاحب میرے ماموں کے کزن تھے۔ پڑھے لکھے تھے۔ ماموں نے ایک دفعہ صرف اشارہ کیا تھا کہ آپ کی آنٹی کے بھائی ٹھیک ہیں۔ ظفر صاحب میری آنٹی (مامی) کے بھائی تھے میں نے خاموش رہ کر نیم رضامندی کا اظہار کیا۔ یوں رشتے کی بات شروع ہوگئی اور پھر دونوں طرف کے فیملی ممبران نے بات کو آگے بڑھایا اور بات منگنی تک پہنچ گئی۔ یوں یہ رشتہ طے ہوگیا۔ ویسے رشتہ طے ہونے پر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ کیونکہ میں نے ان کے گھر کا ماحول دیکھا ہوا تھا۔

س۔ذہن میں جیون ساتھی کا کوئی تصور تھا نیز کیا خوبیاں تھیں؟

ج۔میں نے بتایا نا، ابھی گڑیوں سے کھیلنے کے دن تھے۔ اسکول جانا بیماری کی وجہ سے بند ہوگیا تھا۔ اس لیے گھر میں ہی دوستوں کے ساتھ کھیل کود اور خوش گپیوں میں دن گزرتا تھا، میری ایک دوست جو میری ہمسائی بھی تھی۔ اس کے ساتھ زیادہ وقت گزرتا تھا۔ پھر اس کی شادی ہوگئی۔ تو میل جول ذرا کم ہوگیا۔ مگر وہ جب بھی اپنی میکے آتی تو ہمارا اکٹھے وقت گزرتا تھا۔ جہاں تک جیون ساتھی کے تصور کی بات ہے تو ایسا ابھی تک سوچا بھی نہیں تھا۔ کیونکہ مجھے نہیں علم تھا بلکہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میری شادی اتنی جلدی اور اس عمر میں ہو جائے گی۔

البتہ جب میری دوست کی شادی ہوگئی اور اس کا خاوند اس کو لینے آتا۔ تو شادی شدہ زندگی کا کچھ تصور ذہن میں ابھرنے لگا تھا۔ مگر میرا شوہر کیسا ہو۔ اس میں کیسی خوبیاں ہوں۔

ایسی باتیں ابھی تک میرے ذہن میں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ حالانکہ ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے تھے اور میری تایا زاد بہن کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ اس کے میاں کا آنا جانا بھی گھر میں لگا رہتا تھا۔ مگر پھر

Scanned with CamScanner

digest library.com

بھی اپنے ہونے والے میاں کے بارے میں بھی سوچا نہیں تھا کہ وہ کیسا ہونا چاہیے یا اس میں کس قسم کی خوبیاں ہونی چاہئیں۔

شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ہمارے ہاں کا ماحول بہت پابندیوں والا تھا جس کا کچھ ذکر میں کر بھی چکی ہوں یا یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے خاندان میں مرد حضرات کا عورتوں پر بہت رعب ہوتا تھا۔ عورت کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ مرد کے آگے چوں چرا کر سکے۔ ذرا سی زبان کھولنے پر عورت کو تشدد کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

س۔ منگنی کتنا عرصہ رہی؟ شادی سے پہلے فون پر بات یا ملاقات وغیرہ......

ج۔ منگنی تقریباً چھ ماہ رہی، اس زمانے میں فون جیسی سہولت عام نہیں تھی۔ بات کرنا اور ملاقات کا کبھی خیال بھی نہیں آیا۔ نہ کبھی سوچا کیونکہ یہ دونوں باتیں ہمارے خاندان میں معیوب سمجھی جاتی تھیں۔ ویسے بھی میں عام سی، بھولی بھالی اور سیدھی سادی لڑکی تھی۔

ظفر صاحب شادی کے بعد بھی میری عادتوں اور باتوں کی وجہ سے مجھے اللہ میاں کی گائے کہہ کر چھیڑتے تھے۔ ظفر صاحب چونکہ قریب کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ اس لیے ان کو کئی بار دیکھا تھا مگر اس وقت منگنی نہیں ہوئی تھی۔ اور پسندیدگی والی بات تو دماغ میں دور دور تک نہ تھی۔

س۔ شادی سے پہلے آپ کے سسرال والوں کے متعلق کیا خیالات تھے۔

ج۔ ابھی میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ شادی کے بندھن میں بندھ گئی۔ سسرال والوں کے متعلق کبھی سوچا نہیں تھا نہ خواب دیکھے تھے کہ ایسا سسرال ہونا چاہیے۔ مگر سسرال میں میرا بہت خیال رکھا گیا۔ میری نندیں پڑھی لکھی تھیں۔ سمجھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے میرا بہت خیال رکھا۔ میری ساس نے بہت تعاون کیا۔ بیٹیوں کی طرح میری رہنمائی کی۔

س۔ شادی بخیر و خوبی انجام پائی یا رسموں کے لین دین میں کوئی بدمزگی ہوئی؟

ج۔ میرے سسرال والے مذہبی قسم کے لوگ تھے۔ انہوں نے ہمیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم بینڈ باجا نہیں بجائیں گے۔ جبکہ میرے والدین اپنی برادری اور رشتہ داروں میں بیٹھے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ بینڈ باجا بجائیں۔ اور بینڈ باجے نہ ہونے کی وجہ سے ان کا موڈ کچھ خراب تھا۔

میرے سسرال والے وڈیو فلم بنا رہے تھے۔ جب میرے جیٹھ نے میرے ابو سے فرمائش کی کہ دولہا کی دودھ پلائی کی رسم کی ہم نے ویڈیو بنانی ہے تو انہوں نے اجازت نہ دی۔ جس پر میرے جیٹھ خاموش ہو گئے۔ بس اتنی سی بدمزگی یا ناراضی ہوئی۔ مگر یہ معمولی قسم کی تھی۔ اس میں تلخ کلامی نہیں ہوئی نہ ہی بات کو زیادہ طول دیا گیا۔ دونوں فریق خاموش ہو گئے اور دودھ پلائی کی رسم بغیر کیمرے کے خاموشی کے ساتھ انجام دی گئی۔ باقی لین دین کے متعلق سارے معاملات پہلے ہی طے پا چکے تھے اس لیے اس کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔

س۔ شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کر کیا کہا؟

ج۔ شوہر نے مجھے شادی سے پہلے ہی میک اپ کے بغیر دیکھا ہوا تھا۔ اس لیے کوئی خاص بات نہیں کی، صرف اپنے گھر کے ماحول اور دیگر رشتوں کے متعلق بتایا کہ ان کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے کیونکہ میری تین نندیں ابھی غیر شادی شدہ تھیں۔ انہوں نے میرا بہت خیال رکھا اور ہر موقع پر میری رہنمائی کی۔ میری نندیں عمر میں مجھ سے بڑی تھیں اس لیے میں نے ان کو بہت عزت دی۔ ان کا احترام کیا۔

س۔ شادی کے کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟

ج۔ کام کے معاملے میں۔ میں تو بالکل پھوہڑ تھی۔ مگر نندوں کی رہنمائی میں شادی کے چار یا پانچ

Scanned with CamScanner

دن بعد زردہ پکا کر اہل محلہ میں تقسیم کیا۔ ہنڈیا اور روٹی پکانی جو میں نے سسرال میں آ کر سیکھی۔ اس موقع پر میری نندوں اور ساس نے میرا بہت ساتھ دیا۔

س۔ سسرال میں کن باتوں پر تعریف اور کن پر تنقید ہوئی؟

ج۔ میری نندیں میری والدہ کی رشتے میں کچھ دور کی کزنز تھیں۔ گھروں میں آنا جانا بھی تھا۔ ایک دوسرے کے ماحول کو دیکھا ہوا تھا۔ اس لیے میری کسی بات پر تنقید نہیں ہوئی اور مجھ میں کوئی ایسی خاص بات یا خوبی نہ تھی جس پر تعریف ہوتی۔ اس لیے ماحول نیوٹرل ہی رہا۔

س۔ سسرال والوں نے وہ مقام دیا جو آپ کا حق تھا۔ گھریلو امور اور خاندانی معاملات میں آپ کی رائے کو کتنی اہمیت دی جاتی ہے؟

ج۔ جی ہاں! میرے سسرال والوں نے میری بہت عزت افزائی کی۔ گھریلو کام کاج میں مہارت نہ ہونے کے باوجود بھی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔ ظفر صاحب بھائیوں میں چھوٹے تھے۔ اس لیے ان کی بہنوں نے شادی دھوم دھام سے کی۔ ہلا گلا بھی خوب کیا۔ مجھے بھی سپورٹ کیا۔ مجھے بہت خوش رکھا۔ بلکہ جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہمارا ماحول (میکے والا) گھٹن والا تھا۔ مرد حضرات عورتوں کو اتنی عزت نہیں دیتے تھے۔ عورتوں پر رعب ڈال کر رکھتے تھے۔ اس لیے سچی بات تو یہ ہے کہ شروع میں چند سال تو میرا اپنے میکے جلدی جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ والد کا اصرار تھا کہ مجھ سے ملنے مہینے کے بعد آ جایا کرو۔ پھر ان کو دیکھتے ہوئے میں میکے چلی جاتی۔

اور میں دل پر، پتھر رکھ کر بتا دوں کہ میرے والد شادی سے پہلے تو میری والدہ پر بلاوجہ معمولی بات پر تشدد کر دیتے تھے اور ان کی یہ عادت شادی کے بعد بھی نہ گئی۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میں ان کے لیے مغفرت کی دعا ہی کر سکتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرمائے۔ آمین۔

س۔ سسرال والوں سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟

ج۔ شادی کے بعد مجھے تو محسوس ہوتا ہے کہ میں جنت میں آ گئی ہوں۔ سسرال والوں نے میرا بہت زیادہ خیال رکھا۔ میری نندیں، میری ساس، میرا سسر...... مجھے بہت چاہتے تھے۔ میرا ہر لحاظ سے خیال رکھتے تھے۔ ایک بار میں واشنگ مشین پر کپڑے دھو رہی تھی کہ کرنٹ لگ گیا اور میں نیچے گر گئی۔ گھر والے میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ میرے سسر اس وقت گھر میں نہیں تھے۔ باہر کہیں کام سے گئے تھے۔ عین اس وقت وہ بھی گھر میں داخل ہوئے تو مجھے اس حالت میں دیکھ کر رونے لگ گئے کہ ہماری بہو کو کیا ہو گیا۔

ظفر صاحب بھی مذہبی ذہن کے مالک تھے۔ وہ کبھی کبھار میرا مذاق اڑا لیتے تھے مگر خیال انہوں نے بھی بہت رکھا۔ اور ظفر صاحب کی عادتیں اور مزاج اتنا اچھا ہے کہ ہمارے خاندان میں سب ان کی تعریف کرتے ہیں حتیٰ کہ میرے میکے میں ان کے مداح ہیں۔ اب بیماری کے باعث میری طبیعت میں غصہ آ گیا ہے وہ مجھے مذاق میں کچھ کہہ دیتے ہیں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ میں ناراض ہوتی ہوں تو وہ ہنس کر ٹال دیتے ہیں بچے بھی مجھے سمجھاتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ جیسا سسرال مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ سب کی بیٹیوں کو ایسا سسرال اور اتنا اچھا شوہر دے۔ سسرال اور شوہر اچھا ہو تو زندگی بہت آسان اور شان دار ہو جاتی ہے۔ بے شک دنیا کا مال کم بھی ہو۔ سکون مل جاتا ہے لیکن اگر سسرال یا خاندان اچھا نہ ہو مگر دنیا کا سارا مال ہو تو سکون نہیں ہوتا، سکون ایک بڑی دولت ہے۔

دستک دستک

دستک

شاہین رشید

digest library.com

ثانیہ سعید

ثانیہ سعید کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان سے کافی ملاقاتیں رہی ہیں۔ پھر سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پھر بھی کبھی کبھار کسی نہ کسی حوالے سے بات ہو ہی جاتی ہے۔

"کیسے مزاج ہیں؟"

"الحمدللہ۔"

"آپ کا نام ثانیہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اداکاری میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں آپ کی تعلیم اور گھر والوں کا بھرپور تعاون ہے؟"

"بہت شکریہ۔ تعریف کا، واقعی گھر والوں کی بھرپور سپورٹ شامل ہے۔ اور تعلیم کی جہاں تک بات ہے تو آپ کو بتاؤں کہ میں تعلیم یافتہ ضرور ہوں مگر اتنی نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور یہ لوگوں کی مجھ سے محبت ہے۔ اور اب بھی اگر مجھے موقع ملا تو میں مزید تعلیم ضرور حاصل کروں گی۔"

"تو زیادہ تعلیم کیوں نہیں حاصل کر سکیں؟"

"بس پتا نہیں کیوں نہیں کی۔ حالانکہ مواقع تو بہت ملے۔ مگر...... اب اگر موقع ملا اور موڈ ہوا تو ضرور مزید تعلیم حاصل کروں گی۔"

"فنکاروں کو شکوہ ہے کہ انہیں وقت پر معاوضے نہیں دیے جاتے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"جی بالکل سچ ہے۔ اور میں کہتی ہوں کہ جس طرح مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ان کو کام کا معاوضہ دینے کا حکم ہے تو اس پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی ہمارے معاوضے فوراً ملنے چاہییں، مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ کئی کئی ماہ ہمیں معاوضے نہیں دیے جاتے۔"

"کوئی تحریری معاہدہ نہیں ہوتا کیا؟"

"میں آپ کو بتاؤں کہ اداکاروں اور پروڈکشن ہاؤسز کے درمیان ہونے والے تحریری معاہدے کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے تو اسی لیے وقت پر معاوضے نہیں ملتے۔"

"پھر آپ لوگوں کا کام کس وجہ سے کرتی ہیں جب اتنی ناانصافی ہو؟"

"کیا کریں ہر کوئی مجبوری کے تحت کام کرتا ہے۔ دیر سے سہی مگر مل تو جاتا ہے۔ اس لیے برداشت کرنا پڑتا ہے اور ایک بات اور کہ فنکاروں کو یوٹیوب سے ہونے والی کمائی سمیت دیگر ذرائع سے ہونے والی کمائی سے پیسوں کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ یہ

Scanned with CamScanner

بھی ایک افسوس کی بات ہے۔"

☆☆

صنم سعید

"کیا حال ہیں؟"

"جی ٹھیک۔"

"آج کل تو آپ اسکرین پہ بہت "ان" ہو رہی ہیں۔ ابھی "میں منٹو نہیں" ختم ہوا تو دوسرا "کفیل" شروع ہوا اور زندگی گلزار ہے تو چل ہی رہا ہے۔ سب کچھ کیسا لگ رہا ہے آپ کو؟"

"ظاہر ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔ یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"کفیل اور "میں منٹو نہیں" کی ریکارڈنگ کے وقت کوئی خاص بات جو یادگار ہو گئی ہو؟"

"کفیل کے دوران تو نہیں۔ البتہ "میں منٹو نہیں" کی ریکارڈنگ کے وقت میں امید سے تھی۔ مگر کیمرہ ورک ایسا کروایا کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ اور بعد میں ڈرامہ دیکھنے والوں کو جب پتا چلا تو وہ بہت حیران ہوئے۔"

"آپ کافی گیپ کے بعد اسکرین پہ آئیں کیوں؟"

"جی میں تقریباً سات سال کے بعد واپس آئی اور وجہ کچھ ذاتی وجوہات تھیں۔ لیکن اب میں دوبارہ آ گئی ہوں اور اب گیپ دینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ان شاء اللہ اب باقاعدگی سے کام کروں گی۔"

"میں منٹو نہیں میں ایک پروفیسر کا رول تھا آپ کا...... کرنے میں دشواری تو نہیں ہوئی تھی؟"

"نہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی اور پروفیسر کا رول نہیں تھا بلکہ ایک لیکچرار کا رول تھا اور مجھے بہت اچھا لگا یہ رول کر کے۔ اور ہاں ہمایوں سعید اور سجل علی کے ساتھ کام کر کے بھی بہت اچھا لگا۔"

"اس ڈرامے کے وقت آپ امید سے تھیں۔ ہمارے قارئین کو بتائیے کہ اللہ نے رحمت دی یا نعمت؟"

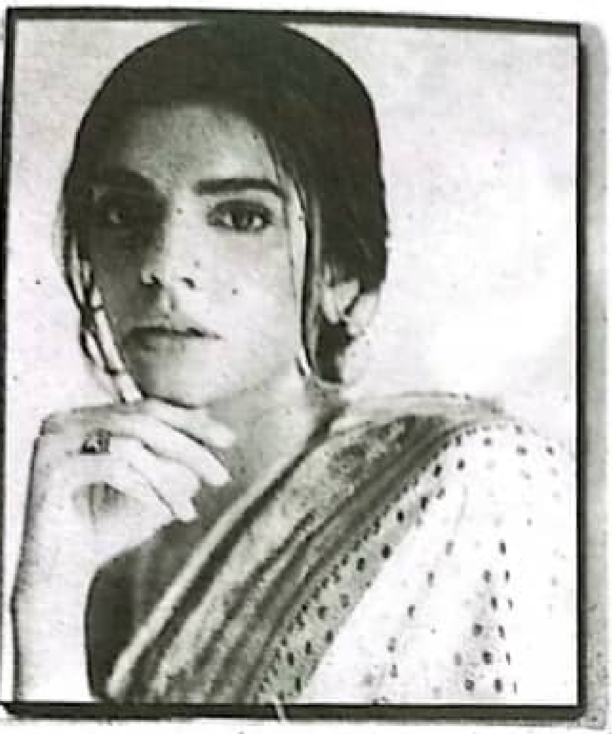

"الحمدللہ...... اللہ نے نعمت سے نوازا اور بیٹے کا نام ولی حسن مرزا رکھا۔ ولی حسن اٹھارہ مئی 2025ء کو اس دنیا میں آیا۔"

☆☆

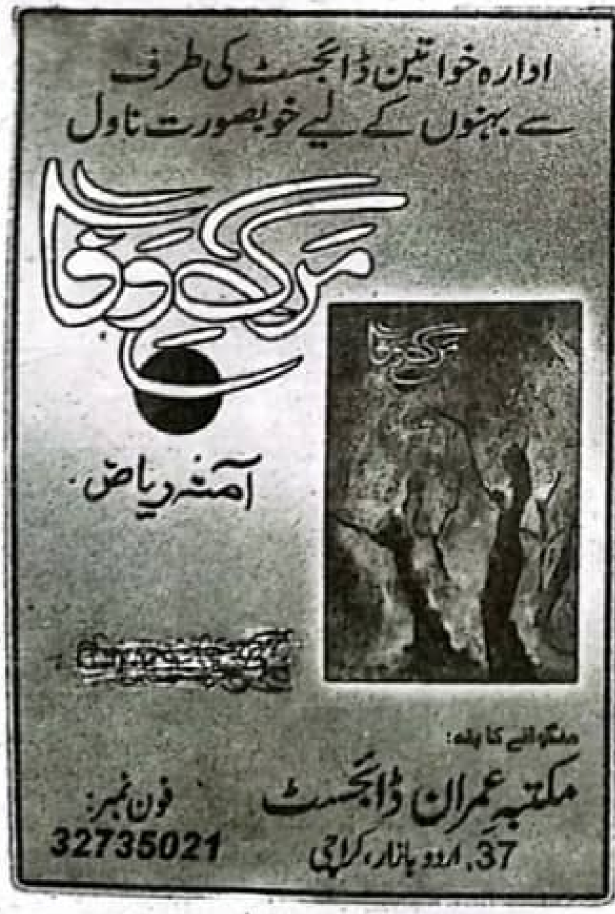

بہاریں عید کی

ادارہ

اجتماعی تہواروں میں خوشی کا ایک علیحدہ ہی رنگ ہوتا ہے چہار جانب رنگ اور خوشبوئیں بکھری ہوتی ہیں۔ تہوار اگر مذہبی ہوں تو خوشیوں کے ساتھ ساتھ فضاؤں میں ایک تقدس و عبودیت کا رنگ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ عید کے دن کی تو رونق ہی الگ ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو، عید کا خوشیوں بھرا تہوار روزے داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔

قارئین کو ہماری طرف سے دلی عید مبارک

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی تمام نعمتوں سے نوازے۔ عید کے موقع پر ہم نے حسب روایت قارئین کی شرکت کے لیے سروے کا اہتمام کیا ہے۔

سوالات یہ ہیں۔

1۔ ہمارے ہاں عموماً چاند کے اعلان میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ اچانک چاند ہونے کا اعلان سن کر آپ عید کی تیاری اور کچن کیسے سنبھالتی ہیں۔

2۔ عید کے دن مہمانوں کی آمد۔ ان کی خاطر مدارات، گھر والوں کے لیے عمدہ اور لذیذ کھانوں کی تیاری ان مصروفیات میں عید کا دن کیسے گزرتا ہے۔

3۔ عید کے دن آپ کے گھر میں کون سی ڈش لازمی بنتی ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے ان سوالات کے کیا جواب دیے ہیں۔

رضوانہ وقاص......کرلاں ہری پور

سروے کے جواب لیے حاضر ہیں ہم۔

1۔ چاند کے اعلان میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ لیکن اب پاکستان والے زیادہ تر انتیس روزے ہی کرتے ہیں۔ تھک جاتے ہیں روزے رکھتے رکھتے (ہاہاہا) بہت بابرکت اور رحمتوں والا مہینہ ہے۔ تیاری تقریباً آخری روزوں میں مکمل کر لی جاتی ہے۔ کچن سنبھالتی ہیں امی۔ امی زندہ باد۔ مجھے ٹینشن لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ (ہاہاہا)

2۔ مہمانوں کی آمد بہت اچھی لگتی ہے۔ اور کوشش یہ ہی کرتے ہیں کہ مہمان خوش واپس جائے۔ ہمارے گھر میں زیادہ تر لیموں والا شربت پیش کرتے ہیں کیونکہ لیموں ہمارے گھر کے۔ چنا چاٹ تو لازمی مہمانوں کے لیے اور سب آتے ہیں رشتہ دار، پڑوسی مجھ سے عید ملنے کے لیے۔ سب کا شکریہ۔ سب کے لیے دعا، اللہ پاک ہمیشہ خوش رکھے۔ (آمین) پورا دن مہمان آتے رہتے ہیں ملنے ملانے میں دن گزر جاتا ہے۔

3۔ عید کے دن ہمارے گھر میں گھر کی بنی سویاں اور چنا چاٹ لازمی ہے۔ بریانی دوسرے دن بنتی ہے۔

میٹھے علی خان......خان پور

1۔ عید کی تیاری تو کوئی خاص مسئلہ نہیں کرتی کہ بچوں کی، اپنی اور شوہر نامدار کی تیاری تو قریباً مکمل ہی

digest.library.com

ہوتی ہے تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ ہاں میرب کو شوق ہے کہ مہندی بھی چاند رات کو لگوائی جائے اور چوڑیاں (بھلے خانیوال سے لا کر رکھی ہی ہوں) بھی چاند رات کو ہی پہننی ہیں تو اس کے لیے نکلنا پڑتا ہے جب عید کا اعلان ہو۔

پچھلی دفعہ تو میں، بھابھی نازیہ اور ہم دونوں کی چار بیٹیاں جب مہندی لگوانے نکلیں تو جس کے پاس جائیں وہیں رش۔ کتنی ہی دیر اسی خواری میں گزری۔ خیر لگ ہی گئی بچیوں کو مہندی۔ اور کھانے کی تیاری بھی مسئلہ نہیں کیونکہ تیاری تو ساری پہلے ہی ہوتی ہے (ویسے آپس کی بات ہے، ہم عید پر میزبان کم ہی ہوتے ہیں۔ اکثر مہمان نوازی کا لطف ہی لیا جاتا ہے تاہم پھر بھی مہمان آجائیں جو کہ میرے بہن بھائیوں اور ان کی فیملیز پر مشتمل ہے تو سو بسم اللہ۔ جو گھر میں ہے وہ حاضر جو مزید چاہیے تو ہر چیز قریب ہی دستیاب ہے۔ کہ سسرالی تو دور ہیں مطلب نندیں۔ دیور جیٹھ ہیں نہیں تو بس راوی چین ہی چین لکھتا ہے)

2۔ چلیں جی میں نے دوسرے سوال کا جواب بھی پہلے میں ہی دے دیا۔ یہ سچ ہے کہ عید پر ہمارے گھر مہمان کم آتے ہیں، وجہ یہ کہ مجھ سمیت ہم تین بہنیں گاؤں میں ہی بیاہی ہیں اور میرا گھر میکے کے بالکل ساتھ ہے تو جو بہنیں آئیں، وہ پہلے میکے ہی آتی ہیں لیکن بہرحال پھر بھی کھلانا پلانا تو چلتا ہی ہے اب یہ بھی اتفاق کہ ہم تینوں بہنیں باجی عشرت + نبیلہ اور میں چائے کی شوقین، تو مسئلہ نہیں ہوتا اور نندیں دور ہیں تو وہ اگر آئیں بھی تو عید کے کچھ دن بعد ہی آنا ہوتا ہے۔ تو بس سب کچھ اچھے سے ہی مینج ہوتا ہے ہاں میرب مسئلہ کرتی ہے یہ پکا لو، وہ پکا لو۔

اچھا مزے کی بات۔ چند ماہ پہلے میرب نے ضد کر کے مجھ سے خط لکھوایا اور کہا کہ میں آپ لوگوں سے ریکویسٹ کروں کہ کیک بیک کرنے کی ترکیب دے دیں شمارے میں۔ میں نے کہا کہ خود خط لکھ دو تو کہتی۔ ابھی آپ لکھ دیں پھر میں بعد میں لکھا کروں گی۔ میں نے خاص طور پر میرب کا نام لکھ کر آپ سے ریکویسٹ کی لیکن ہوا کیا وہ خط ہی چھپا نہ ترکیب اب میں میرب کو چھیڑتی ہوں کہ آپ کی وجہ سے میرا خط بھی نہیں لگا اب آئندہ کوئی فرمائش نہ کرنا اور وہ.......(ہی ہی ہی)

3۔ الف نہ پوچھیں سویاں جتنی بھی جان چھڑالوں جو مرضی پکا دوں، پتا نہیں سویاں کسی بھی فارم میں، کسی بھی طریقے سے کیوں بن جاتی ہیں لاکھ جتن کروں پر.......

امتیاز شاہد .... بھکر

میں شعاع ڈائجسٹ کی باقاعدہ قاری ہوں چھٹی جماعت سے جو چسکا لگا تو آج تک پڑھتی آرہی ہوں حالانکہ میری بیٹیاں ایف ایس سی میں ہیں۔ چند سال پہلے کئی خطوط اور افسانے لکھے تھے، مگر شائع نہ ہو سکے۔ دل بہت دکھا، پھر قلم اٹھانے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ آج پورے پانچ سال بعد اپنی پوری ہمت جمع کر کے کپکپاتے ہاتھوں سے یہ سطور لکھ (ٹائپ) کر رہی ہوں۔ اللہ بہتر کرے گا، ان شاء اللہ۔

اب سوالات کی طرف آتی ہوں۔

1۔ چاند نظر آنے کا مسئلہ تو مت پوچھیے۔ چاند رات کو نیوز چینلز باقاعدہ میدان جنگ بن جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے چاند نظر آگیا ہے اور کوئی کہتا ہے، ابھی نہیں آیا۔ سچ پوچھیں تو چاند رات کا اصل مزہ ہی اسی تذبذب میں ہوتا ہے۔

ایک بار تو ایسا بھی ہوا کہ ہم روزہ رکھ کر سو گئے اور صبح پتا چلا کہ عید ہے۔ لو جی! (ہاہاہا)

عید کا راشن میں عموماً اٹھائیسویں روزے کو ہی منگوا لیتی ہوں۔ عید کی صبح جب جنید اور ان کے ابو عید کی نماز کے لیے جاتے ہیں تو میں شیر خورما اور دہی بھلے بنا لیتی ہوں۔

2۔ عید کی چھٹیوں میں میری اکلوتی نند بمعہ فیملی میکے یعنی ہمارے ہی گھر آجاتی ہیں۔ دونوں دیور، ان کی بیویاں اور بچے بھی شہر کی تیز رفتار زندگی سے فرار پا کر اٹھائیسویں روزے کو ہمارے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔

3۔ میری نند کی بریانی پورے خاندان میں مشہور ہے۔ سب کی فرمائش پر وہ عید کے پہلے دن بریانی بناتی ہیں۔ سچ کہوں تو اس بریانی کے بغیر ہماری

عیدادھوری سی لگتی ہے۔

عائشہ عامر......کراچی

1۔سب سے پہلے میری جانب سے تمام پڑھنے والوں کو عید مبارک۔
چاند کے اعلان میں تاخیر کے بارے میں پوچھ کر آپ نے کیا یاد دلا دیا، ہمارے ملک میں تو رات کے ساڑھے گیارہ بجے بھی اعلان ہو سکتا ہے کہ چاند نظر آ گیا ہے تو اس طرح کی صورت حال سے نمٹنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے جیسے ہی رویت ہلال کمیٹی کا اجلاس دس یا ساڑھے دس بجے تک ہو رہا ہو تو سمجھ جائیں کہ کل عید ہو گی (ہی ہی)
خیر سوال کی جانب بڑھتے ہیں یہ سوال خالصتاً گھریلو عورتوں والا ہے میں صرف یہ کہہ سکتی ہوں کہ چاند نظر آتے ہی میں مہندی لگانے بھاگتی ہوں اس کے علاوہ اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب موجود نہیں ہے۔
2۔عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہم لوگ اپنے چاچا، تایا کی فیملی کے ساتھ مناتے ہیں یعنی پہلی عید کی صبح ہم سب تیار ہو کر ہمارے گھر یا کسی بھی چاچا تایا کے گھر جمع ہوتے ہیں اور وہاں سے دیر رات کو واپسی ہوتی ہے تو وہاں پر مہمان بھی ہم ہی ہوتے ہیں اور میزبان بھی ہم ہی ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں نا۔
"ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز"
عمدہ اور لذیذ کھانوں کی بات کی جائے تو پہلے مما، چاچیاں اور تائی مل کر کھانا بنایا کرتی تھیں پر اب کافی سالوں سے کیٹرنگ والے کو ہی آرڈر دیا جاتا ہے ہمارے عید کے تینوں دن اسی طرح گزرتے ہیں اب بھی ہم عید اسی طرح مناتے ہیں جیسے ہمیشہ سے مناتے آ رہے ہیں، اس کے باوجود اب بچپن والی خوشی مفقود ہے، شاید اب ہم بڑے ہو گئے ہیں۔
3۔جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہمارے عید کے تینوں دن کس طرح گزرتے ہیں تو گھر پہ تو ہمارے شیر خورما ہی بنتا ہے۔

صائمہ علی......اسلام آباد

1۔میں اپنے گھر میں عموماً عید سے دو تین دن پہلے سے عید کی تیاریاں شروع کر دیتی ہوں، دو دن پہلے سب کے عید کے دنوں کے سب کپڑے استری کروا کر لٹکا دیئے جاتے ہیں۔اس لیے عید کے دیر سے اعلان ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
ہاں کچن کے کاموں میں صرف اتنا فرق پڑتا ہے کہ کھیر چاند رات کو بنتی ہے تو جب کھیر چڑھاتی ہوں تو ساتھ ہی چکن کو مسالہ بھی لگا دیتی ہوں کہ صبح روسٹ کیا جا سکے اور گوشت کو ابال لیتی ہوں۔اس سب میں دو گھنٹے لگتے ہیں، سو دو گھنٹے عید کی خوشیوں کے لگتے تو پتا بھی نہیں چلتے۔
2۔عید کے دن دوپہر کا کھانا میرے ماموں کے گھر ہوتا ہے تو صبح تو ہم بہت خوب صورتی سے تیار ہو کر دعوت پر چلے جاتے ہیں۔ہاں صبح شیر خورما بناتی ہوں اور بچے کیک یا براؤنیز کھاتے ہیں تو وہ بھی رات کو بنا دیتی ہوں۔بارہ بجے تک دعوت میں چلے جاتے ہیں۔
چار بجے کے بعد واپس آتے ہیں تو اوون میں مسالہ لگی چکن رکھ دیتے ہیں۔ساتھ یخنی پلاؤ بنا دیتی ہوں۔
بچے ماشاء اللہ بڑے ہیں تو وہ اگر اپنے دوستوں میں چلے جائیں تو خیر ہے اگر میری بیٹی نے آنا ہو تو اس کی پسند کے پسندے ضرور بناتی ہوں۔
اگلے دن میرے بھائی، امی اور ان کی فیملیاں کھانے پر آتی ہیں۔اسی دن بیٹی کی پراپر دعوت رکھ لیتی ہوں تو بریانی، نہاری اور چکن کڑاہی بناتی ہوں۔ساتھ کباب رکھ لیتے ہیں۔
میٹھا ایک تو کھیر ہوتی ہے۔دوسرا میٹھا میری چھوٹی بیٹی یوٹیوب سے دیکھ کر بنا لیتی ہے کچھ۔اٹالین یا فرنچ ناموں والی چیزیں ہوتی ہیں۔
3۔روسٹ چکن اور پسندے عموماً ضرور بنتے ہیں۔شیر خورما پہلے ضرور بناتی تھی، اب بچے کھاتے ہی نہیں ہیں تو کبھی بناتی ہوں کبھی نہیں۔
میٹھے میں عموماً کھیر اور براؤنیز بنتی ہیں۔

مسرت حسن......ڈلاس امریکہ

1۔شادی سے پہلے کی عیدوں کا تو کیا لکھوں

Scanned with CamScanner

شادی کے بعد سعودی عرب چلے گئے تو وہاں چاند کا مسئلہ نہیں ہوتا تھا بس گورنمنٹ نے اعلان کر دیا تو چاند ہو گیا، اندازہ ہوتا تھا تو عید سے ایک دن پہلے عید کی تیاری کر لیا کرتے تھے اور جب امریکہ آئے تو یہاں بھی ٹائم پر ہی اعلان ہو جاتا ہے، ہاں جب 29 کو اعلان ہو تو ذرا افراتفری ہو جاتی ہے مگر سب کام ٹائم پر ہی ہو جاتا ہے اور عید کی تیاری اور کچن کا کام اچھی طرح ہو جاتا ہے۔ دونوں ممالک میں چاند کا اعلان تاخیر سے نہیں ہوتا۔

2۔ یہ سوال ایسا ہے کہ جس کا جواب بہت زیادہ ہو جاتا ہے مگر کم کر کے بتاتی ہوں۔ یہاں پر عید ذرا ڈفرنٹ ہوتی ہے، صبح سات بجے سب لیڈیز بھی نماز پڑھنے مسجد میں جاتی ہیں، نماز پڑھنے کے بعد وہاں پر کمیونٹی کی طرف سے بھرپور ناشتہ کروایا جاتا ہے۔ اور گراؤنڈ میں بچوں کے لیے جھولے، ٹرین اور گیمز ہوتے ہیں اسٹال لگے ہوتے ہیں۔ ایک زبردست میلہ لگا ہوتا ہے۔

ہم سب فرینڈز خوب گپ شپ کرتے ہیں بچے الگ انجوائے کر رہے ہوتے ہیں۔ سب لیڈیز کی تیاری دیکھنے والی ہوتی ہے۔ سب فل تیار ہو کر آتے ہیں۔

پھر دس بجے تک گھر آتے ہیں، دو گھنٹے سوتے ہیں بارہ بجے اٹھ کر لنچ بنتا ہے۔ بریانی اور شیر خورمہ بناتی ہوں۔ سب مل کر لنچ کرتے ہیں رات کو ڈنر کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی مہمان آتا ہے۔

ڈنر کا آدھا کام تو رات کو کر لیا ہوتا ہے جیسے کباب بنا کر فریز کر دیتی ہوں قورمہ، کا مسالہ بھون کر رکھ لیتی ہوں چکن 65 کو میرینیٹ کر کے رکھ دیتی ہوں۔ ڈنر میں کباب قورمہ بریانی چکن 65 اور اسٹو بنا لیتی ہوں۔ اسٹو بھی پریشر کوکر میں جلدی بن جاتا ہے۔

رات میں مہمان آئے ڈنر کیا۔ ڈنر کے بعد آئس کریم یا قہوہ کا دور چلتا ہے اور بس عید ختم۔ دن ختم عید کا پتا ہی نہیں چلتا کہ کیسے دن گزرا۔

3۔ عید کے دن کچھ ڈشز ایسی ہیں جو ہمیشہ بنتی ہیں جیسے بریانی۔ شیر خورما۔ چکن 65 کباب یہ ضرور بنتے ہیں اس کے علاوہ تبدیل ہوتی رہتی ہیں سالن میں جیسے کبھی اسٹو تو کبھی نرگسی کوفتے یا قورمہ بس جو گھر والے بولیں وہی بنا لیتی ہوں۔

تسنیم کوثر......کراچی

سروے میں دیے سوالات کے جوابات لکھ رہی ہوں لیکن معذرت کے ساتھ سوالات بارہا ایسے ہی ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

1۔ یہ بات تو سو فیصد درست ہے کہ چاند کا تو دھڑکا لگا رہتا ہے۔ پتا نہیں چاند صاحب 29 کے ہیں یا 30 کو رونق افروز ہوں گے۔ ہائے وہ زمانہ کہاں جب ہم خود اپنی آنکھوں سے چاند کا دیدار کرتے تھے وہ وقت تو بس خواب و خیال بن کر رہ گیا ہے۔ اب تو بس ٹی وی پر ہی چاند صاحب کی اطلاع کے منتظر رہتے ہیں۔

تو جناب ہم سب گھر والے بالکل الرٹ رہتے ہیں۔ کوئی بدمزگی یا افراتفری نہیں ہوتی ہے ہر کام ہر چیز پہلے ہی سے تیار رہتی ہے۔ اس لیے شکر اللہ تعالیٰ کا کچن سمیت ہم سب گھر والے خوشی خوشی عید کی خوشیاں انجوائے کرتے ہیں۔

2۔ عید کے دن مہمانوں کی آمد و رفت تو لازمی جز ہے۔ اس لیے ان کی خاطر خواہ مدارت تو کی جاتی ہے جس کے لیے ہمارے ہاں یہ طریقہ ہے کہ کباب، سوجی بیسن کا ککڑی حلوہ وغیرہ بنا کر پہلے ہی تیار کر کے رکھ دیتے ہیں تو بس جھٹ پٹ شیر خرما کے ساتھ یہ لوازمات وغیرہ پیش کیے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ عید کے دن بریانی اور کڑاہی تیار کی جاتی ہے، اس سے زیادہ نہیں تاکہ سب لوگ اچھی طرح سے تیار شیار رہیں۔ کام کا زیادہ بوجھ بھی عید کے دن اچھا نہیں لگتا ہے، اس لیے سب خوش و خرم رہتے ہیں۔

3۔ عید کے دن میٹھے میں تو شیر خورما لازمی بنتا ہے اس کا خاص طور پر عید کے دن کوئی مقابلہ نہیں، اس کے علاوہ بریانی۔ کڑاہی۔ کباب وغیرہ ہوتے ہیں تو یوں سمجھیے کہ ہمارے گھر میں بس تقریباً یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ بہت زیادہ پکانے کے چکر میں ہم نہیں رہتے بلکہ خود بھی تو اچھے سے کپڑے پہن کر تیار ہونا

Scanned with CamScanner

digest.library.com

ہوتا ہے۔
ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ گھر بھی صاف ستھرا ہو کھانا وغیرہ یا مہمانوں کی خاطر مدارت کا بھی مناسب انتظام ہو اور خود بھی طریقے سلیقے سے تیار ہوں تو اس طرح سے ہوتا ہے ہمارا عید کا دن۔
بتایئے ٹھیک ہے نا ہمارا طریقہ۔

ایمن خالد باجوہ......گوجرانوالہ

1۔ میری ماما پہلے سے ہی سب تیاری کر لیتی ہیں۔ صرف دودھ کا دہی جمایا جائے یا نہیں کا فیصلہ اعلان کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر چاند نظر آ جائے تو اس دودھ کا میٹھا بنا لیا جاتا ہے۔ بڑے تو سو جاتے ہیں اور ہم بہنوں کو تیاری کی فکر پڑ جاتی ہے۔ کوئی فیس ماسک لگا رہا ہے تو کوئی epilator یا مہندی پکڑ کر بیٹھا ہے۔ انٹرنیٹ پر مہندی کے ڈیزائن سلیکٹ ہو رہے ہیں اور کپڑے استری کیے جا رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ عید لک کے لیے میچنگ جھمکے، چوڑیاں اور انگوٹھیاں سلیکٹ کی جا رہی ہیں۔ چاند رات کی اسٹیپس بھیجی جا رہی ہیں۔
2۔ ہمارا گھر خاندان کا ہیڈ کوارٹر سمجھا جاتا ہے کیونکہ دادو ہمارے ساتھ ہوتی تھیں تو سب یہیں جمع ہوتے ہیں۔ پورا دن مہمانوں کی آمد اور خاطر مدارت چلتی رہتی ہے جو ہم خوش دلی سے کرتے ہیں۔ صبح صبح ہی ماما، میں اور میری بڑی بہن گھر کی صفائی اور ڈشز بنا لیتی ہیں۔
دوپہر میں اپنے ننھیال جانا ہم بھائی، بہنوں کی بچپن کی عادت ہے۔ واپسی اگلے دن ہوتی ہے جب ہماری پھپھو اپنی فیملیز کے ساتھ آتی ہیں۔ پھر ددھیالی کزنز کے ساتھ انجوائے کرتے ہیں۔
اس دفعہ عید بالکل بھی پہلی عیدوں جیسی نہیں ہوگی کیونکہ جن کی وجہ سے ہمارے گھر میں رونق اور برکت تھی (ہماری دادو) وہ ہمارے ساتھ نہیں رہیں (آپ سب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے)
3۔ ہمارے کزنز مذاق میں کہتے ہیں کہ فروٹ چاٹ اور دہی بھلے آنٹی طیبہ کی سگنیچر ڈشز ہیں (ہر عید پر بنتی ہیں چاہے عید چھوٹی ہو یا بڑی) ناشتے میں پھیلیاں کھانا معمول ہے اور ہر عید میں مختلف ورائٹی بھی ہوتی ہے جیسے بھی شیر خورما، ٹرائفل وغیرہ۔

فرخندہ سلیم......ملتان

ج: "ہماری طرف سے ساری شعاع کی پڑھنے والی قارئین کو یہ ذرا سی نمکین اور ذرا سی میٹھی عید بہت مبارک ہو، جیسے پلیٹ میں نمکین چاول اور زردہ مکس کر کے کھانا کتنا لذیذ لگتا ہے۔
ہمارے ہاں چاند کا اعلان ہمیشہ ایسے ہوتا ہے جیسے کوئی رشتہ دیکھنے آ جائے اچانک سے جب ساس کہے، سارا کام نند نے کیا ہے اور نند کی ہونے والی ساس کچن میں اپنی ہونے والی بہو کی جگہ اپنی ہونے والی بہو کی بھابی کو کھانے بناتے ہوئے دیکھے اور بھانڈا پھوٹ جائے۔
ہاں یہ سین فروری کے شعاع میں افسانہ بہترین فیصلہ سے لیا ہے۔ پہلے زمانے میں جب نہ اتنے چینل تھے نہ موبائل، ہم چھت پر جا کر واقعی چاند ڈھونڈتے تھے اور کتنا حسین دور تھا جب ہم سنتے تھے کہ چاند پر بیٹھی بوڑھی اماں چرخہ کاتتی ہیں۔
بچے شور مچا دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے چندا ماما ادھر ہے، کوئی کہتا ادھر ہے، اور میں نیچے کچن میں بھاگتی کہ کہیں دودھ ابل کر بہہ نہ جائے۔
ایک بار تو ایسا ہوا کہ چاند کی خبر آتے ہی پورے محلے میں نعرے لگے اور میں نے خوشی میں سویاں بھونتے بھونتے نمک ڈال دیا۔ پھر وہی سویاں میں نے "نئی ایجاد" کہہ کر مہمانوں کو کھلا دیں اور سب نے تعریف بھی کی، کیونکہ عید کے دن لوگ ذائقے سے زیادہ نیت دیکھتے ہیں۔
چاند اچانک ہو جائے تو بھی میں پہلے سے ہی آدھی تیاری مکمل رکھتی ہوں۔ خشک میوہ الگ، دودھ الگ، مسالے ترتیب سے، اور ذہن میں مکمل نقشہ۔ کچن میرے لیے میدان جنگ نہیں بلکہ پرانا دوست ہے۔ میں جانتی ہوں کون سا برتن کس وقت ناراض ہوتا ہے اور کون سا چولہا کب ساتھ چھوڑتا ہے۔ بچ

اب بڑے ہو گئے ہیں مگر ان کی بچپن کی عیدیں یاد آتی ہیں جب وہ ہر دس منٹ بعد پوچھتے تھے۔

''امی! چاند ہو گیا؟''

اور میں کہتی تھی ''بیٹا چاند نہیں ہوا ابھی۔'' سچ یہ ہے کہ چاند کی تاخیر نے مجھے صبر، ترتیب اور مزاح تینوں سکھا دیے۔ میں نے سیکھ لیا ہے کہ عید کی اصل تیاری برتنوں میں نہیں، دل میں ہوتی ہے۔ باقی کام تو ہاتھ خود سیکھ جاوے ہیں۔

عید کا دن ہمارے گھر میں ایسے گزرے ہے جیسے کوئی برات آ گئی ہو۔ میں ایک ہاتھ سے قورمہ میں چمچ چلا رہی ہوتی ہوں، دوسرے ہاتھ سے سلاد کی سبزیاں تراش رہی ہوتی ہوں اور دماغ میں مہمانوں کی آمد کا انتظار بھی ساتھ چل رہا ہوتا ہے۔ بچے شور مچاتے ہیں۔ کسی کی شلوار ادھر ہے، کسی کی قمیض ادھر، اور میاں کہیں ازار بند دانی گم ہو گئی تو دانت والا برش ایسے میں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے۔ مہمانوں کی آمد پر پورا گھر ایک چھوٹی سی ''خوش آمدید کی محفل'' میں بدل جاتا ہے۔

مہمان جب آ جاتے ہیں تو پورا منظر ہی بدل جاتا ہے۔ میں دل ہی دل میں خوش ہوتی ہوں کہ میرے اہتمام، سلیقے اور تھوڑی سی محنت نے نا صرف کھانے کو بہترین بنایا بلکہ ماحول میں بھی محبت اور خوشی چھا گئی۔

بچوں کی مسکراہٹ، شوہر کا منہ بنا ہوا دیکھنا کہ کھانا اچھا بھی ہو تب بھی تعریف نہیں کرنا ان کی خاندانی عادت ہے۔ سمجھتے ہیں بیویوں کی تعریف کر دی تو سر پر چڑھ جائیں گی۔

یہ ان کی عظیم الشان فلاسفی ہے اور میاں جی کے چھوٹے چھوٹے طنزیہ تبصرے یہ سب مل کر پورے دن کو یادگار اور کچھ حد تک سڑیل بنا دیتے ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ کچھ شوہر ایسے ہوتے ہیں جو ظالم ساس، چلتر نند، منہ پھٹ سسر، آوارہ سے دیور، میسنی سی جیٹھانی اور موٹے سے چالاک جیٹھ کی کمی پوری کر دیتے ہیں۔

کبھی کبھی دل میں یہ خیال آئے ہے کہ عید صرف کھانے اور کپڑوں کا نام نہیں، بلکہ محبت، انتظام، اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور ایک چپ سو سکھ کا نام ہے مگر سکھ کا وقت آتے آتے انسان ہی سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے۔

یوں پورا دن گزرتا ہے، صبح کی جلدی سے لے کر شام کی سکونت تک اور آخر مین جب سب مہمان رخصت ہو جاتے ہیں، دل کہتا ہے۔ آج بھی میری محنت کامیاب رہی نہ کسی نے کچھ کہا نہ کسی کو کمی کا احساس ہوا۔ یہی گھریلو عورت کی عید کے دن کی خوشی ہے جس میں لذت، تھکن، طنز اور محبت سب ہی کچھ ہوتا ہے۔''

ج: ''میٹھی عید کے دن اگر کوئی ڈش ہمارے گھر میں سب سے زیادہ اہم اور لازمی ہوتی ہے تو وہ ہے شیر خورما اور یہ صرف میٹھا نہیں بلکہ پورے دن کا ذائقہ، خوشبو اور تھوڑی سی مٹھاس ایک ساتھ لے کر آتا ہے اور زندگی میں جب بہت زیادہ کڑواپن ہو تو مٹھاس پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ شیر خورما بس دودھ اور کھوئے کا کھیل نہیں، بلکہ ایک شادی شدہ عورت کے ہاتھوں کی جادوگری ہے جو کھاتے ہی پورے خاندان کے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی ہے۔

شیر خورما کی خوشبو ہی کافی ہے کہ پورا گھر اور آدھا محلّہ فوراً جان جائے کہ عید کا سماں ہے۔ دودھ ابالتے ہوئے، کھوئے کے نرم ذرات میں خشک میوہ ڈالتے ہوئے، اور تھوڑی سی الائچی مہنگے والے قیمتی پرفیوم کی طرح چھڑکتے ہوئے میں دل ہی دل میں سوچتی ہوں کہ واقعی خوشبو سے دل جیتنا بھی ایک فن ہے۔

کبھی کبھی یہ بھی سوچتی ہوں کہ اتنا میٹھا کھا کر بھی کچھ لوگوں کے اندر کی کڑواہٹ ختم نہیں ہوتی، وجہ وہ ایک نمبر کے ڈھیٹ ہوتے ہوں گے۔

اب اجازت دیں کہ افطار کا وقت آنے والا ہے اور شوہر کی ساس نند نما باتیں سننے سے پہلے میں باورچی خانے میں جانے کی نیت کرتی ہوں۔

☆☆

ڈراما/ رائٹر/ افسانہ نگار

یمنیٰ احمد سے ملاقات

شاہین رشید

digest-library.com

آج کل ڈرامہ سیریل "ماں" ٹیلی کاسٹ کیا جا رہا ہے جو ناظرین کو پسند بھی آ رہا ہے تو سوچا کہ کیوں نہ اس کی رائیٹر سے بات کریں۔ یمنیٰ احمد نہ صرف ڈرامہ نگار ہیں بلکہ یہ ڈائجسٹ کی دنیا سے بھی منسلک رہی ہیں۔

"کیسے مزاج ہیں؟"

"الحمدللہ۔"

"آپ کا ڈرامہ سیریل "ماں" دیکھ رہے ہیں۔ گرین ٹی وی سے آن ایر ہے معروف فنکار کام کر رہے ہیں اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا بھی جا رہا ہے۔ اس کے بارے میں سوالات کرنے سے پہلے کچھ ادھر ادھر کی باتیں ہو جائے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔"

"تو پھر پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ یمنیٰ ایک معروف فنکارہ ہیں یمنیٰ زیدی۔ آپ یمنیٰ احمد...... لوگوں کو کچھ کنفیوژن ہوتا ہے؟"

"دنیا میں ایک نام کے بے شمار لوگ ہوتے ہیں۔ اور ویسے بھی وہ یمنیٰ زیدی اور میں یمنیٰ احمد اپنے پلیٹ فارم سے اپنے حصے کا کام کر رہی ہوں۔ ہاں کئی بار ایسا ضرور ہوا کہ مجھے بے خیالی میں یمنیٰ زیدی کے نام سے پکارا گیا اور پھر سب نے مل کر زبردست قہقہہ لگایا کہ غلطی سے کہہ دیا۔"

"ہوں...... اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتایئے؟"

"فیملی بہت سادہ، بہت معصوم اور بہت مختصر ہے۔ دہلی سے تعلق ہے اور دلچسپ بات یہ کہ فیملی میں کسی کو بھی میرے والے کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسی لیے گھر کی مرغی دال برابر ہے۔

البتہ ایک بات پر میرا یقین ہے کہ آپ کی فیملی میں یا آپ کے آس پاس کوئی ایک ایسی شخصیت ضرور ہوتی ہے جو جانے انجانے میں آپ کو آگے بڑھنے پر پش کرتی ہے اور مجھے پش کرنے والے میرے ــــــ "نانا جان" تھے۔ میں انٹر میں تھی تو ان کا انتقال ہو گیا لیکن ان کا ایک جملہ مجھے ہمیشہ یاد رہا کہ "کبھی ہمت نہ ہارنا" جو بھی پڑھنا چاہتی ہو پڑھو۔ جو بھی لکھنا چاہتی ہو لکھو۔ پھر میری والدہ اور میرے ماموں لائبریری سے ڈائجسٹ لاتے تھے جنہیں میں چھپ چھپ کر ایک ہی رات میں پڑھ کر ختم کر دیا کرتی تھی۔

ہم ماشاء اللہ چھ بہن بھائی تھے۔ چار بہنیں اور دو بھائی۔ دو بہنیں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اب ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں اور میرا نمبر پہلا ہے۔ اور مجھے اپنے دو بھائیوں میں رضوان بھائی سے بہت زیادہ

Scanned with CamScanner

پیار ہے دنیا کی ساری بہنوں سے زیادہ پیار ہے۔ میری تعلیم بی اے آنرز ہے اور میں نے ٹاپ کیا کراچی یونی ورسٹی میں اپنے شعبے میں اور مجھے اس کا علم ہی نہیں ہوا۔ بہت بعد میں پتا چلا کہ میں یہ کارنامہ انجام دے چکی ہوں۔

میں شادی شدہ ہوں۔ میرے دو بیٹے ہیں محمد زریان اور محمد آزین، شوہر کا تعلق بھی شعبہ صحافت سے ہے اور ان کا نام محمد امین ہے بہت خیال اور پیار کرنے والی شخصیت ہیں اور میرا سسرال بھی بہت اچھا اور احساس کرنے والا ہے۔"

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

"آج کل کی مصروفیات کا مت پوچھیں۔ سوتے میں بھی دماغ میں اسٹوری چل رہی ہوتی ہے۔ اور جاگتے میں کردار چلتے پھرتے نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ اچھے بھلے مزے مزے کے کھانے بنایا کرتے تھے اب بس خیالی پلاؤ پکتے ہیں۔ اور ایسا جب ہی ہوتا ہے جب آپ کوئی مقام حاصل کرنے کے لیے اپنی محنت میں شدت اور جنون لے آئیں۔ گھر میں بہت کم وقت گزرتا ہے۔ زیادہ تر آفس اور آفس کی مصروفیات میں گم رہتی ہوں ایک پروڈکشن ہاؤس میں اسکرپٹ ایڈیٹر ہوں۔"

"لکھنے کا عمل کب سے جاری ہے؟"

"مجھے نہیں یاد کہ لکھنے کا عمل کب سے شروع ہوا۔ البتہ باقاعدہ لکھنے کا عمل تب شروع ہوا جب میں "انٹر" میں تھی۔ تب میں نے ایک کہانی لکھی تھی۔ جو ایک بچی "آپ بیتی" تھی۔ ایک دلچسپ بات بتاؤں کہ جب میں چھوٹی تھی تو گھر میں جو بھی باتیں ہوتی تھیں چاہے وہ تلخ ہوں یا شیریں۔ انہیں بے خیالی میں اپنی نوٹ بک میں اپنے انداز میں لکھ لیا کرتی تھی جو بعد میں مجھے کہانی لگتی تھی اور یہ بات گھر میں کسی کو نہیں معلوم تھی۔

ڈائجسٹ پڑھنا اچھا لگتا تھا اور اس میں لکھنا ایک خواب...... پھر ہوا یوں کہ ایک دوست کے شوہر ایک بڑے ڈائجسٹ میں سب ایڈیٹر اور رائیٹر تھے۔ ان کا نام حسام بٹ تھا انہیں اپنی تحریر دکھائی جسے آگے پذیرائی ملی اور یوں آگے جگہ ملتی گئی۔ اگلے اسٹیپ نے مجھے خود حیران کر دیا، وہیں سے جاب آفر ہوئی پھر یہ اعزاز بھی ملا کہ ایک بڑے ڈائجسٹ میں ایڈیٹر کی جاب مل گئی یہاں مجھے مدیر اعلیٰ نے مجھے بہت پیار دیا۔ ان کی حوصلہ افزائی کے بعد میں نے بے شمار رائیٹرز کو متعارف کرایا، بڑے بڑے سیلبریٹیز کے انٹرویوز کیے جنہیں پسندیدگی کی سند ملی اور یوں میں اس ماہنامہ کی بیس سال ایڈیٹر رہی۔ اس کے علاوہ مختلف ڈائجسٹ میں کہانیاں بھی لکھیں سب ایڈیٹر بھی رہی۔"

"ٹی وی پہ آمد کیسے ہوئی؟"

"سفر چھوٹا مگر تکلیفیں زیادہ ہیں۔ کہاں تک سنو گے کہاں تک سنائیں، جنہیں دوست سمجھا اور جن پر گمان تھا وہ سارے گمان اور خواب کانچ کی طرح ٹوٹ گئے۔ لیکن کہتے ہیں نا کہ جہاں اندھیرا زیادہ

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہوتا ہے۔ دنیا سے رونق چلی گئی ہے۔ مجھے بھی کچھ انجان چہروں نے وہ اپنائیت دی کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بے شک وہ رب العزت جسے چاہے عزت دے۔ سہیل یونس اور محمود الٰہی نے حوصلہ افزائی کی اور رمضان ٹرانسمیشن میں میرا پہلا ڈرامہ آن ایئر ہوا ''بھوک'' کے نام سے اور شکر الحمدللہ جس نے بھی بھوک ڈرامہ دیکھا اس کے دل پر اثر ہوا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بعد ماشاءاللہ کئی سنگل پلے آن ایئر ہوئے۔ اور آج یہ سفر یہاں تک پہنچا کہ ڈرامہ ''ماں'' گرین چینل سے آن ایئر ہے۔''

''جب ڈرامہ سیریل ماں کا ذکر ہے اور دیگر ڈراموں کا تو یہ بتائیں کہ جگہ بنانے میں کہاں مشکل ہوئی۔ ڈائجسٹ میں یا ٹی وی میں؟''

''مشکل تو دونوں جگہ ہوئی۔ آپ کو پتا ہے کہ دوستوں کے ساتھ مخالفین کی بھیڑ میں اپنی جگہ بنانا آسان نہیں ہوتا بہت انتظار اور جدوجہد کے بعد اللہ نے کامیابی دی۔

ایک ڈائجسٹ میں پہلی کہانی ایک آپ بیتی تھی اور پھر وہی کہانی کسی نے چرا کر اخبار جہاں میں تین عورتیں تین کہانیاں میں دے دی اور ٹی وی میں پہلا ڈرامہ ''بھوک'' تھا جو رمضان ٹرانسمیشن میں آن ایئر آیا۔''

''آپ کا سیریل ''ماں'' ناظرین پسند کر رہے ہوں گے یقیناً۔ اس کو مکمل ہونے اور سیٹ پر آنے کے لیے کتنا ٹائم لگا؟''

''یہ کہانی تقریباً ڈیڑھ سال پہلے لکھنا شروع کی تھی۔ پھر بیچ میں اسے روک دیا گیا۔ پھر حکم آیا کہ اسے فوری طور پر پورا کرنا ہے۔ پھر مشین کی طرح کام کیا اور تقریباً تین ماہ بعد یہ سیٹ پر گیا۔''

کہانی تو ایک عام سی ہے کہ ہمارے یہاں لڑکیوں کی پیدائش کو بہ خوشی قبول نہیں کیا جاتا بعض گھروں میں تو بیٹی کی پیدائش پر طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ تو اپنے اس پوائنٹ آف ویو کو منوانے کے لیے کافی بحث و مباحثہ کرنا پڑا۔''

''کیا اسکرپٹ کے بعد آپ کا کام ختم ہو گیا یا آپ سیٹ پر ساتھ ساتھ رہی ہیں؟''

''خواہش تو بہت تھی کہ ساتھ ساتھ رہوں۔ لیکن مصروفیات نے اجازت نہیں دی۔ البتہ میں کانٹینٹ ہیڈ کی ٹیم اور ڈائریکٹر کے ساتھ رابطے میں رہی اور ٹیم کے ساتھ ساتھ کام کرتی رہی اور یوں یہ سفر تمام ہوا اور ''ماں'' آن ایئر ہو گیا۔

رب کی شکر گزار ہوں کہ سیریل پسند کیا جا رہا ہے اور مجھے جتنا شاندار ریپانس میرے گھر والوں نے دیا کسی نے نہ دیا ہوگا۔ بہن کی روشن آنکھیں، بھائی کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر لگتا ہے کہ محنت وصول ہو گئی میرے دوست احباب جو شدت سے منتظر تھے اس سیریل کے انہوں نے پسندیدگی کا اظہار کر کے حوصلہ افزائی کی۔ اور سسرال والوں کو تو یقین ہی نہیں آیا کہ میں ایسا کوئی کام کر سکتی ہوں۔ سب بہت خوش ہیں اور ان سب کی محبت کے ساتھ ساتھ میرے شوہر کی سپورٹ نے میرے لیے اس کام کو آسان کر دیا۔''

''گرین ٹی وی کا انتخاب کیوں کیا؟ دیگر مقبول چینلز کو چھوڑ کر؟''

''میں سمجھتی ہوں کہ عمارت کھڑی کرنے کے لیے پہلے زمین کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ گرین میرے

Scanned with CamScanner

لیے کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ پہلا دروازہ ہے گرین کی اسکرین بہت جان دار اور شان دار ہے اور گرین کا فیوچر بھی بہت برائیٹ ہے اس نے ناظرین کو بہترین ڈرامے دیئے ہیں۔

اور رب کا شکر ہے کہ مجھے "ماں" کے لیے بہت زیادہ دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بس کہانی کے پیچ و خم نے بہت ٹائم لیا۔ راتوں کو دیر تک کام کرنا پڑا۔ جلدی جلدی سین بنانے پڑے۔ مگر کانٹینٹ ٹیم نے بہت ساتھ دیا۔ اکثر شوٹنگ ہوتے دیکھتی تھی تو لگتا تھا کہ کوئی بہت بڑا خواب پورا ہو رہا ہے۔"

"اب اگلا پروجیکٹ کون سا ہے؟"

"جی اگلے پروجیکٹ پہ بھی کام ہو رہا ہے اور وہ ابھی لکھنے کے مراحل میں ہے تو ٹائم تو لگے گا۔ آسانیوں کے لیے دعا کیجئے گا۔"

"اس میں سینئر جونیئر سب ہی فنکار ہیں۔ کس نے بہت متاثر کیا آپ کو؟"

"مجھے رفیق احمد اور یمنیٰ آصف کی عادت بہت اچھی لگی۔ دونوں بہت کوآپریٹو ہیں۔ میری خواہش تھی محمد احمد کے ساتھ کام کرنے کی جو کہ پوری ہوئی اور آپ کو بتاؤں کہ میں ایک بہت ہی شان دار انٹرویو ان کا لے چکی ہوں اور انہوں نے میرا نام روتی ہوئی آنکھوں والی لڑکی رکھا تھا۔" خیر...... سنیتا مارشل، سلمیٰ ظفر اور سعد آفریدی سب ہی بہت اچھے رہے میرے ساتھ۔

اور کانٹینٹ ہیڈ میں محمود الٰہی اور پروڈیوسر بابر جاوید اور عروج بنت ارسلان نے بھی بہت محبت سے اپنا فرض ادا کیا۔ کسی بھی ڈرامہ سیریل میں بہت سارے لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگوں کی دعائیں ہوتی ہیں۔ میرے گھر والے میرے سب سے بڑے سپورٹر تھے۔ خاص طور پر میری بہن نے میرا بہت خیال رکھا۔

"رائٹرز کی تحریروں میں مشاہدات ہوتے ہیں یا آپ کے تصورات و تجربات بھی ہوتے ہیں؟ اور آپ کی شخصیت کا عکس بھی ہوتا ہے؟"

"میرا خیال کہ رائٹرز کی تحریروں میں تجربات بھی ہوتے ہیں مشاہدات بھی اور ہمارے اپنے خیالات و تصورات بھی ہوتے ہیں، لکھتے لکھتے آپ بہت کچھ ایسا لکھ جاتے ہیں جو زندگی میں کہیں نہ کہیں کر گزرے ہوتے ہیں۔ کبھی کسی اور کی زندگی کا مشاہدہ آپ کے پاس ہوتا ہے اور کبھی آپ اپنے تصورات کی دنیا سے وہ کچھ ڈھونڈ لاتے ہیں جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر زندگی اس کا موقع نہیں دیتی۔

جہاں تک عکس کی بات ہے تو رائٹر کے مزاج کا کوئی نہ کوئی پہلو شعوری یا لاشعوری طور پر اپنی جھلک ضرور دکھاتا ہے۔ میں نے ڈائجسٹ میں کچھ ایسے افسانے لکھے ہیں جن میں اپنی ذات کو ڈسکس کرنے کا موقع ملا، اور میں نے کیا بھی۔ ان تحریروں کے نام نہیں بتاؤں گی۔ کیونکہ میری شخصیت بہت دہری ہے اوپر سے سنجیدہ اور اندر سے شرارتی۔ بس جہاں جیسا موقع ملتا ہے ویسا اظہار ہو جاتا ہے۔"

"قلم سے وابستہ ہوئے کتنے سال ہو گئے ہیں؟"

"قلم کے حوالے سے وقت کا شمار کرنا ذرا مشکل ہے۔ لم سم ڈائجسٹ کی دنیا میں تو تقریباً بائیس سال جس میں مدیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ کئی افسانے اور ناول بھی لکھے۔ اور ٹی وی میں تقریباً چار سال، جس میں کئی سنگل پلے بھی لکھے۔ سیریل پہلا ہے جبکہ سنگل پلے تو کافی لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ میری شاعری کا ایک مجموعہ بھی کتابی شکل میں منظر عام پر آ چکا ہے "صحرا ہوا کہ ساون" کے نام سے۔"

"کہتے ہیں کہ ڈرامہ رائٹر تو راتوں رات بہت امیر ہو جاتا ہے۔ آپ کیا کہیں گی اس بارے میں؟"

"ارے یہ کہاں کا خواب ہے جی۔ بھئی جو کام مہینوں میں مکمل ہوتا ہے اس کا پھل بھی سالوں میں ملتا ہے۔ دعا کریں کہ جلدی جلدی مزید پروجیکٹ پر کام کر دوں پھر آپ کے اس سوال کا جواب مزے سے دوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے یمنیٰ احمد سے اجازت چاہی۔ شکریہ یمنیٰ

☆☆

مسرت حسن نے ڈیلاس امریکہ سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں
"دھوپ دریچہ" میں عشنا تو بے حد خطرناک لگ رہی ہے، حارث کو ذرا بھی عقل نہیں آ رہی۔ اتنا پڑھا لکھا لڑکا، بزنس کرنے والا لڑکا ہے مگر اس کو کھوٹے کھرے کی پہچان ہی نہیں ہو رہی اور ایک خراب لڑکی کی وجہ سے اپنے گھر کو ہی چھوڑ دیا۔

"تیرے بعد" واقعی میں ہر ایک کو اپنے اندر کے انسان کی بات سننا چاہیے۔

"خالہ زبیدہ کا دسترخوان" جو دوسروں کو کھلاتا ہے۔ اللہ اس کے گھر کے برتن کبھی خالی نہیں رہنے دیتا اور نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

"آو نیم کش" عدن اور میر عثمان کی جوڑی اچھی ہے مگر ان کی لائف میں الجھنیں آ رہی ہیں۔ صفا اور جمیل کی پڑھائی کے متعلق جملے بہت مزے دار ہوتے ہیں۔

"بہترین فیصلہ" رشنا جیسی لڑکیاں ہمارے معاشرے میں بہت ہیں جو سسرال کے مظالم سہتی ہیں۔

"اپنوں کے درمیان" اف پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ فرشی شلوار کا کیا مذاق اڑایا ہے شمیلا بھابھی کا دکھاوا، رکھ رکھاؤ اور شو آف طبیعت کی وجہ سے سب ان سے فاصلہ رکھتے تھے ان کی ہی وجہ سے منذلین سے بھی فاصلہ رکھتے تھے۔

اس میں گول گپوں کا اتنا تذکرہ ہوا کہ آج شام کو ہی ہم سب نے چائے کے ساتھ گول گپوں کا اہتمام کیا اور خوب انجوائے کیا ہو واقعی بالکل ٹھیک ہے کہ اولاد کی خاطر ماں باپ اس جگہ بھی گھٹنے ٹیک دیتے ہیں جس جگہ وہ قدم رکھنا پسند نہیں کرتے۔

"چاہت کے انداز" اس میں خالہ نے بہت اچھا کیا۔ واقعی سب سے بنیادی چیز اعتماد ہوتا ہے۔

"چار بالشت کا فاصلہ" اس میں استنبول کے قہوہ خانے کا بڑا اچھا منظر پیش کیا گیا۔ پڑھ کر بس ٹھیک ہی لگا۔

"سوز تو سارے من کے ہیں" تاجور جیسی عورتیں زندگی کا عذاب ہوتی ہیں۔ عاشر اور خاقر کی بہن سے محبت اچھی لگی۔

"گنگا کنارے" ۔ کبیر کے والد اچھے نہیں تھے تو

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

کبیر کی ذہین آرا سے شادی نہیں ہو پا رہی ویسے کبیر کو لکھنو نہیں جانا چاہیے تھا۔ اب اللہ جانے کون کبیر کو مل گیا۔

"تجھ سے بھی دلفریب" اس میں بچوں کی تربیت کے بارے میں اچھا لگا۔ مگر بچوں کو تھوڑی اسپیس چاہیے ہوتی ہے بچوں کی تربیت کے ساتھ صدقہ جاریہ اپنے لیے ضرور کرنا چاہیے۔ آج کل تو زندوں کو کوئی یاد نہیں رکھتا تو مرنے کے بعد کون یاد رکھے گا۔ نیکیاں کرتے رہیں گے تو مرنے کے بعد لوگوں کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔

ج: پیاری مسرت! اتنا اچھا تبصرہ کیا ہے کہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ ہم آپ سے متفق ہیں زندگی کو جیل نہیں بنانا چاہیے۔ پڑھنے کا ٹائم، کھیلنے کا ٹائم، سونے جاگنے کا ٹائم، کھانے کا ٹائم اتنی زیادہ پابندیاں بغاوت پر اکساتی ہیں۔ یا بچے ڈل ہو جاتے ہیں، ایسے بچے والدین سے اپنی سرگرمیاں چھپاتے ہیں بقول اقبال لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی تنہا بھی چھوڑ دے۔ انتہا پسندی کسی بھی کام میں غلط ہے۔

ایمن خالد باجوہ گوجرانوالہ سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے
رسالے پڑھنے کا شوق ماما، بابا، خالہ اور آپی سے ہوتا ہوا ہم بھائی، بہنوں میں منتقل ہوا ہے۔ اتنے سالوں سے ہم آپ کے خاموش قاری ہیں۔ ان رسالوں سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ "پیارے نبی کی باتیں" اور "باتوں سے خوشبو آئے" سب سے بہترین سلسلے ہیں۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا" آپ کو اچھا رسپانس ملا، خوشی ہوئی۔ فواد خان کے بارے میں معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ گلوکار بھی ہیں۔ آغا علی کا انٹرویو پڑھ کر اسکول کے دنوں کی یاد آ گئی جب اپنی دوست سے اللہ دیکھ رہا ہے کا او ایس ٹی فرمائش کر کے سنتے تھے۔ خطوط پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے گرلز گوسپ، ایک ہی کہانی پر مختلف اظہار رائے۔ "نیا سال، نئی بہار" سمیرا حمید اللہ آپ کے قلم میں اور برکت ڈالے۔ آپ کی بات سیدھا دل میں اتر جاتی ہے۔ "دھوپ دریچہ" میں مجھے شاہانہ پھپھو اور ضامن کا کردار بہت پسند ہے اور عشنا بالکل بھی پسند نہیں۔

"گنگا کنارے" تقسیم ہند سے پہلے والی کہانیاں ہمیں بہت فیسینیٹ کرتی ہیں۔ ایسا رکھ رکھاؤ، شائستہ انداز گفتگو آج کل ناپید ہے۔ طلعت آپا اور ذہین ہمیں دکھی کر دیتی ہیں۔ محبت یا تو ہونی نہیں چاہیے، ہو جائے تو ملنی چاہیے۔ فضیلت بیگم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ضروری تو نہیں کہ کبیر باپ کا پرتو ہو۔

"آ، نیم کش" اتنے راز! مجھے لگتا ہے کہ سبیل میر عثمان علی خان کی بیٹی ہے پہلے لگتا تھا کہ آدم کو ان ہی نے ہائر کیا ہے مگر اب لگتا ہے کہ اس کے ننھیال (دیم علوی) میں سے کوئی اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ ویسے آج کل آسیہ رئیس خان، سمیرا حمید، فرزانہ کھرل اور نمرہ احمد ہماری پسندیدہ ہیں۔

میری خالہ کہہ رہی ہیں کہ مالا پر دوبارہ افسوس کر لو میری طرف سے۔ "موڑ تو سارے من کے ہیں" واہ میرا علی! بہترین!! شفان کیشا رشین بنا کر آخر تک ہمیں کامیابی سے بےوقوف کیے رکھا پر شکر ہے شفان کی ہیپی اینڈنگ تھی۔

"اپنوں کے درمیان" دادو کا کردار مزے کا تھا اور انھیں بھی جس نے پیاری [illegible] کا احساس کیا۔

"تیرے بعد" یہ سبق دے گیا کہ اپنے حق کے لیے خود ہی لڑنا پڑتا ہے۔ "خالہ زبیدہ کا دستر خوان" ایسے لوگوں کی وجہ سے ہی دنیا میں اچھائی اور برکت ہے۔

"بہترین فیصلہ" ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے جو بیٹی اور بہو میں فرق رکھتے ہیں ایک کو مہارانی، دوسری کو نوکرانی سمجھتے ہیں۔ ثمن کی خالہ کا "چاہت کا انداز" بہت بھایا۔ "تجھ سے بھی دلفریب" یاد دہانی کروا گیا کہ دنیا کے کاموں میں لگ کر ہم ساتھ لے جانے والی نیکیاں اکٹھی کرنا نہ بھولیں۔ شعر و شاعری اتنی مرغوب نہیں۔ "مسکراہٹیں" مسکرانے پر مجبور کر گئیں۔ قوم لوط کے انجام سے دنیا کو نصیحت پکڑنی چاہیے۔ "موسم کے پکوان" کبھی آزمائے نہیں۔ البتہ "بیوٹی بکس" کے ٹوٹکے وقتاً فوقتاً آزماتے رہتے ہیں۔

ج: پیاری ایمن! تفصیلی تبصرے کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ آپ نے پورا پرچا پڑھ کر مختصر الفاظ میں بہت جامع تبصرہ کیا۔ اب ہماری محفل میں شرکت کرتی رہیے گا۔ آپ نے صحیح لکھا ہے۔ رکھ رکھاؤ اور شائستہ انداز گفتگو نایاب ہی ہوتا جا رہا ہے۔ خصوصاً غلط اردو بولنا فیشن ہو گیا ہے۔ املا غلط جملے غلط، پڑھ کر سوچتے ہیں کہ ان کا بھی کیا قصور ہے سزا ان کے استادوں کو ملنی چاہیے۔

لاہور سے ام ہادیہ شہزاد نے شرکت کی ہے لکھتی ہیں
تین ماہ ہو گئے بھائی کو گئے لیکن دل ایسے ہی تکلیف میں ہے جیسے اس کی رخصتی کے وقت تھا۔ کوئی مجھے دیکھتا ہے تو دیکھتا ہی رہ جاتا ہے، وہ جو پہلے مجھے کہتے تھے کہ لگتا ہی نہیں کہ تمہارے پانچ بچے ہیں اور اب کہتے ہیں کہ تم تو بوڑھی ہو گئی ہو سارے بال اتر گئے اور جو بچے وہ سارے سفید ہو گئے ہیں تین ماہ میں نظر کمزور ہو گئی ہے ویسے میرے بچے مجھے رونے نہیں دیتے، اب بھی سب سے چھوٹی والی پین اور کاپی لے کر آ گئی میرے پاس کہ ماما کتنے دنوں سے آپ کو کچھ لکھتے نہیں دیکھا لکھیں۔
سارا شمارہ پڑھ لیا ہو تو بتائیں بھی کہ کیسا لگا پہلے تو بہانہ بنا دیا کہ مجھے کام ہے لیکن وہ بھی ضدی ہے لکھوا کر چھوڑا آپ سے ہی اپنے غم شیئر کر سکتی ہوں کیونکہ جن

سے کرتی تھی ان کی حالت بھی میرے جیسی ہے، اللہ میری امی کو صبر دے۔ آمین۔

اب بات ہو جائے شمارے کی، ہمیشہ کی طرح شان دار ناول تھا مجھے تو بہت پسند آیا۔ مریم عزیز کا ناول شان دار تھا حارث کو زیمل کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ گنگا کنارے مزہ آ رہا ہے پڑھ کر۔ آو نیم عشق مجھے لگتا ہے کہ سبیل کی دادی اس کی سگی دادی نہیں ہے، صفا کا کردار مزے کا ہے۔ سمیرا اچھی لکھیں اور اچھا نہ لکھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے بڑی پُر اعتماد تھی بانو۔ "میلے دل" پسند آئی۔ الجھن بھی اچھا تھا، لو بہار آ گئی پہلے تو لڑکے کا کاروبار گھر دیکھا جاتا تھا کہ کماتا بھی ہے کہ نہیں لیکن آج کل یہ سب لڑکی والوں میں دیکھا جاتا ہے کہ باپ بھائی کتنا کماتے ہیں۔ جہیز کیسا ملے گا اور کتنا اور اگر لڑکی کا باپ یا بھائی ملک سے باہر ہو تو پھر تو سونے پہ سہاگہ ہے ان کے لیے جنہیں لڑکی لے کے نہیں جانی لڑکا دے کے جانا ہے۔ باقی سارے سلسلے بھی اچھے تھے، فرخندہ سلیم نے بہت اچھا لکھا مجھے ان کا شعر بھی بہت پسند آیا تھا اور جناب ہمارے یہاں بہت سردی ہے بچ اتنی اسموگ ہے آس پاس کچھ نظر نہیں آتا کمرے میں کمبل میں بیٹھی خط لکھ رہی ہوں پھر بھی ٹھنڈ لگ رہی ہے اس لیے اب مجھے اجازت دیں زندگی رہی تو پھر ملیں گے بچی میرے لیے تو یہ ایک ملاقات ہے۔

ج: پیاری بہن! آپ کا دکھ بہت بڑا ہے۔ صبر آتے آتے آئے گا۔ آپ کو جب بھی بھائی کی یاد آئے، ان کی مغفرت کی دعا کریں۔ بندے پر جو بھی مصیبت آتی ہے۔ اگر وہ صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اپنی صحت پر توجہ دیں۔ خود سے اتنی لاپروائی ٹھیک نہیں۔ اس سے آگے چل کر پیچیدگیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

عشرہ مومن نے ڈیرہ غازی سے شرکت کی ہے

فروری کا شعاع سرورق کی وجہ سے بہت پیارا لگا فہرست میں سمیرا حمید کا نام لبوں پر مسکان لے آیا۔ ان کے الفاظ کمر پر حوصلے کی تھپکی بن کر دل میں اتر گئے۔ "دھوپ دریچہ" زیمل بہت پسند ہے ہالہ کا نام اچھا لگتا ہے۔ حارث کی عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے جب پیٹ بھرے گا اپنی کھونٹی سے آ لگے گا۔ حماد بہت سلجھا ہوا لڑکا ہے؟ زیمل کی شادی حماد سے ہو گی۔ "گنگا کنارے" اتنا مشکل کہ دماغ کے کنارے ہی لگا رہا، دماغ کے اندر نہیں جا پا رہا۔ دعا ایوب کا "تیرے بعد" بے حد عمدگی سے لکھا گیا ہے ایک مثالی کردار پیش کیا دعا نے۔

خالہ زبیدہ کے دسترخوان نے آنکھیں بھگو دیں۔ مجھے بھی بہت شوق ہے اس طرح کا دسترخوان لگانے کا۔ اس لیے پڑھتے ہوئے آنسو رک نہیں رہے تھے۔

نادیہ جہانگیر کا "بہترین فیصلہ" بہت پسند آیا نصرت جبین کا "چاہت کے انداز" میں ثمن کی خالہ نے بہت اچھا کیا، اپنی بھانجی کو شکی انسان سے بچا لیا۔ قانتہ آپا تو ہمیشہ کی طرح دل فتح کر لیتی ہیں البتہ رفعت فاطمہ کا استنبول کی رائیٹر پر لکھا نئے انداز کا افسانہ بھی پسند آیا۔

ج: پیاری عشرہ! کافی عرصہ بعد محفل کو رونق بخشی شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔

اقراء بتول آڑا اکبر شاہ سے لکھتی ہیں

فواد خان سے مجھے ملاقات پسند نہیں آئی۔ کچھ خاص ان کا انٹرویو نہیں لگا آغا علی کا انٹرویو مختصر سا تھا۔ تسنیم کوثر کراچی میں رہنے کی وجہ سے ہمیشہ ان کا پہلا خط ہوتا ہے۔ سب بہنوں کے احوال جان کر مزہ آتا ہے۔ دھوپ دریچہ میں مجھے حارث سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ کومل اور خالہ کی خاطر گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔ وہ دونوں تو ڈائن نکلیں آخر کار حارث کو باپ کے خلاف کر دیا۔ زیمل پہلے ہی حالات کی ماری ہوئی تھی۔ اب اس کے ساتھ یہ حالات ہو رہے ہیں۔ اب کہانی ایک نئے موڑ پر آ گئی ہے۔ دعا ایوب کے افسانے ہمیشہ ایموشنل ہوتے ہیں۔ تیرے بعد میں باپ کے جانے کے بعد اولاد تخت سے جا گرتی ہے۔ ان کے ساتھ معاشرہ جو حال کرتا ہے ان پر

بقیہ صفحہ نمبر 204

مریم عزیز

دھوپ دریچہ

لاہور کے ایک بڑے بزنس مین غلام عباس کی خوب صورت بیٹی ہالہ یونی ورسٹی میں پڑھتی ہے جہاں ایک لڑکا ثاقب اس میں دلچسپی لیتا ہے۔ ہالہ اسے نظر انداز کرتی ہے۔ غلام عباس کا بڑا بیٹا حارث بزنس میں باپ کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کی ناہید خالہ جو لاہور کے پسماندہ علاقے میں رہتی ہیں اپنی ماں کے کہنے پر ان کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے، ان کی بڑی بیٹی کومل حارث کے خواب دیکھتی ہے جبکہ حارث کی منگنی بچپن ہی میں اپنے مرحوم چچا

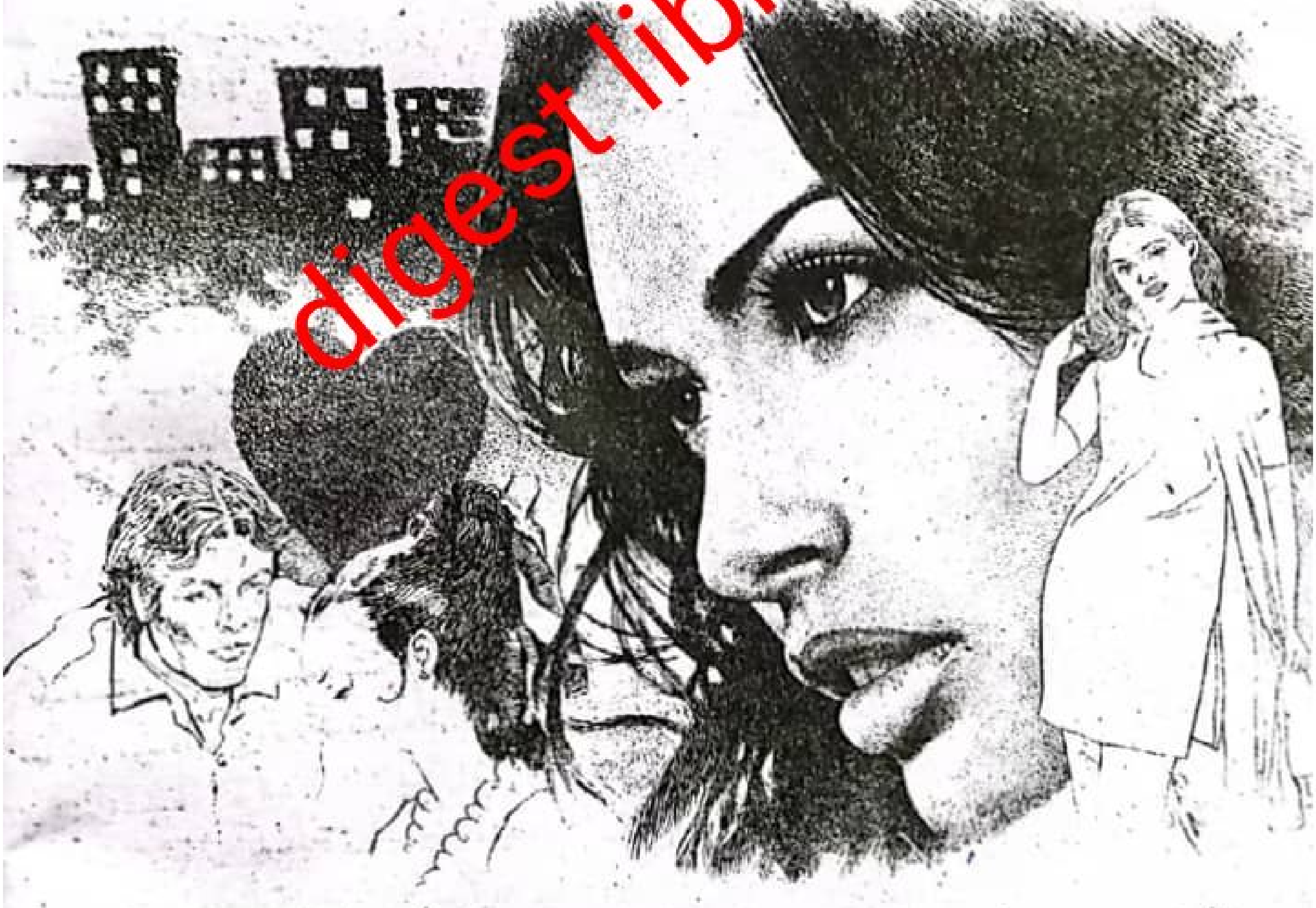

ایاز کی بیٹی زیمل سے ہو چکی ہے۔ زیمل کی ماں فرحانہ کی شادی اس کے لالچی بھائی وحید نے عبدالقدوس سے کردی تھی زیمل اپنے ماموں کے پاس رہتی تھی۔ اس کے ماموں ممانی اس کی شادی پیسوں کے لالچ میں کسی غنڈے سے کرانا چاہتے تھے۔

بیرون ملک سے آئی شاہانہ اپنی بھتیجی زیمل کو غلام عباس کے گھر لے آتی ہیں۔

ضامن اور فرقان گہرے دوست ہیں ضامن کے باپ ہاشم اپنی بیوی شاہینہ سے دبے ہیں جن کی کئی بہنیں کینیڈا میں رہتی ہیں۔ ضامن کی دوست علیزہ اس سے شادی کی خواہش مند ہے۔

digest library.com

Scanned with CamScanner

کومل زیمل کے آنے پر خوف زدہ ہے، وہ ہر حال میں حارث کو پانا چاہتی ہے اس کے لیے وہ نیند کی گولیاں کھالیتی ہے مجبوراً حارث اس کو شادی کے لیے اپنا پہلا آپشن بتاتا ہے۔
ضامن کی پھوپھو کینسر کی مریضہ ہے اپنے بیٹے اسد کے ساتھ بھائی سے ملنے امریکہ جاتی ہیں۔
علیزہ کا کزن سمیر پاکستان سے امریکا جاتا ہے اسے علیزہ پسند آجاتی ہے۔
سلیم صاحب اپنے بچوں کی خاطر ناہید بیگم کے ساتھ رہنا چاہتے تھے جوان کو گوارانہ تھا مجبوراً وہ بچوں کو اپنے گھر چلنے کا کہتے ہیں، ناہید بیگم ان پر بھڑک اٹھتی ہیں۔
سردار اکبر وحید کی شکایت پر سردار باذل سے باز پرس کرتے ہیں۔ جس پر وہ مزید اشتعال میں آجاتا ہے۔
عشنا اپنی بہن کے کہنے پر ظہیر کو فائزہ کے خلاف بھڑکاتی ہے ثاقب اپنی ماں سے عباس سے ازحد نفرت اور انتقام کی وجہ پوچھتا ہے۔ حماد حارث اور غلام عباس کے امریکہ جانے کے بعد بزنس میٹنگ پر ہوٹل آتا ہے اور اس کی ٹکر فائزہ سے ہوتی ہے جو ظہیر کی باتوں پر دکھی تھی وہ اپنا دل روکر ہلکا کرتی ہے۔ رضا صاحب اپنی بیٹی کے گفٹ پر بہت خوش ہیں۔
رضا صاحب اور غلام عباس کی پرانی دوستی تھی۔ حماد کی کامیابی پر دونوں بھائی مٹھائی لینے جاتے ہیں کہ راستے میں کومل کی کال آجاتی ہے۔ حارث اسے پک کرنے چلا جاتا ہے۔
سلیم صاحب اپنے گھر میں حارث کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں وہ ناہید کو ماضی میں غلام عباس کا رویہ یاد دلاتے ہیں، ناہید پر غلام عباس سے بدلہ لینے کا جنون سوار ہے۔
حماد شاہانہ اور اپنی ماں کو حارث اور کومل کے بارے میں بتاتا ہے نفیسہ افسردہ ہیں کہ انہوں نے حارث کی ڈیوٹی اس عیار عورت کے گھر کیوں لگائی۔
ثاقب فائزہ کے ذریعے ہالہ کو اپنی سالگرہ پر مدعو کرتا ہے وہ انکار کرتی ہے تو فائزہ کے گھر آکر جھوٹا بہانہ بنا کر اسے لے جاتی ہے ثاقب ہالہ سے اقرار محبت کرتا ہے اور ہالہ کوئی ریسپانس نہیں دیتی۔
کنول ثاقب کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتی ہے کہ وہ اس طرح غلام عباس سے بدلے کی آگ بجھانا چاہتی ہے۔
سردار باذل غلام عباس سے راہ ورسم بڑھانے کی خاطر بزنس میٹنگ کے بہانے ملتا ہے حارث کو اس پر شک ہے، علیزہ سمیر کے رشتے کو انکار کردیتی ہے۔ اور ضامن سے شادی کا کہتی ہے جس پر اس کے والدین ضامن کے والدین کو رشتہ لانے کا کہتے ہیں، ادھر حارث پاکستان جارہا ہے اور عروج اس کے جانے سے پریشان ہے۔
غلام عباس ایک ریسٹورنٹ میں ناہید کو اس کے پرانے بوائے فرینڈ کے ساتھ دیکھ لیتے ہیں دونوں منہ چھپا کر بھاگ جاتے ہیں۔
شہر کے ہنگاموں میں ہالہ فائزہ پھنس جاتی ہیں حماد ان کو پک کرتا ہے۔ زیمل کے لیے حارث کی ڈیوٹی تھی پر وہ کومل کے فون پر اسے لینے چلا جاتا ہے۔
غلام عباس حارث کو مل سے شادی کرنے کی خواہش کے باعث گھر سے نکال دیتے ہیں۔ نفیسہ بیٹے کے غم میں اسپتال پہنچ جاتی ہیں شاہانہ ہالہ کے بلانے پر آتی ہیں۔
فائزہ ہنگاموں کے باعث دیر سے گھر پہنچتی ہے۔ عشنا رضا صاحب سے غلط بیانی کرتی ہے کہ فائزہ گھر پر ہے وہ اس سے ناراض ہیں۔ فائزہ سے بدلہ لینے کی جلن عشنا کو تڑپاتی ہے وہ اس پر غصہ ہوتی ہے اور اچانک اپنا

Scanned with CamScanner

موڈ بدل لیتی ہے رضا صاحب فائزہ کو قصوروار سمجھتے ہیں۔ عشنا ظہیر کو بھی فائزہ کے خلاف بھڑکاتی ہے۔ کرل حارث کا فون نہ ملنے پر ناراض ہے وہ ناہید سے غلام عباس سے نفرت کا سبب پوچھتی ہے پر وہ نہیں بتاتی۔ شاپنگ مال میں ایک ٹی وی پروڈیوسر سجاد رضوی اسے اداکاری کی آفر دیتا ہے۔

digest library.com

سولہویں قسط

''تم دونوں چل رہے ہو یا نہیں۔'' شاہانہ نے گھور کر اپنی اولاد کو دیکھا جو کب سے صوفے پر اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔

''نہیں ہم زیمل آپی کے ساتھ لوڈو کھیلیں گے پھر وہ ہمارے لیے نوڈلز بنائیں گی۔'' یقیناً زیمل نے انہیں لالچ دے کر روکا تھا۔

''زیمل۔'' ان کے آواز دینے پر وہ کچن سے نکلی۔

''جی پھوپھو۔''

''بیٹا، یہ دونوں تمہیں تنگ کریں گے۔''

''نہیں کرتے پھوپھو، میں سنبھال لوں گی۔'' اس کے کہنے پر انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا تو اس کی نظر اندر داخل ہوتے حماد پر پڑی جو ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر مسکرایا تھا لیکن جس طرح وہ سارے گھر میں شرارتیں کرتا پھرتا تھا، وہ اس نے بند کر دیا تھا وہ کچھ بھی کہے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تو زیمل نے بے ساختہ گہرا سانس لیا۔

ایک شخص کے جانے سے سارے گھر کا ماحول بدل گیا تھا، اس دن کے بعد سے سب ایسے ظاہر کر رہے تھے جیسے سب نارمل ہے لیکن نارمل تو کچھ بھی نہیں تھا اور زیمل کو اپنا آپ خطاوار لگتا تھا وہ سب اس کے متعلق اس سے کوئی بات نہیں کرتے تھے انہیں لگتا تھا وہ کچھ نہیں جانتی۔

وہ سب ٹھیک کرنا چاہتی تھی اس سے نفیسہ کا افسردہ چہرہ، حماد کی سنجیدگی، ہالہ کے آنسو، انوری بوا کی خاموشی نہیں دیکھی جاتی تھی اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا کہ وہ اس کا نہیں...... اسے صبر نہیں آیا تھا پر درد برداشت کرنے کا سلیقہ آ گیا تھا، اسے سب کو یہی بتانا تھا اسے اس انکار سے کوئی فرق نہیں پڑا وہ کبھی اس کے دل اور خواب و خیالوں میں نہیں رہا۔

''زیمل۔'' انوری بوا کی آواز پر اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ ''ایسے کیوں کھڑی ہو۔''

''کچھ نہیں بوا، میں سوچ رہی تھی ان شیطانوں کو قابو کرنے کے لیے کیا کروں۔'' انوری بوا نے منہ بناتے بندروں کی طرح قلابازی لگاتے رجا اور ایان کو دیکھا۔

''میرا خیال ہے انہیں خرگوشوں کے پنجرے میں بند کر دیتے ہیں۔'' انوری بوا کے کہنے پر وہ ہنس پڑی۔

''اور پھوپھو کو پتا چلا تو جانتی ہیں نا۔''

''ارے چھوڑو کون بتائے گا اس کے آنے سے پہلے انہیں باہر نکال لیں گے۔ اور کہہ دیں گے خود ہی بند ہوئے تھے۔'' زیمل نے نفی میں سر ہلایا۔

''میرا خیال ہے انہیں ہیری پورٹر لگا دیتے ہیں وہ مووی ان کو پسند ہے۔''

''ہاں وہ مجھے بھی پسند ہے۔'' انوری بوا جلدی سے بولیں۔

''چلیں پھر آپ ہالہ کو بلا لیں میں نوڈلز لے کر آتی ہوں۔'' وہ کو کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو غیور اور فضیلت اسی طرف آ رہے تھے یقیناً انہیں ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی فضیلت پہلے شاہانہ اور پھر نفیسہ کے گلے لگیں۔

''ارے بھابھی، بڑی کمزور لگ رہی ہیں طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔''

''ہاں اللہ کا شکر ہے، بس تھوڑا سا بی پی لو رہا ہے پچھلے کچھ دن۔''

''تب ہی میں کہوں آپ تو ہمیشہ بڑی فریش نظر آتی ہیں۔''

''اب یہیں ساری تفتیش کرلو گی۔ دیکھ بھی رہی ہو ان کی طبیعت بہتر نہیں بجائے بٹھانے کے وہیں ساری انکوائری کرنے کھڑی ہو گئی ہو۔''

غیور صاحب تپ کر بولے تو انہوں نے ایک غصیلی نظر شوہر پر ڈالی اور مسکرا کر سب کو دیکھ کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ ابھی بیٹھے تھے ڈرائنگ روم میں بھاری مردانہ آواز پر سب کی نظریں دروازے کی طرف گھومیں۔

''السلام علیکم تایا جان۔'' وہ سیدھا غلام عباس کی طرف بڑھا عباس صاحب نے گرم جوشی سے اسے اگلے لگایا۔

''پہچانا بھائی کون ہے۔'' غیور صاحب نے خوشی سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

''نہ پہچاننے والی کیا بات ہے غیور، یہ ہمارا حارب ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا تو اس نے جھک کر ساتھ بیٹھی نفیسہ کو سلام کیا انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیر کر اسے دعا دی، وہ مسکرا کر سیدھا ہوا اور نظر سامنے صوفے پر گئی۔ صرف ایک پل کے لیے اس کی آنکھوں میں حیرت اتری، اگلے ہی پل وہ شاہانہ کے گلے لگ گیا۔

''واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز پھوپھو، مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں آپ بھی آئی ہوئی ہیں، پتا ہے کتنے سالوں بعد میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ بالکل ویسی کی ویسی ہیں آپ۔'' اس کے والہانہ انداز پر فضیلت کے منہ کا زاویہ بگڑا۔

پتا نہیں شاہانہ میں کیا جادو تھا سارے بھتیجے، بھتیجیاں اس پر فدا تھے، یہ حارب جو ددھیال پر واری صدقے جا رہا تھا، جب ماموں خالائیں آئی تھیں تو منہ کے زاویے ہی سیدھے نہیں ہو رہے تھے، خاندانی اکڑ کر ساتھ منہ سوجا کر بیٹھا تھا اب دانت ہی اندر نہیں جا رہے تھے وہ کڑھتی ہوئی بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ تبھی حماد سلام کرتا اندر داخل ہوا۔

''کیسے ہیں حارب بھائی۔'' حماد اس سے گلے ملتے ہوئے بولا۔

''یار، اگر تم مجھے بھائی نہ کہتے تو مجھے پتا ہی نہیں چلنا تھا تم کون، ہو سچ میں نے پہچانا ہی نہیں تھا ماشاء اللہ کتنے بڑے ہو گئے ہو۔''

''جب سالوں بعد ملو گے تو ایسا ہی ہو گا۔'' غیور صاحب کے طنزیہ انداز پر وہ مسکرا کر دوبارہ حماد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''حارث نہیں آیا۔'' اس کے سوال پر حماد نے غلام عباس کی طرف دیکھا۔

''وہ اس وقت پاکستان میں نہیں کام کے سلسلے میں دبئی گیا ہے۔''

''اچھا۔'' حارب نے سر ہلایا وہ اب حماد سے اس کی تعلیم اور روٹین کے متعلق بات کر رہا تھا جبکہ فضیلت کھانے کا انتظام دیکھنے اٹھ گئی تھیں۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

''بھابھی! ہالہ اور زیمل کو بھی لے آتیں۔'' کھانے کے بعد وہ چائے پی رہے تھے جب فضیلت کو اچانک ہالہ اور زیمل کی یاد آئی۔

''انوری کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور بچے بھی کھیل میں مگن تھے آ ہی نہیں رہے تھے تو کسی کو ان کے پاس رکنا تھا اس لیے وہ دونوں گھر پر رک گئیں۔''

''اتوار کو غیاث کا نکاح ہے کل جمعہ ہے تو ہم نے میلاد رکھا ہے میرے سارے بہن بھائی آ رہے ہیں اور رشتہ داروں کو بھی بلایا ہے، آپ تو گھر والے ہیں آپ لوگوں کی شرکت لازمی ہے ہالہ اور زیمل کو آپ نے لازمی لے کر آنا ہے میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔'' فضیلت کے دوٹوک انداز پر نفیسہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''پرسوں ڈھولکی رکھی ہے میری بھتیجیاں اور بھانجیاں ضد کر رہی تھیں کوئی دھوم دھڑکا بھی ہونا چاہیے تو میں نے کہا چلو ڈھولکی رکھ لیتے ہیں، بچیاں بھی خوش ہو جائیں گی اور پھر اگلے دن نکاح ہوگا۔'' ان کی بات سن کر شاہانہ کی زبان میں زبردست کھجلی ہوئی تھی۔

''بھابھی، ڈھولکی، میلاد، نکاح، تین دن تو فنکشن ہوگیا اس سے بہتر تھا مہندی، نکاح اور ولیمہ کر لیتے بات ہی ختم ہوتی۔''

''یہی کہا تھا میں نے اسے لیکن پہلے کبھی اسے میری بات سمجھ میں آئی ہے جو اب آتی۔'' شاہانہ کی بات پر غیور صاحب نے تپ کر بیوی کو دیکھا۔

''کوئی بات نہیں ابا، اگر امی کی ایسی خواہش ہے تو حرج کیا ہے۔'' حارب کی حمایت پر غیور صاحب کچھ نہیں بولے تو فضیلت نے بڑے فخر سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

''شاہانہ میں ان شاء اللہ بڑی دھوم دھام سے اپنے بچے کے سارے فنکشن کروں گی، وہ ہی تو میرے بچے ہیں یہ سب ان کا ہی تو ہے لیکن میں چاہتی ہوں پہلے حارب کی شادی ہو پھر غیاث کا نکاح تو اس لیے کرنا پڑا کیونکہ میری بھابھی کے والد بیمار ہیں اور وہ چاہتے تھے ان کے سامنے ان کی نواسی کا نکاح ہو جائے ورنہ میں تو صرف منگنی ہی کرتی ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ بھی بڑی دھوم دھام سے کرتی۔''

''اچھی بات ہے بھابی اللہ تعالیٰ یہ نکاح مبارک کرے۔'' شاہانہ کے دعا دینے پر سب نے آمین کہا تھا۔

''حارب! اب تم آئے ہو تو کر لو شادی یا پھر وہاں کوئی لڑکی پسند کی ہے۔'' شاہانہ نے شرارت سے اس کا چہرہ دیکھا اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا فضیلت بول پڑیں۔

''وہ کیوں کوئی لڑکی پسند کرے گا۔ میرا بچہ بڑا سیدھا اور فرماں بردار ہے جہاں ماں باپ کہیں گے وہیں کرے گا۔'' انہوں نے پیار سے حارب کا چہرہ دیکھا جو انگلی سے اپنی ابرو کھجا رہا تھا۔

''ڈھولکی پر بہت سی لڑکیاں آ رہی ہیں، میری بڑی بہن کی بیٹی بہت پیاری ہے، اسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ حارب کا خیال آتا ہے اب حارب آیا ہوا ہے تو دونوں کو ملوا دوں گی اور حارب کو پسند آ جائے تو شادی، منگنی، نکاح جیسا چاہے۔'' وہ جیسے سب پہلے سے سوچ بیٹھی تھیں، حارب کو اپنے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجتی محسوس ہونے لگیں۔ اس کا فی الحال شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور کسی کزن سے تو بالکل بھی نہیں۔

''امی، میرا خیال ہے، آپ غیاث کے نکاح کی تیاری کریں میرا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔'' آخر اس نے مسکراتے ہوئے اپنی بات کر دی لیکن اس کی بات پر فضیلت کا مسکراتا چہرہ بجھ سا گیا۔

''لیکن حارب۔''

''فضیلت، سارے فیصلے تم نے آج ہی کرنے ہیں ابھی حارب کو آئے دو دن ہوئے ہیں، صبر کرو وہ ابھی یہیں ہے۔'' غیور صاحب کے کہنے پر انہوں نے بڑی مشکل سے خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

Scanned with CamScanner

''بھائی، اب سب اکٹھے ہیں تو لگے ہاتھوں آپ بھی زیمل اور حارث کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔'' غیور صاحب کی بات پر ان تینوں کے رنگ اڑے تھے انہوں نے غلام عباس کی طرف دیکھا جو مسکرا رہے تھے۔

''ہاں میں نے بھی یہی سوچا تھا لیکن۔'' ان کی لیکن پر نفیسہ نے بے ساختہ بے چینی سے پہلو بدلا۔

''لیکن۔'' فضیلت نے بے چینی سے پوچھا۔

''حارث اور زیمل کی عمر میں کافی فرق ہے اور مزاجوں میں بھی...... ایک تو زیمل کو پڑھنے کا بہت شوق ہے، دوسرا اس کی عادات اور مزاج دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ ابھی اسے شادی کی ذمہ داری میں نہیں ڈالنا چاہیے پھر حارث کی ماں اور پھوپھو نے اس کی شادی کا شور مچایا ہوا ہے تو میں نے سوچا حارث کی شادی کر دیتے ہیں جبکہ زیمل کے لیے کچھ سال بعد کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر اس کو بھی رخصت کر دیں گے۔'' عباس صاحب کے مطمئن انداز پر شاہانہ نے دزدیدہ نظر سامنے بیٹھے تینوں نفوس پر ڈالی، حارب کے تاثرات نارمل تھے جیسے اسے اس بات سے کوئی سروکار نہ ہو، فضیلت کے چہرے پر تجسس تھا جبکہ غیور صاحب تھوڑے پریشان نظر آرہے تھے۔

''اچانک آپ نے اپنا ارادہ کیوں بدل دیا ابھی کچھ دن پہلے آپ کہہ رہے تھے کہ زیمل اور حارث کا نکاح کر دیں گے اور اگر حارث راضی ہوا تو رخصتی بھی کر دیں گے زیمل بعد میں پڑھتی رہے گی۔ تو اچانک منع کیوں کر رہے ہیں۔''

''ابھی حالات دیکھ کر مجھے جو مناسب لگ رہا ہے اسی حساب سے فیصلہ کیا ہے۔''

''آپ کی بات سے تو لگ رہا ہے آپ منگنی ختم کر رہے ہیں۔''

''ہاں ایسا ہی ہے۔'' غیور صاحب کے پریشان انداز پر عباس صاحب اطمینان سے گویا ہوئے تو غیور صاحب نے پریشانی سے نفیسہ کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھیں، جبکہ فضیلت کے دل میں کمینی سی خوشی جاگی تھی نا جانے کیوں انہیں لگ رہا تھا اس بات کے پیچھے کوئی بہت دھماکے دار خبر ہے۔

''کیا آپ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر رہے ہیں بھائی حارث اور زیمل کی بچپن کی منگنی ہے سارا خاندان اس بات کو جانتا ہے اور ہمارے خاندان میں منگنی توڑنا بہت برا سمجھا جاتا ہے رشتہ داروں کو باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔''

''مجھے رشتے داروں کی پروا نہیں میرے نزدیک ضروری ہے کہ میرے بچوں کے لیے کیا اچھا ہے۔''

''بھابھی، آپ کچھ نہیں کہیں گی۔'' عباس صاحب سے مایوس ہو کر انہوں نے نفیسہ کو مخاطب کیا۔

''آپ کے بھائی نے اگر یہ فیصلہ کیا ہے تو سوچ سمجھ کر کیا ہو گا، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ان کی دھیمی آواز پر غیور صاحب نے گہرا سانس لیا۔ ماحول میں ایک دم محسوس کی جانے والی خاموشی چھا گئی سب کے چہرے پریشان تھے، سوائے فضیلت کے جو مسکراتی نظروں سے نفیسہ کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھیں انہیں اب یقین ہو چلا تھا کہ کچھ ہوا ہے ایسا جو کافی مسالے دار ہے جس کے ہاتھ آتے ہی وہ برسوں کی جلن کو مٹا سکیں جو انہیں نفیسہ کی خوشی دیکھ کر ہوتی تھی۔

''اب بات نکلی تھی تو میں نے کر دی لیکن یہ بات تمہارے گھر سے فی الحال نہیں نکلنی چاہیے کیونکہ غیاث کا نکاح ہے سب رشتے دار جمع ہوں گے میں نہیں چاہتا انہیں الٹی سیدھی بات کرنے کا موقع ملے اور کوئی بدمزگی ہو جس سے تمہاری خوشی خراب ہو۔'' غیور صاحب کے بعد انہوں نے فضیلت کو دیکھا لیکن وہ تو اپنے خیالوں میں نفیسہ کو ذلیل ہوتا دیکھ رہی تھیں۔ عباس صاحب، حماد، غیور اور حارب کی ساتھ کھڑے باتیں کر رہے تھے جبکہ شاہانہ نفیسہ کے ساتھ چلتی کار کی طرف بڑھ رہی تھیں، اچانک نفیسہ لڑکھڑائیں تو شاہانہ نے تیزی سے انہیں بازو

Scanned with CamScanner

digest.library.com

سے تھاما۔

"طبیعت ٹھیک ہے بھابھی۔" پریشانی سے ان کا چہرہ دیکھا ان کا رنگ بالکل زرد تھا۔

"شاہانہ، میرا دل بہت پریشان ہے تین ہفتے ہوئے ہیں حارث کو گھر سے گئے پتا نہیں وہ کہاں ہے کیسا ہے تم اپنے بھائی سے بات کرو کہ بے شک اسے نہ بلائیں لیکن یہ تو پتا کریں وہ کہاں ہے خیریت سے ہے۔"

"بھابھی، آپ پریشان نہ ہوں میں بھیا سے بات کرتی ہوں۔ اور کیوں اسے گھر نہ بلائیں وہ ان شاء اللہ جلدی گھر آئے گا۔" انہیں ساتھ لگائے وہ تسلی آمیز لہجے میں بولیں۔

☆☆☆

گاڑی سے اتر کر وہ اندر کی طرف بڑھ رہے تھے جب شاہانہ کی آواز پر رکے۔

"آپ کیا واقعی حارث اور زیمل کا رشتہ ختم کر رہے ہیں۔"

"یہ مشورہ تم نے ہی مجھے دیا تھا۔"

"میں نے ایسا کب کہا بھیا۔" شاہانہ نے حیرت اور پریشانی سے انہیں دیکھا۔

"تم نے مجھے کہا تھا کہ اگر کوئی بالہ کے لیے ایسا انکار کرتا تو کیا میں اسے اپنی بیٹی دیتا۔ تو بس یہی سوچ کر میں نے فیصلہ کیا ہے۔"

"چلیں اب سب مجھ پر ڈال دیں۔" وہ افسوس سے بولی۔

"اگر آپ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے تو پھر حارث کو بھی واپس بلا لیں۔" ان کی بات پر عباس صاحب کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"میں نے یہ فیصلہ زیمل کی بہتری کے لیے کیا ہے لیکن حارث نے جو غلطی کی ہے اس کی سزا تو اسے ملے گی اور منگنی توڑنے کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ اس لڑکی کو میں اس گھر کی بہو تسلیم کر لوں گا۔"

"میں بھی بالکل اس حق میں نہیں کہ حارث اس لڑکی سے شادی کرے، میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں حارث کو گھر بلا لیں سب کتنے پریشان ہیں اور بھابھی وہ ماں ہیں، وہ بے چاری باپ بیٹے کی لڑائی میں پس رہی ہیں نہ آپ کو کچھ کہہ سکتی ہیں اور نہ حارث کو کچھ کہہ سکتی ہیں۔"

"یہ تو اسے اپنی بہن سے ہمدردی کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"

"چھوڑ دیں بھیا، پرانی باتیں، حارث کی مجھے بھی ٹینشن ہو رہی ہے پتا نہیں بے چارہ کیسے گزارا کر رہا ہو گا۔" ان کی ہمدردی پر عباس صاحب نے ابرو اچکا کر انہیں دیکھا۔

"بے چارہ کیسے ہو گیا، کون سا وہ مجبور بے کس غریب آدمی ہے، کروڑوں اس کے بینک اکاؤنٹ میں موجود ہیں، جس دن میں نے اسے گھر سے نکل جانے کو کہا، موصوف لاہور کی سڑکوں پر بے یارومددگار نہیں پڑے تھے بلکہ اسی رات فلائٹ پکڑ کر دبئی پہنچ گئے تھے نواب صاحب اور بجائے ہوٹل میں رکنے کے اپنے اپارٹمنٹ میں بسیرا ڈال کر بیٹھے ہیں، شکر کرو گھر سے نکالا ہے بینک اکاؤنٹ بند نہیں کروائے۔" ان کے طنزیہ انداز پر شاہانہ کی ہنسی نکل گئی۔

"کتنے چالاک ہیں آپ بھیا، اسی لیے اتنے مطمئن تھے آپ، کیونکہ آپ کو اس کے پل پل کی خبر تھی لیکن مجھے بھابھی کی فکر ہے بے چاری بیٹے کی جدائی میں بیمار ہو گئی ہیں۔"

"میں غلطی کرنے والوں کو اتنی جلدی معاف نہیں کرتا۔"

"اس معاملے میں آپ ابا جی پر نہیں بالکل دادا جان پر چلے گئے ہیں۔ دادی بتاتی تھیں وہ جس کو سزا دینا چاہتے تھے اسے بھگا بھگا کر تر ساتر سا کر سزا دیتے تھے۔" ان کی بات پر عباس صاحب نے گہرا سانس لیا۔

Scanned with CamScanner

''میں ظالم نہیں شاہانہ، معاف کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے اور میں اس کا ادنیٰ سا بندہ ہوں۔ ہاں میرے کچھ اصول ہیں میں زیادتی نہیں کرتا اور اگر کوئی مجھ سے دغابازی یا زیادتی کرے تو جلدی میرا دل صاف نہیں ہوتا، میں پھر اسے اتنی تکلیف ضرور دیتا ہوں کہ اسے اندازہ ہو کہ اس نے اگلے انسان کو کتنی تکلیف دی ہے اگر اس وجہ سے میں کسی کو برا یا ظالم لگتا ہوں تو مجھے پروا نہیں۔''

''کون کہتا ہے آپ ظالم ہیں۔'' شاہانہ نے مسکرا کر اپنے شان دار بھائی کو دیکھا۔

''منہ پر تو کوئی نہیں کہتا لیکن انداز بتا دیتے ہیں، اپنی بھابھی کی مثال لے لو ایسے معصوم شکل بنا کر مجھے دیکھتی ہے جیسے مجھ سے زیادہ بے رحم کوئی بھی نہیں۔''

''معصوم تو ہیں میری بھابھی، اس میں تو کوئی شک نہیں اب بے چاری منہ سے کچھ نہیں کہتیں تو آنکھوں سے بھی شکوہ نہ کریں۔''

''تم ...... تمہاری بھابھی اور تمہارا بھتیجا ہی مظلوم ہیں۔'' وہ جل کر بولے تو وہ کھل کر ہنس دیں حارث کی خیریت کا سن کر دل سے جیسے کوئی بوجھ ہٹ گیا تھا۔

''بھیا، اگر آپ نے زیمل اور حارث کے بارے میں سوچ لیا تھا تو کم از کم غیور بھائی کے گھر اس بارے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی، بھابھی کی عادت کا تو آپ کو پتا ہے ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹ دیں گی۔''

''میں، آتے ہوئے غیور کو منع کیا تھا اس بات کا ذکر وہ کسی سے نہ کرے اور وہ نہیں کرے گا۔''

''غیور بھائی کی تو میں بات ہی نہیں کر رہی وہ تو سن کر پریشان ہو گئے تھے۔ میں تو فضیلت بھابھی کی بات کر رہی ہوں جن کے ڈیلے اسی وقت ادھر ادھر گھومنے لگے تھے، انہیں تو ویسے بھی لوگوں کی کمزوریوں کو ہائی لائٹ کرنے میں مزہ آتا ہے اور بھابھی سے ویسے بھی وہ حسد کرتی ہیں۔''

''اب اس کے حسد کا تو میں کوئی علاج نہیں کر سکتا یہ بات تو تمہاری معصوم بھابھی اور بھتیجے کو سوچنا چاہیے تھا کہ لوگ کیا کہیں گے اور دوسرا اگر فضیلت یہ بات خاندان میں پھیلاتی ہے تو بھی اچھی بات ہے آج نہیں تو کل سب کو پتا چلنا ہی ہے تو ویسے نہ سہی ایسے ہی سہی۔'' انہوں نے کہنے کے ساتھ اسے بازو کے حلقے میں لیا تو شاہانہ نے بغور اپنے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

''پتا نہیں کیوں پر مجھے دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے آپ تو اتنی آسانی سے نہ ہار مانتے ہیں اور نہ ضد سے پیچھے ہٹتے ہیں، پھر آپ نے حارث کی بات کے آگے اتنی جلدی سرینڈر کیسے کر دیا۔'' انہوں نے آنکھیں سکیڑ کر مشکوک نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھا تو ان کے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے جبکہ ان دونوں کو دیکھنے آئے حماد نے خوش گوار حیرت سے باپ کے قہقہے کو سنا اور ان کے قریب آیا تو عباس صاحب نے حماد کو اپنے دوسرے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

''تمہیں کس نے کہا میں نے حارث کی بات مان لی ہے، میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں ناہید کی بیٹی کبھی میری فیملی کا حصہ نہیں بن سکتی اور جہاں تک زیمل کی منگنی ختم کرنے والی بات پر میں رضا مند ہوا ہوں تو اس میں زیمل کی بھلائی اور حارث کی سزا ہے اور یہ آنے والا وقت خود بتائے گا۔'' ان کے کہنے پر شاہانہ نے جانچتی نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا جبکہ حماد نے ناسمجھی سے شاہانہ کو دیکھا۔

''اب اگر تمہاری تسلی ہو گئی ہو تو اندر چلیں دیر ہو گئی ہے مجھے صبح جلدی آفس جانا ہے۔'' ان کے کہنے پر شاہانہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا تو وہ یوں ہی دونوں کو بازوؤں کے حلقے میں لیے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

''ابا، آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔'' وہ دیکھ رہا تھا جب سے عباس صاحب گئے تھے وہ کچھ پریشان

Scanned with CamScanner

تھے۔

"میں پریشان نہیں صرف سوچ رہا ہوں کہ بھیا کے اس اچانک فیصلے کی کیا وجہ ہے کچھ دن پہلے تو وہ کافی خوش تھے، ہالہ کے ساتھ حارث کے نکاح کے بارے میں سوچ رہے تھے اور آج وہ منگنی ختم کرنے کا کہہ رہے ہیں وہ بھی سالوں پرانی مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی۔" اندر آتی فضیلت استہزائیہ انداز میں مسکرائیں۔

"آپ یہاں بیٹھ کر جتنا مرضی کڑھ لیں فائدہ نہیں کیونکہ عباس بھائی نے آج تک آپ سے اپنے دل کی بات کی ہے جواب کریں گے۔ پتا نہیں اندر ہی اندر کیا کھچڑی پکا رہے ہیں آپ کے عباس بھائی...... آپ مانیں یا نہ مانیں کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہے دیکھا نہیں سارے کتنے چپ چاپ تھے اور نفیسہ بھابھی ان کو تو میں نے پہلی بار یوں گم صم دیکھا ہے اور تو اور حارث بھی یہاں نہیں ایک ہفتے پہلے غیاث بتا رہا تھا وہ آفس گیا تھا پتا چلا حارث دو ہفتوں سے آفس ہی نہیں آ رہا، مجھے تو کوئی بڑا چکر لگتا ہے۔" وہ آنکھیں گھماتے بولیں۔

"امی! تایا جان بتا تو رہے تھے وہ بزنس کے سلسلے میں دبئی گیا ہے۔"

"نا بیٹا میں تم لوگوں کی طرح پاگل نہیں اپنی آنکھیں اور کان دونوں کھلے رکھتی ہوں انہوں نے کہا اور ہم نے مان لیا اتنا ہی آسان ہے نا لوگوں کو پاگل بنانا۔" وہ طنزیہ ہنسیں۔

"مجھے تو کسی لڑکی کا چکر لگتا ہے۔"

"چلو اس نے اب نئی نکالی ہے۔" غیور صاحب بےزاری سے بولے۔

"نہ مانیں پر میرا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا، یہ سب کسی لڑکی کا چکر ہے ورنہ آپ خود سوچیں اگر شادی کے لیے راضی ہوتا تو مسئلہ ہی کیا تھا، مسئلہ تو یہ ہے وہ راضی نہیں اور جب وہ راضی نہیں ہوا ہوگا تو عباس بھائی نے غصے سے حارث کو گھر سے نکال دیا ہوگا یا وہ خود گھر چھوڑ کر چلا گیا ہوگا اور اب دوسروں سے چھپانے کے لیے بزنس ٹرپ کی کہانی بتا رہے ہیں۔"

حارب مسکراہٹ روکے اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا جنہوں نے ایک کامیاب رائیٹر کی طرح کڑی سے کڑی جوڑ کر پوری کہانی تیار کر لی تھی۔

"یا اللہ کیا کروں میں اس عورت کے سازشی دماغ کا، جس طرح کی خود ہے ویسے ہی اگلے سے گمان رکھتی ہے۔" غیور صاحب چڑ کر بولے۔

"میں صحیح بھی ہوں پھر بھی آپ نے مجھے ہی غلط کہنا ہے۔" وہ منہ بنا کر بولیں۔

"میری ایک بات کان کھول کر سن لو فضیلت۔ یہ بات اس گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں جانی چاہیے آئی بات سمجھ میں۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں انہیں دیکھا تو بڑی مشکل سے انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔

"آؤ حارب، باہر غیاث کے دوست آئے ہیں تم سے ملنے۔"

"جی ابا۔" وہ ایک مسکراہٹ ماں کی طرف اچھالتا غیور صاحب کے ساتھ باہر نکل گیا تو فضیلت نے موبائل اٹھا کر اپنی بہن کو کال ملائی۔

"ہیلو رحمت، ایسی خبر سنانے والی ہوں، سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔" دو گھنٹوں میں وہ آدھے رشتے داروں کو یہ خبر سنا چکی تھیں اور ہر کال کے آخر میں میرا نام نہ آئے کہنا نہیں بھولتی تھیں۔

☆☆☆

"ایسی کون سی خاص بات تھی جس کے لیے تم نے مجھے اتنی صبح میسج کر کے بلایا ہے۔" وہ تیز تیز قدموں سے اس کے ساتھ چل رہا تھا بینچ کے قریب پہنچنے پر وہ رک گئی اور سمیر کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گئی اور ہاتھ میں

Scanned with CamScanner

digest library.com

پکڑی بوتل منہ سے لگا کر لمبے لمبے گھونٹ لیے جبکہ سمیر مختصر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''کل ممی نے مجھے بتایا کہ سلمٰی آنٹی کا فون آیا تھا اور وہ ہمارے رشتے کی بات کر رہی تھیں۔'' سمیر نے دونوں آنکھیں بند کر کے سر جھٹکا۔
''میں نے امی کو منع بھی کیا تھا ابھی آنٹی سے بات نہ کریں میں پہلے خود تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔''
''سمیر۔''
''علیزہ، پلیز پہلے میری بات مکمل ہونے دو۔'' کہہ کر اس نے زبان لبوں پر پھیری۔
''میں جب یہاں آ رہا تھا تو امی نے مجھ سے تمہارے بارے میں بات کی تھی انہیں تم پسند ہو اور وہ چاہتی تھیں میں تم سے مل لوں تم مجھے پہلی ہی نظر میں بہت اچھی لگیں، میرا ارادہ نہیں تھا یہاں رکنے کا صرف تمہاری وجہ سے میں یہاں رک گیا اور تمہیں جان کر تمہارے لیے میری پسندیدگی مزید بڑھ گئی ہے اسی لیے میں نے امی سے کہا تھا کہ وہ آنٹی سے بات کر لیں لیکن آنٹی نے ٹائم مانگا تو مجھے لگا میں خود تم سے بات کر کے تمہیں بتاؤں تم میرے لیے بہت خاص ہو اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' علیزہ کو ایسی ہی بات کی امید تھی اس لیے وہ حیران نہیں ہوئی۔
''سمیر، میں تمہاری فیلنگز کی قدر کرتی ہوں اور تم بھی مجھے پسند ہو لیکن میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔'' سمیر نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔
''میں سمجھا نہیں اگر تم مجھے پسند کرتی ہو تو شادی کیوں نہیں کر سکتیں۔''
''کیونکہ تم مجھے صرف ایک دوست کی حیثیت سے پسند ہو جبکہ شادی کے لیے میں کسی کو پسند کر چکی ہوں۔ تم مل بھی چکے ہو اس سے۔ میرا دوست ضامن۔''
سمیر کتنی دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا جہاں کوئی افسوس یا پچھتاوا نہیں تھا۔
''اگر تم ضامن کو پسند کرتی تھی تو مجھے اتنا اسپیشل ٹریٹ کیوں کیا کہ میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا۔'' اس نے اب نظریں اس کے چہرے سے ہٹالی تھیں۔
''میں نے کہا نا سمیر، تم مجھے پسند ہو اور میں واقعی تمہیں اچھا دوست سمجھتی ہوں اگر تمہیں میرے بی ہیوئر سے کوئی غلط فہمی ہوئی تھی تو رشتہ بھیجنے سے پہلے مجھ سے کنفرم کرنا چاہیے تھا۔''
''ہوں۔'' کافی دیر بعد سمیر نے سر اثبات میں ہلایا۔
''دیکھو سمیر۔''
''اٹس او کے میں سمجھ گیا ہوں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔
اپنی بات کہہ کر وہ اس پر نظر ڈالے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو سمیر ڈائننگ ٹیبل پر موجود نہیں تھا وہ بھی اس کا پوچھے بغیر ناشتا کرنے لگی وہ اسے جواب دے چکی تھی، پر پتا نہیں کیوں اس کا یوں خاموش ہو جانا اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا، اس نے اس کا نمبر ڈائل کیا لیکن بار بار نو انسرینگ کی ٹیپ سنائی دے رہی تھی۔ وہ اتنی جھنجلائی ہوئی تھی کہ اس سے سارا دن ٹھیک سے کام بھی نہیں ہوا گھر پہنچ کر بھی اسے سمیر نظر نہیں آیا شاید وہ ابھی آفس سے لوٹا نہیں تھا، فریش ہو کر آدھے گھنٹے بعد جب وہ واپس آئی تو وہ سیدھی اس کے کمرے کی طرف بڑھی، ناک کرنے کے بعد کوئی جواب نہ آیا تو اس نے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازہ کھولا صاف ستھرے کمرے کو اس نے حیرت سے دیکھا عموماً اس کے کپڑے بکھرے رہتے تھے جبکہ سائیڈ ٹیبل پر اس کا لیپ ٹاپ چارجر اور اس کا فیملی فوٹو رہتا تھا وہ حیران ہوتی واپس مڑی۔
''ممی۔'' وہ فرح کو آواز دیتی کچن میں آئی جہاں وہ کباب تیار کر رہی تھیں۔

Scanned with CamScanner

"سمیر آیا نہیں ابھی۔" اس کے سوال پر انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"اس نے تمہیں بتایا نہیں۔"
"کیا۔" وہ حیرت سے بولی۔
"وہ شفٹ ہو گیا ہے یہاں سے، یہاں سے دور پڑتا تھا اس کا آفس تو وہیں آفس کے قریب اسے کرول گیا ہے تو صبح ہی وہ اپنا سارا سامان لے گیا۔" فرح تفصیل پر وہ کتنی دیر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی اور اگلے پل اس نے ہونٹ بھینچ کر دوبارہ اس کو کال ملائی اور اس دفعہ بھی اس کا نمبر آف جا رہا تھا۔
"بھاڑ میں جاؤ۔" اس نے غصے سے اس کا نمبر بلاک کر دیا۔

☆☆☆

رات کو سجاد رضوی سے میسج پر بات کرتے ہوئے وہ لیٹ سوئی تھی اب بھی آنکھ میسج ٹون کی وجہ سے کھلی اس نے سرہانے رکھا موبائل اٹھا کر دیکھا جہاں ایس آر لکھا تھا اس نے میسج اوپن کیا جہاں گڈ مارننگ کے ساتھ ڈھیر سارے ایموجی تھے اس نے مسکرا کر میسج دیکھا، جب سے سجاد رضوی نے اس کا نمبر لیا تھا وہ روزانہ اسے میسج کرتا اس کے میسج اس کی تعریفوں سے بھرے ہوتے تھے وہ ہمیشہ اس کو اسپیشل فیل کرواتا تھا، کومل کو اس سے بات کرنا اچھا لگتا تھا چار دن ہو گئے تھے ان کو میسج پر بات کرتے ہوئے اس نے اب تک فون نہیں کیا تھا پر دن میں کتنے ہی میسج کرتا تھا گڈ مارننگ کا میسج کر کے وہ اٹھی تو باہر سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دروازے کے قریب کھڑے ہو کر اس نے آواز پہچاننے کی کوشش کی جو کسی عورت کی تھی یقیناً کوئی محلے والی آنٹی آئی ہوں گی۔ اس نے سر جھٹک کر سوچا اور باتھ روم میں گھس گئی فریش ہو کر باہر آئی تو ناہید کے ساتھ فضیلت کو بیٹھا دیکھ کر کافی حیران ہوئی اور ان کے دیکھنے پر سلام کرتی ماں کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ فضیلت نے بغور کومل کا جائزہ لیا جو دھلے چہرے کے ساتھ بہت فریش لگ رہی تھی۔
"میں نے تو سنا تھا تم نوکری کرتی ہو۔" اس کی گھر میں موجودگی پر انہوں نے سوال کیا۔
"جی کرتی تھی پر چھوڑ دی۔ آپ نے کچھ لیا نہیں آنٹی۔"
"نہیں ناہید کے ساتھ چائے پی ہے، غیاث کا نکاح ہے، اس سلسلے میں دعوت دینے آئی تھی فون پر بھی اطلاع دے سکتی تھی لیکن کافی عرصہ ہو گیا تھا ناہید سے ملے سو چا مل بھی آؤں گی اور دعوت بھی دے آؤں گی۔"
"مہربانی ہے تمہاری فضیلت، کہ تم نے ہمیں یاد رکھا ورنہ رشتہ داروں نے تو اپنی خوشی میں ہمیں شامل کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"
ان کے دکھی انداز پر کومل نے ناگواری سے پہلو بدلا، ماں کی یہ ہمدردی لینے والی عادات اسے سخت بری لگتی تھی اگر ان کے رشتے دار نہیں بلاتے تھے تو وہ کون سا مرے جا رہے تھے ان سے ملنے کے لیے۔
"کیسی باتیں کرتی ہو۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں تم نہ صرف میری کزن ہو بلکہ میری سہیلی بھی ہو۔ یاد ہے نا بچپن میں تم، میں نفیسہ آپا اور کنول باجی کتنے مزے کرتے تھے۔"
"ہاں وہ دور واقعی بہت اچھا تھا پھر سب جیسے ختم ہو گیا۔" کچھ یاد آنے پر وہ افسردگی سے بولیں۔
"کنول باجی کی کوئی خبر ملی کبھی۔" فضیلت کے پوچھنے پر ناہید نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔
"وہ بھی ایسی بے وفا نکلی دوبارہ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔" فضیلت کے کہنے پر ناہید نے افسوس سے سر جھکا۔
"جو ان کے ساتھ ہوا تھا اس کے بعد یہاں دوبارہ دیکھنے کا جواز ہی نہیں بنتا تھا۔"
"یہ کنول کون ہے۔" خاموشی سے سنتی کومل کے استفسار پر وہ دونوں چونکیں جو اس کی موجودگی کو فراموش کر چکی تھیں۔

Scanned with CamScanner

''کوئی نہیں تم خالہ کے لیے کھانے کی تیاری کرو۔''
''نہیں اس کی ضرورت نہیں باہر ڈرائیور کھڑا ہے، مجھے شاپنگ پر بھی جانا ہے میں تو بس تمہیں دعوت دینے آئی تھی۔ اور ایک بات بھی بتانی تھی۔'' ان کا انداز ایسا تھا کہ ناہید کے ساتھ کومل نے بھی چونک کر انہیں دیکھا۔
''کل عباس بھائی شاہانہ اور نفیسہ بھابھی آئے ہمارے گھر، نفیسہ بھابھی کا پتا ہے نا تمہیں ہمیشہ ٹپ ٹاپ سے رہتی ہیں، نہ بھی رہیں تو بھی ہمیشہ فریش اور خوب صورت نظر آتی ہیں۔'' فضیلت کی تعریف پر ناہید کے چہرے کا زاویہ بگڑا تھا۔
''پر کل تو وہ بیمار اور پریشان حال نظر آ رہی تھیں میں نے تو پوچھ ہی لیا تو کہنے لگیں بی پی لو تھا اس وجہ سے ڈل ہیں۔ میں سن کر خاموش ہو گئی پھر تھوڑی دیر بعد عباس بھائی نے جو بات کی وہ کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔'' انہوں نے سنسنی پھیلانے والے انداز میں بات کر کے دونوں ماں بیٹی کے چہرے دیکھے جو متجسس نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔
''کہہ رہے تھے انہوں نے حارث اور زیمل کی منگنی ختم کر دی ہے۔ ہے نا دھماکہ دار خبر۔'' بات کہہ کر انہوں نے داد طلب نظروں سے ناہید کو دیکھا۔
''تم یقین کرو مجھے تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے یہ سنا ہے عباس بھائی منگنی توڑنے کی بات کر رہے تھے، جو کہتے تھے جو رشتہ طے ہو گیا وہ پتھر پر لکیر ہے اس بات پر یاد ہے نا کیا کچھ کیا تھا انہوں نے۔'' انہوں نے ناہید کو پچھلی بات کا حوالہ دیا۔
''اب جب بات اپنے بیٹے پر آئی تو اصول ہی بدل گئے۔''
''پر کوئی وجہ تو بتائی ہو گی۔'' حیرت کے جھٹکے سے نکلنے کے بعد ناہید نے سوال کیا۔
''بڑی کوئی بے تکی سی وجہ دے رہے تھے جس کا نہ سر تھا نہ پیر، ویسے بھی پورے خاندان میں ان کے بچے اپنی قابلیت خوب صورتی اور فرماں برداری کے لیے مشہور ہیں۔ اب جب یہ بات کھلے گی تو مزہ آ جائے گا۔'' کہہ کر انہوں نے خوشی سے اپنے دونوں ہاتھ ملے۔
''عباس بھائی کا جتنا رعب ہے نا ان کا ایک بار کہنا ہی کافی ہوتا ہے، ہمارے گھر تک ان کا حکم چلتا ہے لیکن لگتا ہے اپنے بیٹے کو قابو کرنے میں ناکام رہے ہیں، لازمی بات ہے یہ منگنی عباس بھائی نے تو توڑی نہیں ہو گی یقیناً حارث نے منع کیا ہے اور مجھے تو کسی لڑکی کا چکر لگتا ہے اسی لیے تو نفیسہ بھابھی کا برا حال تھا۔''
''ناہید، تمہیں دیکھنا چاہیے تھا نفیسہ بھابھی کا چہرہ۔''
''کاش۔'' فضیلت کے کہنے پر وہ نفرت سے دل میں بول اٹھیں جبکہ خوشی کے مارے کومل کی تو بولتی بند ہو گئی تھی۔ حارث نے منگنی توڑ دی یہ تو واقعی اس صدی کا معجزہ تھا اور یقیناً اس کی وجہ وہی تھی اور اس کا دل خوشی کے مارے تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔
''آنٹی، ان لوگوں نے بتایا نہیں کہ لڑکی کون ہے جس کی وجہ سے حارث نے منگنی ختم کی۔'' کومل کے سوال پر فضیلت نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔
''تمہیں لگتا ہے وہ اتنے بے وقوف ہیں کہ اپنے منہ سے اپنی ہار کا اعتراف کریں گے، لڑکی کا تو ذکر بھی نہیں ہوا پر مجھے پتا ہے وجہ لڑکی ہی ہے ورنہ خود سوچو اتنی خوب صورت لڑکی جسے بیٹھے بٹھائے مل رہی ہو وہ کیوں انکار کرے گا اگر انکار کر رہا ہے تو ضرور دوسری لڑکی ہے اب بڑے بزرگ ٹھیک ہی کہتے ہیں آدمی کے دل کا کوئی بھروسہ نہیں دل اگر گدھی پر آ جائے تو حور کیا چیز ہے۔''
ان کی مثال پر کومل نے بے ساختہ پہلو بدلا۔

Scanned with CamScanner

"اور وہ حارث بھی ساتھ تھا۔" آخر ناہید نے وہ سوال کر لیا جو کب سے کومل کرنا چاہ رہی تھی۔

"نہیں یہ ایک اور کہانی لگ رہی ہے حارث کو کافی دنوں سے کسی نے نہیں دیکھا میں اور غیور کچھ دن پہلے گھر گئے تھے، وہ گھر پر نہیں تھا حارث آیا ہوا ہے اس نے ملنا چاہا تو عباس بھائی نے بتایا وہ دبئی گیا ہوا ہے، غیاث بھی چار دن پہلے حارث سے ملنے آفس آ گیا تو وہاں بھی حارث نہیں تھا پوچھنے پر پتا چلا وہ کئی ہفتوں سے نہیں آ رہا اور کیوں نہیں آ رہا دفتر والوں کو پتا نہیں اور عباس بھائی کہہ رہے ہیں وہ آفس کے کام سے دبئی گیا ہے مجھے پتا ہے کیا لگتا ہے۔" وہ آواز دھیمی کر کے آگے ہوئیں تو غور سے سنتی کومل اور ناہید بھی بے ساختہ آگے ہوئیں۔

"عباس بھائی نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔" کومل آنکھیں پھیلا کر پیچھے ہٹی۔

"گھر سے نکال دیا مطلب۔" ناہید نے الجھ کر فضیلت کو دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے عباس بھائی اتنی آسانی سے کسی کو معاف کرتے ہیں اگر چہ انہوں نے مجبوری میں یا کسی بھی وجہ سے حارث کی بات مان کر منگنی توڑ دی ہے لیکن اس بات کی سزا وہ ضرور دیں گے اور وہ دے سکتے ہیں اسی لیے مجھے لگتا ہے انہوں نے نا صرف اسے گھر سے بلکہ اپنی جائیداد سے بھی عاق کر دیا ہے۔" اس دی جانے والی خبر پر ناہید نے پریشانی سے فضیلت کو دیکھا جبکہ خوشی سے جھومتی کومل کو بھی جھٹکا لگا۔

"کیا انہوں نے ایسا کہا۔"

"نہیں عباس بھائی نے خود تو نہیں کہا لیکن مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔" وہ عورت اپنے اندازے بتا رہی تھی پر وہ یہ نہیں جانتی تھی اپنے اندازوں سے وہ ماں بیٹی کو جھٹکے پہ جھٹکے دے رہی ہے۔

فضیلت کے فون پر بیل بجی تو انہوں نے چونک کر اپنا موبائل دیکھا۔

"دیکھو باتوں میں مجھے یاد ہی نہیں رہا ڈرائیور باہر کھڑا ہے اور ابھی رشتہ داروں کے گھر جانا ہے۔ زیادہ لوگوں کو نہیں بلایا لیکن قریبی رشتے دار تقریباً سبھی انوائیٹڈ ہیں۔"

"نفیسہ آپا آ رہی ہیں۔" وہ جو دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں رک کر ناہید کو دیکھا۔

"ظاہری بات ہے غیور کے لیے ان کی فیملی پہلے ہے اور نفیسہ بھابھی تو تمہیں پتا ہے سب کی فیورٹ ہیں۔" وہ منہ ٹیڑھا کر کے بولیں جیسے کڑوا بادام چبا لیا ہو۔

"اچھا ناہید۔" کچھ یاد آنے پر وہ ان کے قریب ہوئیں۔

"یہ تو پکی بات ہے عباس بھائی کے گھر کچھ تو گڑبڑ چل رہی ہے لیکن مجھے پتا ہے سب اتنے پکے ہیں کوئی ہوا نہیں نکالے گا۔ اب پرسوں تم میلاد میں آ رہی ہو تو کیا تم نفیسہ بھابھی سے بات کرو گی آخر وہ تمہاری بہن ہیں شاید تمہیں بتا دیں۔"

"ہونہہ بتا ہی نہ دیں۔" وہ سر جھٹک کر بولیں۔

"تم لوگوں کو نہیں بتایا تو مجھے کیا خاک بتائیں گی۔"

"ہوں۔" فضیلت نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"بہر حال پرسوں تم نے سب بچوں کے ساتھ آنا ہے میں انتظار کروں گی۔" کہہ کر وہ باہر نکل گئیں تو ناہید گہرا سانس لے کر واپس آ گئیں جہاں کومل گہری سوچ میں گم تھی۔ وہ اس پر ایک نظر ڈال کر خاموشی سے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ اس کے بیٹھنے پر کومل نے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔

"آپ نے سنا امی، حارث نے منگنی توڑ دی سچ بتاؤں مجھے اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی اور خوشی کے ساتھ بے یقینی بھی ہے۔" جبکہ خاموش بیٹھی ناہید نے ایک گہری نظر بیٹی کے جگمگاتے چہرے پر ڈالی۔

"سچ کہوں تو مجھے یقین نہیں جو فضیلت نے کہا۔" اس کی بات پر کومل کی مسکراہٹ سکڑی۔

digest library.com

''کیوں امی، انہیں کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔''

''ہوسکتا ہے جھوٹ نہ ہو لیکن یہ بات بھی نہ ہو۔ اسے ویسے بھی رائی کا پہاڑ بنانا آتا ہے۔'' کومل نے ایسے سر جھٹکا جیسے اسے ماں کی بات پسند نہ آئی ہو۔

''امی، انہوں نے صاف لفظوں میں کہا ہے عباس انکل نے کہا ہے کہ انہوں نے حارث اور زیمل کی منگنی ختم کردی ہے اور یقیناً حارث نے یہ منگنی میری وجہ سے توڑی ہے۔''

اس نے فخریہ انداز میں شہادت کی انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ تو ناہید نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں تم نے شاید اگلی بات پر دھیان نہیں دیا کہ عباس بھائی نے حارث کو گھر سے نکال دیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے یہ فضیلت آنٹی کا اندازہ ہو۔''

''ہاں جو بات تمہارے مطابق نہ ہو وہ اندازہ ہو جاتا ہے۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولیں تو کومل کچھ پل خاموش ہو کر اندازہ لگانے لگی واقعی تقریباً مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا حارث نے اس سے رابطہ نہیں کیا تھا خیر وہ تو پہلے بھی فون میسجز نہیں کرتا تھا پر اس کے ہر فون اور میسج کا ریپلائے ضرور کرتا تھا۔ پر اب تو اس کا فون بھی آف جا رہا تھا۔

''تو آپ کو لگتا ہے کہ عباس انکل نے حارث کو گھر سے نکال دیا ہوگا۔'' کچھ دیر بعد جب وہ بولی تو اس کی آواز بے یقینی لیے ہوئے تھی۔

''غلام عباس سے کچھ بعید نہیں کب کیا کر دے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولیں۔

''میری اصل پریشانی تو یہ ہے کہ کہیں عباس بھائی نے حارث کو جائیداد سے عاق نہ کر دیا ہو۔''

''اللہ نہ کرے امی۔'' کومل نے جیسے دہل کر ماں کو دیکھا۔ ''وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں وہ ان کا سب سے بڑا بیٹا ہے سارا بزنس اس نے سنبھال رکھا ہے اب اتنی سی بات پر کہ وہ اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے کوئی گھر سے جائیداد سے بے دخل نہیں کر دیتا۔ ہزاروں لوگ ماں باپ کی مرضی کے خلاف جا کر شادی کرتے ہیں۔ کچھ لوگ تو چھپ کر اور کچھ بھاگ کر بھی شادی کر لیتے ہیں لیکن ماں باپ کچھ عرصہ ناراض ہونے کے بعد مان جاتے ہیں اور یہاں تو معاملہ ان کے لاڈلے بیٹے کا ہے مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوگا فضیلت آنٹی واقعی رائی کا پہاڑ بنا رہی ہیں، وہ منگنی سے انکار کرنے پر حارث سے ناراض ہو سکتے ہیں لیکن اسے جائیداد سے یا گھر سے بے دخل نہیں کر سکتے۔''

وہ ماں سے زیادہ خود کو یقین دلانے والے انداز میں بولی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' ان کے مایوس انداز پر کومل نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

''آپ کو تو عادت ہو گئی ہے نیگیٹو باتیں کرنے اور سوچنے کی۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے امی، جیت ہماری ہو رہی ہے، بال ہمارے کورٹ میں ہے ہم جس طرح چاہے اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔'' اس نے کسی خیال کے آتے ماں کو مسکرا کر دیکھا۔ ناہید بھی مسکرائی۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو واقعی بازی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ میں ہمیشہ یہی چاہتی تھی غلام عباس اور نفیسہ کو ہارا ہوا دیکھوں اور پرسوں جب میں نفیسہ اور غلام عباس کے مایوس اور بے بس چہرے دیکھوں گی یقین مانو دل کو ایسا سکون ملے گا جو برسوں سے نہیں ملا۔''

''ایسا ہی ہوگا امی، میں حارث کو ایسے اپنی مٹھی میں کروں گی کہ وہ میرے لیے سب کو چھوڑ دے گا میں راج کروں گی اس کے محل نما گھر پر ہر سال چھٹیوں میں سنگاپور، ملائشیا، دبئی، سوئیزرلینڈ، انگلینڈ جاؤں گی۔'' وہ جاگتی

Scanned with CamScanner

آنکھوں سے بڑے بڑے خواب دیکھ رہی تھی۔
''اور اس چکر میں تم ہمیں بھول گئی ہو۔'' ناہید کے ناراضی سے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''بے فکر رہیں آپ لوگوں کو بھی عیش کرواؤں گی۔''
''اب ناشتا کر کے میرے لیے اچھا سا جوڑا استری کر دو، بلکہ ایسا کر دو وہ جو کریم کلر کا چکن کا سوٹ ہے وہ استری کر دو۔'' ناہید کسلمندی سے کہہ کر دوبارہ صوفے پر لیٹ گئی، جبکہ کومل ناشتا بناتے ہوئے مسلسل فیوچر پلاننگ کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ تیار ہو کر ڈائننگ روم میں آئے تو نفیسہ، ہالہ اور حماد پہلے سے موجود تھے جبکہ گلشن ناشتے کے لوازمات ٹیبل پر رکھ رہی تھی بیٹھتے ہوئے انہوں نے ایک سرسری لیکن گہری نظر نفیسہ پر ڈالی جو سر جھکائے بیٹھی تھیں، ان کا اترا ہوا چہرہ اور تھکی ہوئی آنکھیں بے خوابی کی ترجمانی کر رہے تھے انہوں نے گہرا سانس لے کر جوس کا گلاس اٹھا لیا۔ تبھی زیمل اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں نفیسہ کا فون تھا جو مسلسل بج رہا تھا عباس صاحب کو دیکھ کر اس نے جلدی سے سلام کیا اور فون نفیسہ کی طرف بڑھایا۔
''تائی امی آپ کا فون۔'' نفیسہ نے چونک کر اسکرین کی طرف دیکھا اور اسکرین پر فضیلت کا نام دیکھ کر ان کا چہرہ مزید اتر گیا۔
''السلام علیکم۔'' انہوں نے فون کان سے لگا کر بات کا آغاز کیا جبکہ زیمل ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کر ناشتا کرنے لگی۔ فون بند کرنے کے بعد انہوں نے عباس صاحب کی طرف دیکھا جو منتظر نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔
''بھابھی کہہ رہی تھیں ہالہ اور زیمل کو میلاد سے پہلے بھیج دیں۔'' ان کے کہنے پر عباس صاحب کے ماتھے پر بل پڑے۔
''کیوں۔''
''کہہ رہی تھیں اکیلی ہیں سو کام ہیں بچیاں ساتھ ہوں گی تو مدد بھی ہو جائے گی اور ان کا دل بھی لگا رہے گا۔''
''تو جو اس کی اتنی بھتیجیاں بھانجیاں ہیں وہ مدد نہیں کر سکتیں۔'' ان کے سوال پر نفیسہ خاموش رہیں اب اس بات کا وہ کیا جواب دے سکتی تھیں۔
''خوشی کا موقع ہے منع کرنا اچھا نہیں لگتا۔ ویسے بھی فضیلت نے کون سے ان سے کام کروانے ہیں۔ کام والی بہت ہیں ان کے گھر پیار سے بلا رہی ہے۔ دوسرا اس نے شکوہ کیا ہے کہ زیمل پر ہم قبضہ جما کر بیٹھ گئے ہیں اگر یہ اس کے تایا کا گھر ہے، تو وہ بھی اس کے تایا کا گھر ہے انہیں لگتا ہے ہم اسے وہاں جانے سے منع کرتے ہیں۔''
اس الزام پر زیمل نے گھبرا کر غلام عباس کی طرف دیکھا وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔
''ہوں۔'' انہوں نے ہنکارا بھرا۔
''میلاد سے پہلے حماد چھوڑ آئے گا۔'' ان کی اجازت پر زیمل نے مایوس ہو کر سر جھکا لیا وہ بالکل وہاں جانا نہیں چاہتی تھی۔
''اور بھابھی بتا رہی تھیں شاید وہ پروگرام میں تبدیلی کریں کل میلاد ہے پہلے اگلے دن ڈھولکی کا پروگرام تھا اب شاید کل رات کو ہی ڈھولکی کر لیں، پروگرام بتاتے ہوئے وہ خود کنفرم نہیں تھیں۔ کیونکہ غیور بھائی اتنے لیے

جوڑے فنکشن نہیں کرنا چاہتے۔"

"ٹھیک کیا ہے غیور نے، تک بھی نہیں بنتی تھی، نکاح کرنا تھا کرتے اور بس، شادی ہو تو سمجھ میں بھی آتا ہے مہندی، بارات، ولیمہ، نکاح کے ساتھ تین دن کے فنکشن میری سمجھ سے باہر ہے۔" بے زاری سے بولے۔

"کیا تحفہ دینا ہے غیاث اور اس کی منکوحہ کو۔" عباس صاحب کے سوال پر انہوں نے گڑبڑا کر انہیں دیکھا۔

"جو آپ کو ٹھیک لگے۔" عباس صاحب نے جھنجلا کر انہیں دیکھا وہ جتنا نارمل بات کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ اتنا محتاط جواب دے رہی تھیں۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا یہ تمہارا شعبہ ہے۔" وہ اپنا آملیٹ ختم کر چکے تھے تو ٹشو سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد انہوں نے چائے کا کپ اٹھا کر نفیسہ کو دیکھا۔

"میں نے سوچا تھا غیاث کی بیوی کو گولڈ کا سیٹ دوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولے۔

"لیکن پھر شادی پر کیا دوں۔" نفیسہ نے اپنی الجھن بیان کی تو عباس صاحب نے گہرا سانس لیا۔

"میرا خیال ہے ابھی دونوں کو کیش دے دو پھر جب شادی ہو تب گولڈ وغیرہ جو بھی دینا ہو دے دینا۔"

"جی۔" وہ سر ہلا کر دوبارہ خاموش ہو گئیں جبکہ اس دوران وہ تینوں خاموشی سے انہیں سن رہے تھے حماد کے ہوتے بھی اتنی خاموشی نہیں ہوتی تھی لیکن حارث کے جانے کے بعد سے، ہر کوئی خاموش تھا اور یہ خاموشی زیمل کو گلٹ کی طرح محسوس ہوتی تھی۔ غلام عباس اور حماد کے جاتے ہی زیمل نے نفیسہ کی طرف دیکھا۔

"تائی امی۔" اس کی پکار پر انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"جی بچے۔" وہ محبت سے بولیں۔

"تائی امی میں......" وہ رکی۔

"مجھے وہاں نہیں جانا میں کسی کو جانتی بھی نہیں۔" وہ جانے سے پہلے ہی پریشان ہو گئی تھی۔

"مجھے پتا ہے بیٹا، تم وہاں کسی کو نہیں جانتیں لیکن وہ تمہارے تایا کا گھر ہے اور فضیلت تو پہلے ہی کہہ چکی ہے میں تمہیں آنے نہیں دیتی تو اگر میں تمہیں وہاں بھیجنے سے انکار کرتی تو اس نے اس بات کو اور لمبا کر دینا تھا۔" ان کی بات پر زیمل کا چہرہ اتر کر رہ گیا۔

"تم پریشان کیوں ہو رہی ہو ہالہ ہے نا تمہارے ساتھ۔" اس کا نام لینے پر ہالہ نے احتجاجی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اماں، میں کون سا وہاں سب کو جانتی ہوں مجھے تو خود پتا نہیں کتنے مہینے یا سال ہو گئے وہاں گئے اور چچی جان کے رشتے دار اتنے عجیب ہیں مجھے تو ایسے دیکھتے ہیں جیسے میں ایلین ہوں۔" بات کرتے ہوئے وہ منہ کے زاویے بھی بنا رہی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر زیمل کو ہنسی آ رہی تھی اندر داخل ہوتی انوری نے ہالہ کا آخری جملہ پورا سنا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے ہالہ، کوئی ضرورت نہیں اکیلی بچیوں کو وہاں بھیجنے کی۔ نظر لگوانی ہے کیا۔" انہوں نے پیار بھری نظروں سے ہالہ اور زیمل کو دیکھا۔

"چلو اب تمہاری کسر رہ گئی تھی۔" نفیسہ نے قدرے ناراضی سے انوری کو دیکھا۔

"نہ بھیج کر فضیلت بھابھی کی باتیں سنو انہیں ویسے ہی موقع چاہیے اپنی ناراضی دکھانے کا پھر کوئی الٹی سیدھی باتیں کر کے غیور بھائی کا دل خراب کریں گی ہماری طرف سے، پہلے ہی انہوں نے سارے خاندان میں

Scanned with CamScanner

digest library.com

مشہور کر رکھا ہے کہ نفیسہ اور اس کے بچے بڑے مغرور ہیں۔"

"دنیا والوں کا کام ہے باتیں کرنا۔ سو ان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔" انوری بوا نے لاپرواہی سے ہاتھ جھلائے بات کو سرسری انداز میں لیا۔

"ہم دنیا میں رہتے ہیں انور، تو دنیا کی باتوں کی پرواہ کرنی پڑتی ہے۔ خوشی کا موقع ہے اور پہلے کون سا فضیلت یوں اصرار کرتی ہے۔ اگر عباس منع کر دیتے تو میرے پاس منع کرنے کا جواز موجود تھا کہ عباس نے اجازت نہیں دی، اب اگر میں نے دونوں کو نہ بھیجا تو عباس کو برا لگے گا اور میں گھر میں مزید کوئی بدمزگی نہیں چاہتی میں پہلے ہی پریشان ہوں۔"

آخری بات پر ان کی آواز بھرا گئی تو انہوں نے تیزی سے پلکیں جھپکتے ہوئے سامنے رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا۔ وہ تینوں پریشانی سے نفیسہ کا چہرہ دیکھنے لگے جو ایک دم مرجھا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم پریشان نہ ہو میں ان دونوں کے ساتھ چلی جاؤں گی کیونکہ میرا تو دل بالکل نہیں مان رہا کہ میں اپنی بچیوں کو فضیلت کے نرغے میں اکیلا چھوڑ دوں" ان کے انداز پر ان دونوں کی ہنسی چھوٹی جبکہ افسردہ بیٹھی نفیسہ بھی بے ساختہ مسکرائیں۔

"آپ کی مثال سے تو ایسا لگ رہا ہے بوا، جیسے میں اور زیمل ننھے منے میمنے ہوں اور چچی جان خونخوار شیر۔" ہالہ نے شرارت سے بوا کا چہرہ دیکھا۔

"ارے میرے نزدیک وہ خونخوار بھیڑیے سے کم نہیں جو ہر وقت حملے کی تاک میں رہتی ہے۔"

"اوں ہوں انور۔" نفیسہ نے سرزنش کرنے والے انداز میں ٹوکا۔

"بڑی ہے وہ، یوں بچوں کا دل خراب نہ کرو وہ صرف زبان کی تھوڑی تیز ہے ورنہ دل کی اچھی ہے۔"

نفیسہ کے کہنے پر انور نے سر جھٹک کر ہونہہ کہا اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائیں۔

"اور پلیز انوری وہاں جا کر کوئی فضول بات نہ کرنا۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا میں فضول باتیں کرتی ہوں۔" نفیسہ کے کہنے پر وہ ناراضی سے بولیں۔

"میرا مطلب ہے فضیلت اگر کوئی بات کرے تو جواب دینے کھڑی مت ہو جانا۔"

"دیکھوں گی۔" اب کی بار بھی وہ اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولیں اور برتن اٹھا کر ڈائننگ روم سے باہر نکل گئیں۔

"اماں، آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گی۔" ہالہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"میں سارا دن وہاں نہیں رک سکتی ہالہ، میرا بھی تم لوگوں کو وہاں اکیلے بھیجنے کا دل نہیں مان رہا تھا لیکن اب انوری ساتھ ہوگی تو مجھے فکر نہیں ہوگی میں تمہارے بابا کے ساتھ آؤں گی اور کوشش کروں گی جلدی آجاؤں تم پریشان نہ ہو۔ اور بہن کا خیال رکھنا اسے اکیلے مت چھوڑنا۔" انہوں نے کھڑے ہوتے ہوئے زیمل کی طرف اشارہ کیا۔

"جی۔" ہالہ نے مسکرا کر زیمل کی طرف دیکھا جو محبت بھری نظروں سے نفیسہ کو دیکھ رہی تھی۔

"حماد کو میں نے کہہ دیا تھا شام کو جلدی آئے تم لوگوں کو جو شاپنگ کرنی ہے اس کے ساتھ چلی جانا۔ زیمل کے لیے اچھا سا ڈریس لینا اس کی پسند کا۔" انہوں نے ایک بار پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا تو زیمل کی آنکھیں بے ساختہ نم ہوئیں۔ ہالہ نے غور سے اپنی کھڑی ماں اور ان کے سامنے کرسی پر بیٹھی اپنی کزن کو دیکھا دونوں کی آنکھیں جھکی تھیں پر وہ جانتی تھی دونوں کی آنکھیں نم ہیں۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

"چلو زیمل، تیار ہو جاؤ۔ منفرد نظارے دیکھنے کے لیے چچی جان کے گھر تمہیں بہت سی عجیب و غریب

چیزیں اور لوگ دیکھنے کو ملیں گے۔" ہالہ کے کہنے پر زیمل نے منہ بسور کر اسے دیکھا۔
"میرا جانا ضروری ہے کیا۔"
"بالکل ضروری ہے، بھئی کزن میں ہوں غیاث بھائی کی اتنی تم بھی ہو اور اس فنکشن میں تمہیں سب سے ملنے کا موقع ملے گا اور جہاں تک مجھے لگ رہا ہے میرا خیال ہے یہ پہلا موقعہ ہے کہ تم کوئی فیملی فنکشن اٹینڈ کر رہی ہو۔" ہالہ کے کہنے پر اس نے سر اثبات میں ہلایا۔
"پھر تو تمہیں ایکسائٹمنٹ ہوگی۔" ہالہ کے کہنے پر اس نے سر نفی میں ہلایا۔
"نہیں بس عجیب لگ رہا ہے کیونکہ مجھے اجنبی لوگوں سے خوف آتا ہے۔" اس کے کہنے پر ہالہ ایک پل کے لیے خاموش ہوگئی۔

"ارے میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ میں بھی سب کو کہاں جانتی ہوں پہلے میلاد ہے میں تمہارے ساتھ ہوں گی اس کے بعد چچی جان کو اگر کوئی مدد چاہیے ہوئی تو وہ کر دیں گے شام کو ڈھولکی ہے۔ ہم دونوں اچھے سے تیار ہوں گے پھر تم اپنے موبائل سے میری اور اپنی سیلفی لینا جو تصویر اچھی آئے گی اسے ہم دونوں ان لارج کروا کے اپنے کمرے میں لگائیں گے۔ پھر جو ڈھولکی بجا رہا ہوگا ہم بھی پاس بیٹھ کر تالیاں بجادیں گے تب تک اماں، بابا اور حماد بھی آ جائیں گے اور ہوسکتا ہے پھوپھو پہلے سے وہاں موجود ہوں۔" ہالہ اس کی تسلی کے لیے بڑے پرجوش انداز میں سارا نقشہ کھینچ رہی تھی اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہی تھی کیونکہ زیمل کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"تصویروں کا تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ میں بھی تمہاری بابا بوا تائی امی، حماد بھائی سب کی ڈھیر ساری تصویریں کھینچوں گی۔"

"اور اگر پھوپھو وہاں ہوں گی تو پھر تو سب ٹھیک ہوگا۔" وہ جیسے شاہانہ کی وہاں موجودگی کا سوچ کر ہی مطمئن ہوگئی تھی وہ دونوں اب کپڑوں کے متعلق بات کرتی ہالہ کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔

☆☆☆

"آرام سے بھائی آرام سے۔" لاؤنج کے دروازے کے قریب کھڑی شاہانہ تیزی سے آگے بڑھیں دو مزدور جو ٹی وی ٹرالی لیے اندر آ رہے تھے صوفے سے ٹکرانے والے تھے جب شاہانہ بے ساختہ پکار اٹھیں کیونکہ ان کے ٹکرانے کی صورت میں ٹرالی پر رکھا شیشہ ٹوٹ سکتا تھا۔
"آیان۔" انہوں نے غصے سے آیان کو آواز دی جو صوفے پر اچھل رہا تھا۔ "رجا کہاں ہے جاؤ اور اس کے ساتھ کھیلو۔" ان کے کہنے پر وہ بکھری چیزوں پر حسرت بھری نظر ڈال کر ایک کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں رجا اپنا ڈول ہاؤس کھولے بیٹھی تھی۔ اسے ڈول میں کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ تو مزدوروں کے ساتھ مل کر چیزوں کی تباہی پھیرنے میں دلچسپی رکھتا تھا شاہانہ کو اس کے تیور صاف نظر آ رہے تھے۔ مزدوروں کو صوفے گھسیٹتا دیکھ کر شاہانہ نے بے ساختہ دانت کچکچائے۔ اس سے پہلے وہ پھر غصے سے چلاتیں جنید اندر داخل ہوئے۔
"خدا کے لیے جنید، انہیں سمجھائیں تمیز سے کام کریں احتیاط کریں کیسے گھسیٹ رہے ہیں وہ دیکھیں ٹیبل گھسیٹنے سے ٹائل پر نشان پڑ گئے ہیں یہ اب جانے بھی نہیں۔" انہوں نے سفید چمچماتی ٹائل جس پر کالی لکیریں پڑ گئی تھیں دکھ سے دیکھا۔
"یار کیوں پریشان ہو رہی ہو اب اتنا وزنی سامان ہے اٹھانے رکھنے میں کچھ نشان تو لگ جاتے ہیں" ان کے مطمئن انداز پر شاہانہ نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔
"اگر کام احتیاط سے کریں گے تو نشان بھی نہیں پڑیں گے ٹو یسٹرا و پر لے کر گئے اور ساری دیوار پر نشان

Scanned with CamScanner

ڈال دیئے، کونوں سے سیمنٹ بھی اکھڑ گیا ہے کہا بھی تھا آپ سے، صبر کرلیں میں حماد کو بلا لیتی ہوں۔ وہ میری مرضی کے مطابق کام کروائے گا۔ لیکن آپ بھی نا۔''

''کمال کرتی ہو شاہانہ، فارغ تھوڑی ہے وہ آفس جاتا ہے اب اپنا کام چھوڑ کر وہ یہاں مزدوروں کے ساتھ منہ ماری کرتا، پہلے ہی ہم انہیں تکلیف دے چکے ہیں بار بار چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے کہنا اچھا نہیں لگتا۔'' ان کی سنجیدگی پر شاہانہ کچھ بول ہی نہیں سکیں۔

''مجھے پتا ہے بچے تم سے پیار کرتے ہیں تم بلاؤ گی وہ انکار نہیں کریں گے لیکن ان کی اپنی پرسنل لائف ہے اور بچوں کو تھوڑی اسپیس دینی چاہیے۔''

''یہ یورپ نہیں جنید، جہاں بچوں سے پیار جتانے پر ان کی پرائیویسی متاثر ہو جاتی ہے۔ میں کسی پر بوجھ نہیں ڈال رہی اور میں کیا کرتی ہوں مجھے پتا ہے۔'' وہ منہ پھلا کر ناراضی سے بولی۔

''ناراض ہو گئی ہو۔'' انہوں نے مڑ کر ان کا پھولا ہوا چہرہ دیکھا تو ان کی شرارت محسوس کر کے وہ مسکرا دیں۔

''میں کوشش بھی کرلوں آپ ناراض ہونے ہی نہیں دیتے۔'' ان کو مسکراتا دیکھ کر جنید بھی مسکرا دیئے۔

''اچھی بات، ہمیشہ غلط موقع پر کرتی ہو جب میں تمہیں داد بھی نہیں دے سکتا۔'' جنید نے مزدوروں کی طرف دیکھ کر کہا تو ان کا مطلب سمجھ کر شاہانہ کھل کر ہنسی تھیں۔

''ابھی کے لیے اتنا کافی ہے جنید، میں تھک گئی ہوں ان مزدوروں اور کام والی کو فارغ کریں اور پلیز تھوڑی دیر بچوں کو باہر لے جائیں، میں تھوڑا کچن کا کام دیکھ لوں پھر گھر چلتے ہیں کیونکہ کل غیور بھائی کے گھر فنکشن ہے تو وہاں جانا ہے اور اس کے لیے فریش نظر آنا بھی ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے تم تھوڑا آرام کرلو میں آتے ہوئے کھانا بھی لے آؤں گا۔'' ان کے کہنے پر وہ سر ہلاتی کمرے کی طرف گئی جہاں آیان اور رجا کھیل رہے تھے۔

☆☆☆

وہ نہا کر باہر نکلیں تو ان کا موبائل بج رہا تھا، وہ تیزی سے تولیے کو بالوں پر لپیٹتی موبائل کی طرف بڑھیں لیکن موبائل پر نظر آتے نمبر کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہوئیں لیکن اگلے ہی پل انہوں نے ہونٹ بھینچ کر فون آن کر کے کان سے لگایا۔

''السلام علیکم پھوپھو۔'' دوسری طرف سے آتی بھاری مردانہ آواز پر انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''وعلیکم السلام۔''

''کیسی ہیں آپ۔''

''میں تو ٹھیک ہوں، تم ٹھیک ہو نا کہ مجھے فون کر رہے ہو یا غلطی سے میرا نمبر مل گیا۔'' ان کے طنزیہ انداز پر دوسری طرف سنتے حارث نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبایا۔

''پھوپھو، کیا آپ بھی مجھ سے ناراض ہیں۔''

''میں بھی سے کیا مطلب ہے حارث، تم نے جو حرکت کی ہے اس کے بعد تم امید رکھتے ہو کہ میں تم سے ناراض نہیں ہوں گی۔''

''مجھے لگا کم از کم آپ مجھے سمجھیں گی۔'' اچانک اس کے لہجے میں مایوسی اور تھکن اتر آئی، شاہانہ کو صاف محسوس ہوئی۔

''ابھی کہاں ہو۔''

''ایئرپورٹ سے نکل رہا ہوں۔ وہاں سے ہوٹل جاؤں گا۔''

Scanned with CamScanner

''ہوٹل کیوں۔'' شاہانہ کے ماتھے پر بل پڑے۔
''تو اور کہاں جاؤں پھوپھو، گھر تو جا نہیں سکتا۔'' شاہانہ نے افسوس سے سر ہلایا۔
''میری طرف آ جاؤ۔'' ان کی بات پر وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوا۔
''پھوپھو، وہاں جنید انکل کی فیملی بھی ہے۔''
''میں اپنے گھر کی بات کر رہی ہوں۔ شفٹنگ کر رہی ہوں اکیلی ہوں یہاں۔''
''پھوپھو، بابا کو پتا چلا آپ مجھ سے ملی ہیں تو وہ آپ سے بھی ناراض ہو جائیں گے۔''
''کون بتائے گا انہیں، اس بات کی فکر چھوڑو تم آ جاؤ۔''
''ٹھیک ہے میں بیگ ہوٹل میں رکھ کر آپ کی طرف آتا ہوں۔''
''حارث، تمہیں ایک بار کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ تم ہوٹل نہیں جا رہے ایک مہینہ ہوٹل میں گزار کر تمہارا دل نہیں بھرا جو پھر ہوٹل جانا چاہتے ہو یا پھر تم نے سوچ لیا ہے کہ اب آنے والی زندگی فیملی کے بغیر گزارنی ہے۔'' ان کے غصیلے لہجے میں کی ہوئی بات جیسے تیر کی طرح اس کے دل پر لگی تھی۔
''اللہ نہ کرے پھوپھو۔'' وہ بے ساختہ بولا۔
''جلدی آؤ میں انتظار کر رہی ہوں۔'' فون بند کر کے انہوں نے جلدی سے گیلے بالوں کو سمیٹا اور کچن کی طرف بڑھ گئیں جہاں کھانے کا کچھ سامان موجود تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ڈور بیل بجی تو وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھیں، ان کے باہر نکلنے تک چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا جہاں حارث ایک کندھے پر لیپ ٹاپ کا بیگ دوسرے ہاتھ میں ٹریولنگ ٹرالی کا ہینڈل پکڑے اندر آ رہا تھا ان پر نظر پڑتے ہی وہ دونوں بیگ زمین پر رکھ کر تیزی سے ان کے گلے لگا اور کتنی دیر تک اور ساتھ لگا رہا وہ جانتی تھیں وہ رو رہا ہے لیکن اپنے آنسو انہیں دکھانا نہیں چاہتا اس لیے ان سے الگ نہیں ہو رہا۔ انہوں نے پیار سے اس کی پشت کو سہلایا تو حارث نے دائیں ہاتھ سے اپنی دونوں آنکھوں کو صاف کیا اور مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر چہرہ ان کی سامنے کیا۔ شاہانہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا انہیں وہ پہلے کی نسبت کمزور لگا تھا، ان کو اپنی طرف بغور دیکھتا پا کر اس نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔
''اب اندر چلو یا ساری رات یہیں گزارنی ہے۔'' ان کے کہنے پر وہ سر ہلاتا ہوا پیچھے مڑا اور اپنے دونوں بیگ اٹھا کر ان کے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ انہیں حارث پر بہت غصہ تھا لیکن اس وقت اسے اپنے سامنے دیکھ کر ان کا سارا غصہ جیسے دھواں بن کر اڑ گیا تھا، وہ اب بڑے پیار سے اسے دیکھ رہی تھیں جو بڑی رغبت سے دال چاول کھا رہا تھا۔
''پلین میں کھانا نہیں کھایا۔'' ان کے شرارتی انداز پر اس کا ہاتھ ایک پل کے لیے رکا اور پھر مسکرا کر دوبارہ پلیٹ میں اور دال ڈالنے لگا۔
''میں پلین میں بہت کم کھاتا ہوں اور اتنے دنوں سے ہوٹل کا کھانا کھا رہا ہوں میں بتا نہیں سکتا یہ دال چاول مجھے من و سلویٰ سے کم نہیں لگ رہے۔''
''یہ کباب بھی لو۔'' انہوں نے ایک کباب اس کی پلیٹ میں رکھا۔
''فریج میں چکن اور مٹن کا سالن بھی تھا لیکن وہ دونوں بازار کے کھانے ہیں یہ دال چاول میں نے ابھی بنائے ہیں تمہارے لیے، میں تو بریانی یا پلاؤ بناتی پر ابھی شفٹنگ مکمل نہیں ہوئی صرف فرنیچر آیا ہے یا کچن کے کچھ برتن، مجھے بس کیبنٹ میں یہ دال ہی ملی تھی۔''
''نہیں پھوپھو، یہ بہت اچھا ہے مجھے بہت مزہ آیا۔'' وہ پلیٹ صاف کرتے ہوئے بولا۔
''تم بیٹھو میں چائے بناتی ہوں چائے پیتے ہوئے دونوں باتیں بھی کرتے ہیں۔''

digest library.com

''میں بھی آپ کے ساتھ کچن میں چلتا ہوں۔''

''ہاں چلو۔'' ان کے اٹھنے سے پہلے وہ اپنے برتن اٹھا کر کچن میں آ گیا۔

''آپ اکیلی ہیں جنید انکل اور بچے کہاں ہیں۔''

''وہ بھی یہیں تھے زبردستی انہیں باہر بھیجا ہے ورنہ شاید ان کی حرکتیں دیکھ کر میرا دماغ پھٹ جاتا۔'' ان کے اکتائے ہوئے لہجے پر وہ مسکرا کر انہیں دیکھتا رہا جو چولہے کے آگے کھڑی تھیں۔

''آپ اکیلی سب کر رہی ہیں گھر سے ہالہ اور حماد کو بلا لیتیں۔''

''پہلے انہوں نے ہی مدد کی ہے سیٹنگ میں، اب بھی ارادہ تھا لیکن کل غیور بھائی کے گھر فنکشن شروع ہو رہے ہیں تو سب وہاں انوائیٹڈ ہیں تو اسی وجہ سے کسی کو زحمت نہیں دی۔''

''کیسا فنکشن۔'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''غیاث کا نکاح ہے۔'' کہنے کے ساتھ انہوں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو خاموش ہو گیا تھا۔ انہوں نے چائے مگ میں ڈالی اور دونوں مگ لے کر کچن میں موجود چھوٹے ڈائننگ ٹیبل کی طرف آ گئیں ایک کرسی حارث گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر انہوں نے مگ اس کے آگے رکھ کر بغور اس کا چہرہ دیکھا جو سر جھکائے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''حارث۔'' ان کے پکارنے پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''چائے۔'' انہوں نے آنکھوں سے مگ کی طرف اشارہ کیا تو اس نے سر ہلا کر مگ اٹھا لیا، کتنی دیر وہ اس پر نظریں جمائے منتظر رہیں کہ وہ بات کرنے میں پہل کرے لیکن جب وہ یونہی خاموش بیٹھا رہا تو انہوں نے خود بات کا آغاز کیا۔

''ویسے مجھے تم سے اس بچگانہ حرکت کی امید نہیں تھی کیا گھر چھوڑ دینے سے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔''

حارث نے سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا جیسے اسے پہلے سے ہی اندازہ تھا کہ وہ کیا کہنے والی ہیں۔

''میں نے گھر چھوڑا نہیں پھوپھو، مجھے نکالا گیا ہے۔''

''انہوں نے کہا چلے جاؤ اور تم چلے گئے۔'' شاہانہ نے ابرو اچکائے۔

''اس وقت یہی مناسب تھا اگر میں مزید کچھ کہتا یا جانے سے انکار کرتا تو بابا اس سے سخت ری ایکشن دیتے وہ جتنے ناراض اور غصے میں تھے مجھے وہاں سے چلے جانا ہی ٹھیک لگا۔''

''ایسی نوبت کیوں آئی حارث، کہ انہوں نے تمہیں گھر سے چلے جانے کو کہا۔''

''آپ کو پتا ہی ہوگا پھوپھو۔'' اس نے نظریں ملائے بغیر کہا۔

''میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔''

''میں کیا بتاؤں مجھے تو ابھی تک خود اپنا جرم سمجھ نہیں آیا جس کی پاداش میں مجھے گھر بدر کر دیا گیا ہے۔''

''رئیلی۔'' شاہانہ نے استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا۔

''تمہیں واقعی نہیں اندازہ حارث، تم نے کیا کیا ہے۔'' شاہانہ کے لہجے میں غصہ تھا۔

''بچپن کی منگنی تھی تمہاری جسے تم نے فضول سی توجیہات دے کر توڑ دیا۔ تمہیں ذرا بھیا کی عزت کا خیال نہیں آیا جب سب کو یہ بات پتا چلے گی لوگ کتنی باتیں بنائیں گے۔ سب لوگ جانتے ہیں عباس بھیا اپنے اصولوں کے کتنے پکے ہیں جب یہ بات لوگوں کو پتا چلے گی کتنی باتیں بنیں گی کہ غلام عباس بیٹے کے لیے اپنی زبان سے مکر گیا، یتیم بھتیجی سے منگنی توڑ دی۔'' ان کی آواز اب غصے کے باعث اونچی ہو گئی تھی۔

''پھوپھو، میں ایک بار نہیں کئی بار کہہ چکا تھا اماں کو بھی بتایا تھا اور آپ کو بھی کہ میں زیمل کو فیوچر وائف

کے طور پر نہیں دیکھتا اپنی لائف پارٹنر کے لیے میری جو سوچ ہے زیمل اس سے الگ ہے، میں نے کئی بار اماں کے منہ سے سنا تھا کہ ایاز چاچو کی بیٹی سے میری بات طے ہے جسے ہم کبھی نہیں ملے تھے سالوں سے رابطہ نہیں تھا مجھے نہیں لگتا تھا کہ بچپن میں کی بات کو بابا یوں میرے لیے زندگی موت کا مسئلہ بنا دیں گے، شادی ایک بار ہوتی ہے اور جس نے ساری زندگی گزارنی ہے کیا اسے حق نہیں کہ اپنی پسند بتا سکے۔ اگر مجھے کومل پسند ہے تو اس میں برائی کیا ہے۔''

''کوئی ایک ہو تو بتائیں بھی۔'' شاہانہ طنزیہ انداز میں بولیں تو حارث نے افسوس سے سر ہلایا۔

''آپ بھی بابا والی بات کر رہی ہیں یقیناً آپ کو بھی وہ اس لیے پسند نہیں وہ لوگ غریب ہیں اور اس لیے کہ میں نے زیمل کے بجائے اسے چوز کیا۔''

''ہاں بالکل ایسا ہے کیونکہ وہ لڑکی کسی بھی اینگل سے زیمل کے مقابلے کی نہیں یہاں بات غریبی امیری کی نہیں، شرافت اور مخلص ہونے کی ہو رہی ہے۔''

''پھوپھو، میں کیسے آپ کو یقین دلاؤں وہ شریف لوگ ہیں۔ بابا کو بھی لگتا ہے وہ مجھے پھنسا رہے ہیں وہ خالہ کے لیے بھی برے الفاظ استعمال کر رہے تھے وہ خالہ ہیں میری اماں کی بہن۔'' شاہانہ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بغور حارث کا چہرہ دیکھا جو جھنجھلایا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا۔

''بات ایسی ہے حارث، بعض دفعہ کسی مصلحت کے تحت یا کسی کی عزت کی خاطر کچھ باتیں چھپائی جاتی ہیں تمہاری ماں اور باپ نے بھی کسی کا بھرم رکھنے کی غلطی کی ہے، جس کی سزا انہیں تمہاری صورت میں مل رہی ہے تمہاری خالہ کا ماضی غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اگر بھیا اور بھابھی نے تمہیں کچھ نہیں بتایا تو مجھے نہیں لگتا کہ میرا کچھ کہنا صحیح ہوگا۔'' حارث نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔

''پھوپھو، آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس کی بات پر شاہانہ صرف مسکرائی تھیں۔

''اچھا چلیں مان لیا ماضی میں ان سے کچھ غلطیاں ہوئی ہوں گی پر اب تو وہ بہت سادہ اور نیک نمازی عورت ہیں اور کومل وہ بھی بہت مختلف ہے۔ میچور، سینس آف ہیومر، بڑوں کی عزت کرنے والی آپ ایک دفعہ اس سے ملیں آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔''

''مجھے ضرورت نہیں حارث، میں ایک دفعہ ملی ہوں اس سے مجھے تو وہ کوئی ایسی توپ چیز نہیں لگی جس کے لیے تم زیمل جیسی لڑکی کو چھوڑ دو۔''

''پھوپھو۔'' حارث زچ ہو کر بولا۔

''آپ سب کو میری اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ زیمل مجھے پسند نہیں وہ ہوگی کومل سے زیادہ خوب صورت اچھی اور بھی ساری خوبیاں ہوگی لیکن میرا دل نہیں مانتا مجھے نہیں لگتا کہ وہ میرے ساتھ چل سکتی ہے جب دیکھا نہیں تھا تب بھی وہ میرے نزدیک چھوٹی تھی اور ملنے کے بعد تو ثابت ہو گیا وہ واقعی امیچور ہے۔''

''حارث۔'' شاہانہ نے اسے ایک دم ٹوکا۔

''ساری باتیں سننے کے بعد مجھے افسوس ہے ان لوگوں پر جو کہتے ہیں حارث بہت عقل مند اور سمجھ دار ہے، تمہاری سمجھ شاید کاروبار میں بہت اچھی ہو لیکن افسوس صد افسوس تمہیں انسانوں کی بالکل پہچان نہیں، اگر زیمل امیچور ہوتی یا تم اس کے ساتھ خوش نہ رہ سکتے تو کوئی تمہیں مجبور نہ کرتا، یہ رشتہ کرنے پر لیکن تمہارے ماں باپ نے تمہارے لیے بہترین لڑکی کا انتخاب کیا تھا لیکن تمہارے جیسے نادان لوگ ہوتے ہیں جو جلتے ہوئے کوئلے کو ہیرا سمجھ لیتے ہیں۔''

''پھوپھو۔'' شاہانہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بات کرنے سے روک دیا۔

Scanned with CamScanner

"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔ زیمل اتنی فالتو نہیں کہ اسے زبردستی تمہاری زندگی میں شامل کیا جائے۔ مزید اب کوئی تم سے زیمل کی بات نہیں کرے گا۔" ان کی بات پر جھنجھلائے ہوئے حارث نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"بھیا نے منگنی ختم کر دی ہے۔" شاہانہ بغور حارث کا چہرہ دیکھ رہی تھیں جس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"چلو تمہاری جان چھوٹی۔" شاہانہ نے مسکرا کر اسے دیکھا جو بے حد سنجیدہ تھا۔

"لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کومل کے لیے مان جائیں گے وہ تو ناممکن سمجھو۔" وہ اب بھی خاموش تھا شاہانہ کے لیے اس کی خاموشی عجیب تھی اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا اسے مسلسل خاموش دیکھ کر شاہانہ نے دوبارہ بات کا آغاز کیا۔

"بعض بچے ایسے ہوتے ہیں جن پر ماں باپ کو اندھا اعتماد ہوتا ہے اور وہ بچے کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں انہیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہر وقت ماں باپ کی دعاؤں کے حصار میں رہتے ہیں تم بھی ان میں سے ایک تھے۔" تھے پر جیسے حارث کی دھڑکن سست ہوئی تھی" کیا وہ لڑکی تمہارے لیے اتنی اہم تھی کہ تم نے گھر چھوڑ دیا۔ اپنی ماں کی پرواہ نہیں کی تمہیں اندازہ ہے بھابھی کتنی بیمار ہیں۔"

"اماں کو کیا ہوا۔" وہ تڑپ کر بولا۔

"اس ماں کو کیا ہوگا جس کا جوان بیٹا ان کے فیصلے کے خلاف جا کر گھر سے چلا جائے اور رابطہ بھی نہ کرے۔"

"پھوپھو، آپ کو کیا لگتا ہے میں بہت سکون میں تھا میں نے یہ چار ہفتے صحیح معنوں میں کانٹوں پر گزارے ہیں نہ مجھے نیند آتی تھی اور نہ بھوک لگتی تھی، میں بھی اماں، بابا کا دل دکھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا لیکن بابا ہمیشہ مجھ سے کسی نہ کسی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں اور اگر میں نے رابطہ نہیں کیا تو کسی نے بھی مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہر میسج فون میں اس امید پر دیکھتا تھا گھر سے ہوگا لیکن سب مجھ سے ناراض ہو کر بیٹھ گئے۔"

"کسی نے منہ نہیں موڑا اور نہ کوئی تمہیں بھولا ہے بس مجبور ہیں تم جانتے ہو بھیا کو انہوں نے سب کو منع کیا ہے تم سے بات کرنے کو، تو تم بھی جانتے ہو جب وہ کسی بات سے منع کرتے ہیں تو کوئی اس بات کے خلاف نہیں جاتا۔"

"کیا پھر بابا مجھے معاف نہیں کریں گے۔" وہ بڑی آس سے شاہانہ کو دیکھ رہا تھا، شاہانہ کو اس کا چہرہ دیکھ کر ترس آیا تھا۔

"حارث، بات وہی ہے کہ غلطی تمہاری ہے لیکن تم ماننے کو تیار نہیں، جھگڑا سارا زیمل کا تھا وہ تو ختم ہوا۔ معافی مانگ لو شاید معاف کر دیں۔ پر جہاں تک میں بھیا کو جانتی ہوں ان کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا اور وہ اتنی جلدی تمہیں معاف کرنے والے نہیں۔"

"جانتا ہوں۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ

Scanned with CamScanner

عمارہ صفدر

چھوٹی سی خوشی

digest.library.com

"وہ بھی کیا عیدیں ہوتی تھیں جب چاند دیکھنے کے لیے سب چھتوں پہ چڑھ جاتے تھے اور چاند کے نظر آتے ہی ایک بڑی سی کڑاہی چولہے پر چڑھا دی جاتی تھی حلوہ بنانے کے لیے اور اب تمھاری ماں اس کے تو کیا ہی کہنے کبھی، پتلی پانی سی کھیر کمس بنا دے گی اور کبھی سویوں کا حلوہ بنا کے رکھ دے گی کبھی، جویریہ عورت بھی بوڑھی کے اداس دل کا خیال کرتے کسی عید پر دیسی گھی کا حلوہ ہی بنا دے۔" دادو نے ایک اداس کر دینے والی آہ بھر کے یونہی نظر گھمائی تو جسے سنا رہی تھیں، اسے فون میں غرق دیکھ کے ایک زوردار دھموکا اس کی کمر پر جڑ دیا۔

"میرے اللہ! دادو آپ نے تو میری کمر ہی

Scanned with CamScanner

"توڑ دی۔" ماہا نے کمر ملتے ہوئے دہائی دی۔

"کمر تو تمہاری ٹوٹنی ہی تھی، نہ میں اپنے دور کی اتنی قیمتی باتیں تمھیں سنا رہی ہوں اور تم ہو کہ اس ناس پیٹے فون میں سر دیے بیٹھی ہو۔"

"قسم لے لیں دادو! میں آپ کی ساری باتیں سن رہی تھی یہ تو میری دوست ثمرہ کا ضروری میسج تھا جو دیکھنے کے لیے فون اُٹھایا اور آپ نے اپنے ہتھیار کھول دیے۔" ماہا نے اُن کے ہاتھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"اور آپ فکر نہ کریں اس دفعہ آپ ایسی عید منائیں گی کہ آپ کو اپنے دور کی عیدیں بھول جائیں گی اور میں آپ کو بڑی سی کڑاہی میں بنا آپ کا من پسند حلوہ بھی کھلاؤں گی۔"

"چل چھوٹی کہیں کی، تیری کنجوس ماں بنا ہی نہ دے مجھے دیسی گھی کا حلوہ" دادو نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا"اچھا چل چھوڑ حلوے کو۔

"ماں تیری سوئی ہوئی ہے اُس کے اُٹھنے سے پہلے ہی میرے اور اپنے لیے بہت سارا دودھ ڈال کے چائے بنالا۔"

"کیا مطلب دادو! اپنے لیے اور آپ کے لیے روزہ ہے میرا۔ البتہ آپ کے لیے ابھی بنالاتی ہوں لیکن آپ کی یادداشت اب کمزور ہو رہی ہے۔" ماہا نے افسوس سے کہا۔

"کیا کروں دل تو کرتا ہے کہ سارے روزے رکھوں پر یہ جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے الٹی آجاتی ہے اس کی وجہ سے ایک روزہ بھی نہیں رکھ پاتی۔" دادو نے افسردہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا آپ اب اداس تو نہ ہوں نا، بیمار کو ویسے بھی چھوٹ ہے۔ آپ لیٹ جائیں تھوڑی دیر، میں تب تک آپ کے لیے چائے بنالاتی ہوں۔" ماہا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دادو جن کا نام زرینہ بیگم تھا اپنے بیٹے بہو اور دو عدد پوتیوں ماہا اور زویا کے ساتھ ضلع اٹک کے ایک قصبے نما گاؤں میں آباد تھیں۔ زرینہ بیگم کے گھرانے کی زندگی ویسے تو بہت پرسکون تھی لیکن زرینہ بیگم اپنی بہو کی کنجوسی کی وجہ سے سخت نالاں رہتی تھیں کیونکہ انہیں اچھا کھانے پینے کا بہت شوق تھا لیکن ان کی بہو جس کا نام رخسانہ تھا انتہا کی کنجوس تھی۔ کھانا بنانے کے معاملے میں بھی انتہائی کنجوسی سے کام لیتی۔ کوشش کرتی کہ کھانا بھی ایک دن بنائے اور دو دن چلے جس کی وجہ سے زرینہ بیگم اور رخسانہ میں شدید قسم کی بحث ہوتی جو بغیر کسی نتیجے کے اختتام پذیر ہو جاتی۔

"ماہا! کیا سوچ رہی ہو؟" زویا نے کب سے سوچ میں گھری ماہا سے پوچھا

"یار زویا! میں بہت پریشان ہوں۔ عید میں صرف چند دن رہ گئے ہیں اور میں نے دادو سے وعدہ کیا ہے کہ اس عید پر میں انہیں اُن کا پسندیدہ دیسی گھی میں بنا حلوہ کھلاؤں گی اور امی کا تمہیں پتا ہے نا، دیسی گھی کا سن کے ہی انہوں نے بے ہوش ہو جانا ہے۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ تمہاری اور میری پاکٹ منی ملا کے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔" زویا نے کہا۔

"پر امی بنا کے دیں گی تب نا حد ہے۔ ویسے اتنی چھوٹی سی بات کے لیے ہم ایسے پریشان ہیں جیسے کہ کے ٹو سر کرنا ہے اور یہ صرف ہماری امی کی وجہ سے ہے، اتنی مجھے شرمندگی ہوتی ہے ناں جب لوگ ہمارے منہ پہ ہماری ماں کے کنجوسی کے قصے بیان کرتے ہیں اور یہ بھی تو دیکھو ہماری امی کو اس بات کا ذرا احساس نہیں ہے کہ وہ بابا کی ماں ہیں۔ ہماری بڑی ہیں، وہ ہمیشہ جب بھی کوئی خواہش کرتی ہیں کہ آج یہ پکایا جائے۔ امی اُن کی بات رد کر دیتی ہیں اور بابا بھی کچھ نہیں کہتے۔ وہ یہ بھول چکے ہیں یہ وہی ماں ہے جو اُن کی ہر خواہش پوری کرتی تھی۔ اب یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ جس طرح ہمارے بڑے ہماری چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو پورا کرنے میں ہلکان ہوتے تھے، ہم بھی اسی طرح اُن کی خواہشات کو پورا

Scanned with CamScanner

کریں۔ مجھے شرمندگی ہوتی ہے کہ یہ ہمارے والدین ہیں، ماں باپ کو تو بچوں کا آئیڈیل ہونا چاہئے نہ کہ ایسے ہوں کہ اولاد کو شرمندگی ہو۔" ماہا روہانسی ہو کے بولی۔

"اچھا تم پریشان نہ ہو۔" زویا نے ماہا کو تسلی دی وہ اپنی حساس بہن کو اچھے سے جانتی تھی جو باتیں دوسروں کے لیے معمولی تھیں وہ ماہا کے لیے ہرگز بھی معمولی نہ تھیں۔

☆☆☆

آج انتیسواں روزہ تھا امید تھی کہ آج عید کا چاند نظر آ جائے گا اور ماہا بے چاری کا پریشانی سے برا حال تھا وہ حلوے کے لیے دیسی گھی لے آئی تھی اور اپنی الماری میں چھپا دیا تھا پر مسئلہ یہ تھا کہ پکائے گا کون، رخسانہ نے تو اتنے خرچ کا سنتے ہی واویلا مچا دینا تھا۔ پورا دن اللہ پاک سے دعائیں کرتی رہی۔ دادو کی یہ چھوٹی سی خوشی پوری ہو جائے۔

افطار اور مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر ماہا اور زویا دادو کو لے کے چھت پر چلی گئیں کہ آج دادو کے ساتھ مل کر عید کا چاند تلاش کریں گی۔ کچھ دیر بعد ہی گلیوں میں شور کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ زویا اور ماہا کو بھی عید کا چاند نظر آ گیا تھا۔ وہ دادو کے ساتھ مل کے چھت سے ارد گرد کی رونقیں دیکھتی رہیں،

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دادو کو دیسی گھی میں سوجی بھوننے کی خوشبو محسوس ہوئی۔

"ارے یہ حلوہ کون بنا رہا ہے بڑی اچھی خوشبو آ رہی ہے" دادو نے کہا۔

دادو کی بات سنتے ہی ماہا کو فکر نے آ گھیرا کہ ابھی اسے بھی ماں کی منتیں کر کے اور بے عزتی کروا کے حلوہ پکوانا تھا لیکن جیسے ہی وہ لوگ نیچے آئے تو حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ سامنے ہی کچن میں رخسانہ بڑی سی کڑاہی چڑھائے حلوہ بنانے میں مصروف تھیں اور جو خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں، وہ ان کے اپنے ہی کچن سے اٹھ رہی تھیں، تینوں کو ہی اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ارے رخسانہ خیر تو ہے نا طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمھاری کہیں بخار تو نہیں چڑھ گیا دماغ کو۔" دادو نے رخسانہ کا ماتھا چھوتے ہوئے کہا۔

رخسانہ جھینپ کے ہنس دیں "اچھا ناں اماں اب شرمندہ نہ کریں میں نے سوچا آپ ہر عید پہ کہتی ہیں اس دفعہ آپ کی یہ چھوٹی سی خوشی پوری کر ہی دوں اور ویسے بھی ماں باپ کو ایسا ہونا چاہیے کہ ان کے بچے فخر محسوس کریں نہ کہ شرمندگی۔" وہ ماہا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

دادو تو ایک دم ہی خوش ہو گئی تھیں اور ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے وضو کرنے چل دیں۔

"امی میری بات کا یہ بالکل مطلب نہیں تھا۔" دادو کے جاتے ہی ماہا شرمندہ ہوتے ہوئے بولی اسے سمجھ میں آ گئی تھی کہ رخسانہ نے اُس کی باتیں سن لی تھیں۔

"ارے تم کیوں شرمندہ ہو رہی ہو، مجھے تو فخر ہے کہ میری بیٹی اتنی سمجھ دار اور اچھی ہے تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں ماہا! اُس دن اگر میں تم لوگوں کی باتیں نہ سنتی تو مجھے بھی اپنی غلطی کا احساس نہ ہوتا۔" رخسانہ ماہا کو پیار کرتے ہوئے بولیں۔

"اور ابھی تم دونوں بھی میرا ہاتھ بٹاؤ، کل عید کے مینو میں میں نے بہت کچھ بنانا ہے۔ ابھی تیاری کریں گے تو ہی کل کا زبردست سا لنچ تیار ہو سکے گا نا۔" یہ سنتے ہی ماہا اور زویا خوشگوار حیرت میں گھر گئی تھیں۔

"اور ہاں یاد آیا ماہا! وہ جو تمہاری الماری میں دیسی گھی کا ڈبہ پڑا ہے ناں وہ جدھر سے لائی تھیں واپس کر آنا۔ وہ خالص دیسی گھی نہیں ہے۔" رخسانہ نے ہنستے ہوئے ماہا سے کہا

ماہا ایک دم سے شرمندہ ہوتے ہوئے ہنس دی تھی۔ وہ خوش تھی کیونکہ یہ عید اُس کے گھر میں ایک بہت بڑی اور خوش گوار تبدیلی لے کر آئی تھی۔ یہ عید تو واقعی ان سب کو یاد رہ جانے والی تھی۔

☆☆

دانیہ سمیع

فراڈیے

digest.library.com

"چل جلدی کر......" رفعت نے بڑے سلیقے سے ٹرے رملہ کی جانب بڑھائی۔

"اچھا ناں، ذرا صبر تو کرو......"

رملہ نے اپنے سر پر اچھی طرح دوپٹہ سیٹ کیا اور آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

"ٹھیک لگ رہی ہوں ناں۔" اس نے رفعت سے پوچھا۔ یہ جملہ کوئی اس نے پانچویں بار دہرایا تھا۔

"ہاں ہاں بڑی سوہنی لگ رہی ہے۔ میری رملہ رانی۔"

رملہ نے ٹرے تھامی اور سامنے والوں کے گیٹ کی جانب چلی۔ ابھی انہیں اس محلے میں آئے ہفتہ ہی ہوا تھا۔ ان کے طور طریقے بظاہر تو بڑے رعب داب والے تھے اور سب سے بڑی بات ایک ہینڈسم سا جوان بھی، جو ہر صبح اپنی موٹر بائیک بڑی شان سے نکالتا تھا۔ بس یہ ہی دیکھ کر رفعت کا دل اس پر آ گیا تھا۔ رملہ کے ساتھ اس کی جوڑی کیا خوب جچے گی۔

رملہ اس کی سب سے چھوٹی بہن تھی۔ کسی اچھے رشتے کی تلاش میں اس کی عمر تیس سال ہونے والی تھی۔ اس کے تو ہاتھ پیر پھول جاتے تھے اس کا سوچ سوچ کر رفعت سب سے بڑی بہن تھی، اس کے دونوں بچے بھی اب گیارہویں بارہویں میں آ چکے تھے، رملہ اس سے سات برس چھوٹی تھی۔ نئے لوگوں کی آمد نے اور خاص کر اس ہینڈسم نوجوان نے اس کے دل میں رملہ کی شادی کا خیال جگایا اور یوں اس نے جھٹ رملہ کو اپنے گھر کچھ دن کے لیے بلوا لیا تھا۔

وہ بے چینی سے اس کی آمد کی منتظر تھی۔ صبح ہی اس نے پلاؤ کی یخنی تیار کر لی تھی اور اب بڑے اہتمام سے ٹرے سجا کر نتیجے کی منتظر تھی۔ ڈور بیل پر پلٹی تو رملہ کا خوشی سے تمتماتا چہرہ دیکھ کر دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"باجی! بڑے اچھے لوگ ہیں۔ اتنے بڑے گھر میں ایک اکیلی اماں جی تھیں مجھے اتنی محبت سے اپنے پاس بٹھایا اور اتنی دیر تک میرے بارے میں پوچھتی رہیں۔" رملہ کی آنکھوں میں حیا کے رنگ تھے۔

"سچ۔ مطلب ہماری محنت رنگ لائی ہے میں تو پہلے ہی امی سے کہہ رہی تھی کہ دیکھنا میری رملہ کے لیے کیسے آسمان سے شہزادہ اترتا ہے اور دیکھ ہوا ناں ایسا۔"

"باجی اس کا کیا مطلب ہوا ویسے۔" وہ جانتے ہوئے بھی انجان بننے کی فضول اداکاری کر رہی تھی پر اس وقت رفعت کو اپنی بہن پر پیار آ رہا تھا' بس جھٹ اس کی بلائیں لیں اور بولی۔

"تو تو بدھو ہے رملہ، جب کسی جوان لڑکے کی ماں کسی لڑکی سے اس کی پوچھ گچھ کرے تو جان لے کہ اسے وہ لڑکی اپنے بیٹے کے لیے پسند آ گئی ہے اور ان کو بھی تو اچھی لگی ہے۔"

رملہ نے شرم سے سر جھکا لیا۔

☆☆☆

پورے ہفتے رفعت اچھے اچھے پکوان بنا کر کبھی رملہ کے ہاتھ کبھی خود بھی دے آتی۔ اس پورے دو مرلہ کے گھر میں بس دو جان ہی رہتی تھیں۔ ایک کام والی کام کرنے آ جاتی تھی۔ اماں جی کی دو بیٹیاں بیرون ملک رہتی تھیں۔ ان کا اپنا گھر بحریہ ٹاؤن میں تھا پر شہر سے دور ہونے کے باعث ان کے بیٹے کو دور

...بورا اسے کرائے پر چڑھا کر اندرون شہر کرائے پر لیا تھا۔

ان کے بیٹے کا اپنا بزنس تھا، امپورٹ ایکسپورٹ کا، رفعت کے لیے تو یہ ہی کافی تھا کہ اماں جی کا رجحان رملہ کی طرف ہے۔ سب کچھ تو اچھا نظر آرہا تھا۔ اچھا گھر ہینڈسم لڑکا چھوٹی فیملی پھر اور کیا چاہیے ہوتا ہے لڑکی والوں کو۔ امی بھی رفعت کی بتائی باتوں پر مطمئن تھے کہ بڑی بہن بھی ماں جیسی ہوتی ہے۔

''کیسی باتیں کرتی ہو، رفعت، ابھی انہیں آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور تم شادی بیاہ کا سوچ رہی ہو۔''

نعمان نے سنتے ہی اعتراض اٹھایا تھا اور رفعت کا منہ بن گیا۔

"تو اور کیسے رشتے ہوتے ہیں جی۔"
"خاندان کا پتا ہے تمہیں، پیچھے سے کیا ہے کون لوگ ہیں اور تم۔"
"تو اور کیسے پتا کرنا ہے بتایا تو ہے آپ کو اماں جی نے خود بتایا ہے کہ بلکہ میری خود کئی بار اسامہ سے بات ہوئی ہے بڑا ہنس مکھ لڑکا ہے...... آپ کو تو بس سوال کرنے ہیں۔"
رفعت کا موڈ خراب دیکھ کر نعمان چپ ہو رہا وہ رشتے میں اس کی دور کی خالہ زاد تھی پر شادی سے پہلے اس کی ماں نے رفعت کے گھر کے کتنے چکر لگائے تھے، تب کہیں جا کر رشتہ ڈالا تھا اور یہاں تو گویا ہتھیلی پہ سرسوں جمائے جا رہی تھی۔
"بہر حال رملہ میری بھی چھوٹی بہن ہے بوجھ نہیں ہے وہ۔"
وہ کہہ کر چلتا بنا اور رفعت دیر تک اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔

☆☆☆

سب کچھ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا اماں جی نے دبے لفظوں اسامہ کے لیے رملہ کی بات کی تھی مانو اس کا تو سیروں خون بڑھ گیا تھا۔ اس نے جھٹ امی کو فون لگایا تھا۔ انہیں رملہ کی عمر پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا اسامہ رملہ کے ساتھ کا ہی تھا، یا ایک دو سال بڑا پر سب خوش تھے، نعمان بھی خود کو لعنت ملامت کر رہا تھا وہ دل سے رملہ کے لیے اچھا چاہتا تھا اور اس کے لیے کچھ لوگوں سے بات بھی کی تھی۔
اتوار کا دن تھا سب چھٹی کے مزے لیتے اپنے گھروں میں دیر تک سو رہے تھے تب ہی شور کی آوازیں ہی ابھری تھیں۔ بند دروازہ میں اس کے کان سننے کے قابل ہی کہاں تھے۔ نیند کا بھی زور تھا پھر چھٹی کے دن نعمان سب کے لیے باہر سے ناشتہ لے کر آتا تھا تو لہٰذا چھٹی ہی چھٹی تھی۔
"ارے کچھ سنا تم نے۔" نعمان باورچی خانے میں ناشتے کا سامان رکھ کر اس کی جانب لپکا تھا جو باہر بیسن پر کھڑی منہ دھو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔
"کیا ہوا اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں۔"
اس نے پانی کے چھپاکے منہ پر مارے۔
"سامنے پولیس آئی تھی۔" نعمان کے الفاظ تھے کہ کرنٹ وہ پلٹی۔
"کدھر!" آنکھیں حیرت سے پھٹیں۔
"اسامہ کے گھر۔"
رفعت کا دل جیسے بند ہونے کو تھا۔ دیوار کا سہارا لیا۔
"اس کے سالے پولیس لے کر آئے تھے اس نے اور اس کی ماں نے اپنی بیوی کو جلانے کی کوششیں کی تھی ایک بچی کی ماں کو۔"
"سالے...... بیوی، بچی......" آسمان گول گول سا گھوم رہا تھا۔
"مجھے تو پہلے ہی شک تھا پر تم نہ مانتی تھیں، ایسے کھڑے کھڑے رشتے ہوتے ہیں بھلا...... شکر کرو اپنی رملہ بچ گئی خانیوال سے فرار ہو کر لاہور آئے تھے دونوں فراڈی، سال بھر سے اس کے سالے پیچھے لگے تھے پولیس کہاں کھوج لگاتی ہے، بہنوں کے بھائی ہی بن جاتے ہیں رکھوالے اور دیکھو مظلوم کی پکڑ میں آ گئے...... پہلے بھی ایک لڑکی کی زندگی خراب کر چکے ہیں وہ بدبخت۔"
نعمان بولے جا رہا تھا اور رفعت کو چکر آ رہے تھے قریب تھا کہ وہ گر ہی جاتی کہ نعمان نے اسے تھام لیا اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ "ہائے میری رملہ۔"
"ارے رفعت" نعمان نے اسے پکارا پر وہ اپنے ہوش میں کب تھی بہن کے رشتے کے ٹوٹنے کا غم کتنا بھاری ہوتا ہے، نعمان کو اندازہ تھا پر ان فراڈیوں کی گرم گرم خبر نے اسے وہ اچھی خبر سنانے سے باز رکھا تھا۔ صبح ہی صبح اس کے ساتھی فوزان کا فون آیا تھا وہ آج شام رملہ کے رشتے کے سلسلے میں آ رہے ہیں انہیں رملہ پسند آئی تھی۔

☆☆

صدف عمر

روشنی سامنے تھی

digest library.com

فضا ساکت تھی۔ کالونی میں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رونقیں اب گھروں تک محدود ہو چکی تھیں۔ اذان مغرب میں کچھ وقت ہی رہ گیا تھا۔

''افطار کے انتظار میں وہ سب دسترخوان پر براجمان ہوں گے۔''

اس نے اپنے سامنے لش گرین گیٹ کو دیکھتے سوچا۔ اسے ابو کے الفاظ یاد آ گئے تھے۔ گیٹ سامنے تھا۔ وہی گیٹ جس سے وہ بڑے غصہ و زعم سے نکلا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ دوبارہ ''یہاں'' نہیں آئے گا۔ کم از کم خود سے تو نہیں۔ جب تک ''وہ'' لوگ اسے منانے نہیں آتے۔ شاید تب۔ تب بھی اس کا زعم۔ اس کی ''انا'' اسے یوں جھکنے نہ دیتی مگر آج جب کہ وہ یہاں کھڑا تھا تو اسے احساس ہو چکا تھا کہ محبت صرف لینے کا ہی تو نام نہیں۔ وہ تو تھوڑی سی عنایت کے بدلے میں بھی سب کچھ دان دے دیتی ہے۔ بغیر طمع کے بغیر واپسی کے تقاضے کے۔

رشتے نبھانا بھی ایک فن ہے اور وہ آج تک اس فن سے نا آشنا ہی رہا۔ ''غزل'' کی باتیں سن کر اس نے اپنا موازنہ کیا تو وہ اسے کہیں بلندی پر نظر آئی۔ غلطی کہاں پر ہوئی تھی رستہ کہاں چوکا تھا؟ وہ جان گیا تھا اور جب جان گیا تو مردوں کی طرح بہادری سے اعتراف کرنے آیا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ شور سے کھلی تھی۔ تکیہ سر پر رکھ کر دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر بے سود، آوازیں تھیں کہ بڑھتی ہی چلی جارہی تھیں، کچھ دیر تو وہ نظر انداز کیے پڑا رہا پھر تکیہ پٹخ کر اٹھ بیٹھا۔

اتوار کا دن تھا اور اس کا ارادہ دیر تک سونے کا تھا مگر اس گھر میں یہ ناممکن تھا۔ کچھ غصے سے اٹھا اور کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھول کر بالکنی سے نیچے جھانکا۔ صحن میں بنٹی، فیری، ببلو اور مانی شور مچاتے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ سنان اور منان بھی کسی سے کم نہیں تھے وہ سائیکلیں دوڑائے پھر رہے تھے اور محترم خواتین، اس شور شرابے میں یوں اطمینان سے بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں جیسے شور نہ ہو بیک گراؤنڈ میوزک ہو۔ اس کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

''چپ۔ خاموش ہو جاؤ تم لوگ......'' اوپر سے دھاڑا گیا۔ بچے ڈر کر رک گئے۔ سر اٹھا کر دیکھا تو وہ کھڑا خشمگیں نگاہوں سے انہیں ہی گھور رہا تھا۔

''خبردار جو اب کسی کی آواز آئی تو۔ بچے ہو یا جنگلی۔ ذرا تمیز و تہذیب نہیں ہے تم لوگوں میں......''

خوب اچھی طرح انہیں ڈانٹا، آپیوں کو نظر انداز کرتا وہ واپس مڑ گیا۔ دروازہ زوردار آواز سے بند ہونے کی آواز پر دونوں نے سوالیہ نظروں سے گھر کی خواتین کو دیکھا۔

''اسے کیا ہوا ہے تائی امی! نہ دعا نہ سلام۔ الٹا کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔'' تانیہ آپی کو شدید برا لگا تھا۔

''چھوڑو تم! بیٹا! اس کا تو لگتا ہے دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' تائی خود اس کے رویے پر شرمندہ تھیں۔

''مگر پھر بھی کچھ پتا تو چلے نا۔'' حسنہ آپی نے بھی ماں سے پوچھا۔ آج اتوار تھا سو دونوں کا میکے کا ٹور بھی باہمی پلان کر کے بنا تھا۔ دونوں ہم عمر تھیں پھر دوستی بھی خوب تھی سو اکثر پروگرام بنا کر اکٹھے آیا کرتیں۔ وہ اکھڑ مزاج ضرور تھا مگر اتنا بداخلاق تو کبھی نہیں رہا۔

مکمل ناول

Scanned with CamScanner

"بس بھی کرو تم دونوں بچہ ہے۔ آج کل کام کا لوڈ بھی زیادہ ہے۔ نیند خراب ہوئی ہوگی۔ چلو بچو...... تم سب اندر جا کر کارٹون لگالو۔ چاندنی ان کے لیے فرائز بناؤ۔" رفعت تائی نے بات سنبھالی۔ بچوں کو اندر بھگایا۔ چاندنی کو ہدایت دی۔ وہ سب اچھلتے کودتے اندر بھاگ گئے۔ دونوں آپیوں کے منہ لٹک گئے۔ خوب سمجھ گئی کہ ٹالا گیا ہے۔ اب نیند دوبارہ کس کافر کو آنی تھی۔ کتنی دیر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد وہ جھنجلا کر اٹھ بیٹھا۔ گھڑی دیکھی تو وہ سوا گیارہ بج رہے تھے۔

"تف ہے تم پر وجدان مصطفیٰ! ایک گھنٹہ فضول کروٹیں بدلنے میں ضائع کر دیا تم نے۔"

کمفرٹ دور اچھال کر وہ فریش ہونے واش روم میں گھس گیا۔ نیچے آیا تو ہال کمرے سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ نظر انداز کرتا سیدھا کچن میں چلا آیا۔ چاندنی بیٹھی سبزیاں کاٹ رہی تھی۔ چولہوں پر بڑے بڑے پتیلے چڑھے ہوئے تھے۔ کچن میں پھیلی اشتہا انگیز خوشبوئیں بتارہی تھیں کہ ٹھیک ٹھاک دعوت کی تیاری ہے۔ ہانیہ اور بیا بھی وہیں تھیں۔

"مجھے ناشتہ بنادو بیا۔" آرڈر دے کر وہ ہال کمرے میں چلا آیا۔ اسے اندر آتے دیکھ بچے بڑے ادب سے بیٹھ گئے۔ سلام کے جواب میں حسنہ آپی نے تو خوب ہی لتے لیے۔

"آ گیا دعا سلام کا خیال......؟ صبح تو کاٹ کھانے کو دوڑ رہے تھے تم۔ بڑی بہنوں کے آنے کی خوشی کیا ہی ہوگی۔ الٹا جناب کے مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔"

"سوری آپی۔ دراصل سر میں درد تھا میرے۔ رات بھی لیٹ سویا تھا۔ بس اسی لیے شور شرابے سے ڈسٹرب ہو گیا تھا۔" الفاظ کے برعکس لہجے اور چہرے پر کوئی شرمندگی نہ تھی جیسے ایک فارمیلیٹی نبھا رہا ہو۔ حسنہ اور تائی امی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ناشتہ بنواؤں تمہارے لیے......" جہاں آرا نے اسے دیکھا صاحبزادے روٹھے ہوئے سے لگ رہے تھے۔

"کہہ آیا ہوں بیا سے۔ شکریہ۔" پھر موبائل نکال کر وہ اس میں مصروف ہو گیا۔ اس کی اتنی سرد مہری پر سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔ بیا ناشتے کی ٹرے لے آئی۔ چائے پینے کے دوران بھی وہ موبائل پر ہی مصروف رہا۔ بچے کب تک ٹک کر بیٹھتے چپکے چپکے وہاں سے کھسک لیے۔

"امی اپیا بتا رہی تھی کہ سونیا آنٹی کی بیٹی بھی آئی تھی۔" "ہاں......" وہ نجانے کہاں کھوئی ہوئی تھیں۔

"کیسی ہے وہ...... لڑکیاں تو بتا رہی ہیں کہ بڑی طرح دار اور خوب صورت ہے۔" ان کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"خوب صورت تو بہت ہے مگر اس میں زیادہ کمال اس کے پارلر کا بھی ہوگا جہاں باقاعدگی سے جاتی ہوگی۔" اندر آتی بھابھی نے مسکراتے ہوئے رائے دی۔ وجدان نے کچھ کوفت و اکتاہٹ سے جملہ خواتین کو دیکھا۔

"بھئی سونیا تو خود بھی سولہ برس کی سمجھتی ہے خود کو۔ کیا ماں۔ کیا بیٹی دونوں ہی ایک دوسرے کے مقابلے میں تیار ہوئی تھیں۔"

رفعت تائی کو سونیا کے انداز یاد آئے تو لہجے میں ناگواری آ گئی۔ وجدان نے چائے کا کپ پٹخا۔ جہاں آرا بیٹے کے انداز پہچان رہی تھیں۔ انہوں نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"بھئی ہمیں کیا۔ وہ جو کرتی پھرے جیسی رہے۔"

"ہمیں کیا ہے کا کیا مطلب ہے آپا آپ کا۔ اس کے انداز دیکھے نہیں تھے آپ نے؟ اتنے برسوں بعد دوبارہ واپس آئی ہے تو بیٹی کو ہتھیاروں سے لیس کر کے لائی ہے۔ نجانے اب کس پر نظر کرم ہو گی اس کی۔" رفعت ان کی واپسی پر خوش نہ تھی۔

"آپ کیوں فکر کرتی ہیں بھابھی...... بھائی صاحب کی عمر گزر چکی اور رہ گیا ساگر وہ تو پہلے سے بک ہے۔ البتہ وجدان کی خیر منانا چاہیے۔" پھپھی نے انہیں چھیڑا۔ وجدان جو اب تک بڑے ضبط سے بیٹھا تھا۔ اچانک کھڑا ہو گیا۔ وہ جس طرح ناگواری و غصے سے گیا تھا۔ جہاں آرا مزید رنجیدہ ہو گئیں۔ جانتی تھیں اسے کیوں غصہ آ رہا تھا۔

digest library.com

☆☆☆

آج کل کے افراتفری اور نفسانفسی کے دور میں بھی یہ گھر محبتوں کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔ مصطفیٰ ہمدانی مرتضیٰ ہمدانی اور ولی تینوں بھائی اپنے خاندانوں کے ساتھ محبت و یگانگت کے ساتھ کئی سالوں سے یہاں آباد تھے۔ اس گھر کو مضبوطی سے جوڑے رکھنے میں مصطفیٰ ہمدانی تایا ابو اور تائی جہاں آرا کا بہت اہم اور مرکزی کردار تھا جہاں سب کے لیے چھتنار اور سایہ دار درخت کی مانند تھے وہاں باقی سب نے بھی ان کی تعظیم و تکریم میں کبھی کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔

جہاں آرا نے ہمیشہ سب کو اہمیت دی تھی تو مصطفیٰ ہمدانی نے والدین کے بعد ان کا کردار بخوبی نبھایا تھا۔ مصطفیٰ صاحب کے چار بچے تھے۔ بڑے ریحان تھے پھر ان سے چھوٹی حسنہ آپی، ریحان کی شادی ہو چکی تھی اور موصوف خیر سے تین عدد ہونہار سپوتوں کے والد محترم تھے ان کی بیوی سمیہ بھابھی جو کہ ان کی خالہ زاد بھی تھیں نہایت خوش مزاج لیکن ست الوجود عورت تھیں۔ سات سالوں میں تین نمونوں کے بعد، پھیل کر مزید ڈھیلی ہو گئی تھیں پھر حسنہ آپی تھیں جو کہ خیر سے اپنے گھر کی تھیں ان کے بھی دو عدد نمونے تھے۔

مرتضیٰ چچا کی ثانیہ ان کی ہم عمر ہی تھیں ان کی بھی شادی خانہ آبادی ہو چکی تھی۔ تیسرے نمبر پر تھے۔ ذرا سا اکھڑ اور کچھ بد دماغ سے وجدان مصطفیٰ۔ جن کے ماتھے پر بل آج کل کچھ زیادہ ہی رہنے لگے تھے۔

اس کو برداشت کرنے کا حوصلہ صرف سائر میں تھا جو ثانیہ سے چھوٹا تھا۔ بزعم خود "بیسٹ بڈی آف وجدان مصطفیٰ"، وجدان سے چھوٹی بیا تھی۔ سائر کے بعد ہانیہ اور مونا تھیں۔ ولی چچا چونکہ سب سے چھوٹے تھے سو چچی کو اکثر یہ گلہ رہتا۔ انہیں چھوٹا سمجھ کر سب نے چچی پر ہی ظلم کیا ہے جو اب تک بڑے ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

چچی کے تین بچے تھے علی، احمد اور عائزہ...... علی میٹرک میں تھا۔ احمد آٹھویں گریڈ اور عائزہ ابھی گیارہ سال کی تھی۔ وہ کھلنڈری سی من موجی سی تھی۔

یہ ایک مالی لحاظ سے خوشحال اور مضبوط گھرانہ تھا مگر اپنی روایات کو مضبوطی سے تھامے محبتوں اور مروت کی ڈور میں بندھا ہوا بھی۔

☆☆☆

جب دل ہی ٹوٹ گیا۔
ہم جی کے کیا کریں گے۔

وہ اس وقت آفس میں تھا اسے چڑانے کو گاتا سائر اسے سخت زہر لگا۔

"بکواس بند کروا بھی۔"

"اوکے...... پھر یہ کیسا رہے گا؟ اے کاتب تقدیر مجھے اتنا بتا دے۔ کیوں مجھ سے خفا ہے تو، کیا میں نے کیا ہے۔ کیا میں نے کیا ہے؟ کیا میں نے کیا ہے؟ کیوں مجھ سے خفا ہے تو۔" وہ لمبے لمبے سر کھینچے جا رہا تھا۔ وجدان نے غصے سے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"حصے میں سب کی آئی ہیں، رنگین بہاریں "بد بختیاں" لیکن مجھے پیچھے سے پکاریں۔"

"ول یو شٹ اپ...... یا بلاؤں پیون کو تمہیں دھکے دے کر باہر نکالے......" اس کے تیور دیکھتا سائر بے ساختہ ہنسنے لگا۔ جانتا تھا کہ وہ یہ بھی کر گزرے گا۔

"میں تو تمہارا کتھارسس کرنا چاہ رہا ہوں۔"

اس نے معصومیت سے دانت نکالے۔

"کتھارسس کے بجائے میرا بلڈ پریشر بڑھا رہے ہو تم۔"

"اس کام کے لیے تو آپ کی ! منظور نظر کافی ہے۔"

"لینگویج پلیز......" اسے برا لگا۔

"سوری...... محترمہ بھابھی بیگم صاحبہ المعروف غزل" وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔ اس نے فون کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کے تیور دیکھتا سائر فوراً مودب ہو کر بیٹھا۔

"اوکے اوکے...... اب کوئی مذاق نہیں...... میں سنجیدہ ہوں۔"

وجدان سر جھٹکتا پھر سے لیپ ٹاپ پر مصروف

Scanned with CamScanner

ہو گیا۔

''کیا کہا تائی جان نے پھر......؟'' کچھ دیر کے بعد زبان میں سے پھر کھجلی ہوئی۔

''کچھ نہیں۔''

''مطلب......ان کا لخت جگر سر پر سہرا سجانا چاہتا ہے۔ اور وہ چڑھنے کو گھوڑی فراہم کرنے کو تیار نہیں۔'' وہ اسے نظر انداز کرتا یونہی چپ چاپ کام کرتا رہا۔

''ویسے جناب نے یہ بھی جاننے کی کوشش کی ہے کہ دوسری پارٹی کا انٹرسٹ اس ''ڈیل'' میں کتنا ہے؟''

''تالی بھی ایک ہاتھ سے بجی ہے......؟'' اس کا جواب واضح تھا وہ اوہ کے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

''یعنی کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی ہے آہم م م م م ......ویسے تائی جان کو اعتراض کیا ہے۔ بلکہ کس پر ہے......؟''

وجدان خود بہت ڈپریس اور الجھا ہوا تھا۔

جہاں آرا بہت نرم مزاج کی متحمل خاتون تھیں مگر اس معاملے میں ان کا ردعمل بہت مختلف اور سخت قسم کا تھا۔ اسے ان کا دوٹوک انداز یاد آیا تھا۔ وہ کرسی سے ٹیک لگاتا بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔

''والدہ کو اعتراض ان کے اور ہمارے گھرانے کے مختلف رہن سہن پر ہے۔ اس کا ماڈ ہونا ان ہی بے بنیاد خدشوں میں گھیر رہا ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ غزل ہماری فیملی میں ایڈجسٹ نہیں کر سکے گی بلکہ شاید ہمارے ماحول اور روایات کو خراب کر دے گی۔'' آخر میں اس کا لہجہ ذرا تلخ ہو گیا۔

''لیکن یہ تو کوئی سولڈ ریزن نہیں ہیں۔ لگتا ہے پس پردہ بات کچھ اور ہے۔ ورنہ تومی بھابھی بھی شادی سے پہلے کتنی ماڈرن اور فیشن ایبل ہوا کرتی تھیں اب دیکھو تو مہینوں بالوں بھی کنگھی نہیں کرتیں۔'' اس نے مبالغے کی حد کر دی۔

''یہی تو میں سمجھ نہیں پا رہا۔ امی، ابو مجھ سے بات کرنے کو تیار نہیں، اگر ایسا ہی رہا تو یہ معاملہ آگے کیسے بڑھے گا۔'' سائر کچھ دیر سوچتا رہا۔

''تم یوں کیوں نہیں کرتے کہ ریحان بھائی سے بات کرو وہ خود تایا ابو سے بات کر لیں گے۔ دیکھو ان کی کیا رائے ہے۔ اگر تمہاری رضا و خوشی اس میں ہے تو مجھے یقین ہے تایا ابو تائی جان کو قائل کر لیں گے۔'' سائر کا مشورہ اچھا تھا وہ سوچ میں پڑ گیا۔

یہ سارا معاملہ اس دن شروع ہوا تھا جب سونیا آنٹی ان کے شہر میں دوبارہ سے شفٹ ہوئی تھیں۔ وہ ابو کی رشتے میں کزن تھیں، پہلے وہ اسلام آباد میں ہوتی تھیں مگر شوہر کے انتقال کے بعد وہ اپنے آبائی شہر لوٹ آئیں۔ غزل ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ بہت خوب صورت، طرح دار۔ وہ ان کے گھر اب تک دو مرتبہ آ چکی تھی اور وہ تو وجدان کو پہلی مرتبہ ہی ایک ہی نظر میں ہی بہت منفرد سی لگی تھی اپنے گھر کی باقی لڑکیوں سے قطعی مختلف، نسبتاً زیادہ ذہین۔ اپ ٹو ڈیٹ اور پراعتماد سی۔ کہتے ہیں ناکہ گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے تو گھر کی لڑکیوں کی اہمیت بھی دال برابر ہی تھی۔

حالانکہ مونا، بیا، ہانیہ تینوں یونی ورسٹی میں پڑھتی تھیں خوب صورت بھی تھیں، مگر ان میں وہ طرح داری نہ تھی جو غزل میں دکھ رہی تھی۔ اس کا سریلا لہجہ گفتگو کا پر اعتماد انداز۔ مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا۔ اس کا حلیہ، شاندار ڈریسنگ سینس، وجدان جو پہلے ہی گھر کے ہنگاموں، شور شرابے سے عاجز تھا۔ سونیا آنٹی کے ہاں کے ایک دو چکر میں ان کا خوب صورت، صاف ستھرا پرسکون گھر دیکھ کر مزید متاثر ہو گیا۔

حالانکہ ہمدانی ولا، ان کے گھر کے مقابلے میں زیادہ بڑا اور خوب صورت بنا ہوا تھا مگر یہاں ہر وقت ایک افراتفری اور جنگ کا سماں رہتا۔ سنان، افنان اور حنان بھائی کے تینوں بیٹوں کے کھلونے۔ بیٹ بال سارے صحن میں بکھرے رہتے اور اگر وہ لاؤنج میں ہوتے تو وہ غدر مچتا کہ الامان۔ اسنیکس کا گند۔ صوفے کے کشنز فرائز کے ٹکڑے غرض ذرا بھی تمیز طریقہ بھابھی نے نہیں سکھایا تھا۔ کہنے کو وہ اس کی سگی خالہ زاد تھیں مگر انتہائی پھوہڑ اور بے سلیقہ۔ یہ اس کا ذاتی خیال تھا اور اس تک ہی محدود تھا۔ یہ بات نہیں

تھی کہ گھر میں کام والی ماسی نہ تھی جاندی تو شام گئے
گھر جاتی۔ صفائی، کپڑوں کی دھلائی والی الگ سے
تھیں پھر تینوں لڑکیاں بھی یونی ورسٹی سے آ کر مقدور
بھر ہاتھ بٹاتیں مگر ریحان بھائی اور چاچو کے بچے مل
کر بہت پھیلاوا پھیلا دیتے۔

اکثر بے وقت آنے والے مہمانوں کی آمد پر جو صحن
کا حشر نظر آتا، کئی بار وہ خود شرمندہ ہو جایا کرتا تھا۔
ڈرائنگ روم تو اب مستقل مقفل رکھا جانے لگا تھا تاکہ
بچوں کی پہنچ سے دور رہے اور محفوظ بھی۔ ایک کینال پر
بنے گھر میں لان بھی تھا۔ اندر خوب صورت کشادہ صحن
اور طویل راہداریاں تھیں۔ یہ گھر روایت اور جدت کا
امتزاج تھا اگر صحن میں کھلنے والے دروازے بند کر دیے
جاتے تو سارا گھر اندر تک پیک ہو جاتا۔ سردیوں میں وہ
ایسا ہی کرتے اور گرمیوں میں ساری کھڑکیاں دروازے
کھول دیے جاتے تھے تاکہ سارا گھر روشن اور خوب ہوا
دار ہو جائے۔ باہر کی سمت کچن۔ ڈرائنگ روم اور ہال
کمرے کے دروازے کھلتے تھے کچن کا ایک دروازہ اندر
اور پچھلا دروازہ لانڈری کی سائیڈ میں کھلتا تھا۔ کشادہ
خوب صورت کچن تھا۔

اپنے نقشے اور سہولت کی وجہ سے یہ گھر ہر موسم
کے لیے موزوں تھا مگر وجدان اسے پھیلاوا ہاؤس
کہتا۔ جہاں ہر قدم پر کچھ نہ کچھ تو لازمی گرا ملتا ہے۔
اور چلتے وقت کسی نہ کسی چیز سے ٹھوکر لازمی لگتی ہے۔
یہ سب اس کی نفاست پسند طبیعت پر گراں گزرنے لگا
تھا۔ اس لیے وہ سارے سیٹ اپ سے بڑی حد تک
بےزار ہو چکا تھا۔

☆☆☆

جاتی سردیوں کے دن تھے بہار کی آمد آمد تھی۔
ہانیہ کی صرف ایک کلاس تھی سو وہ پوائنٹ لے کر گھر
آ گئی۔ ہیا کو لائبریری میں کام تھا اور مونا کی کلاسز بھی
باقی تھیں۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ صحن میں چلی آ گئی۔
دھلے دھلائے صحن میں کناروں پر بنی کیاریوں اور
گملوں میں ٹہنیاں سبز ہو رہی تھی، تائی اور امی وہیں
بیٹھی سر جوڑے نجانے کون سے مسئلے سلجھا رہی تھیں۔
اسے آتا دیکھ دونوں چپ ہو گئیں۔

"اگر دونوں خواتین کو میری موجودگی میں
راز و نیاز کرنے میں مسئلہ ہے تو میں چلی جاتی ہوں۔"
وہ ہلکی سی شرارت سے کہہ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"نہیں بھئی تم سے کیا مسئلہ ہوگا ہم تو اپنی الجھنوں میں
تھیں۔" جہاں آرا آج کل بہت چپ چپ اور افسردہ رہنے
لگی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی ان کے پہلو میں آ بیٹھی اور محبت
سے بازو ان کے گرد حمائل کر کے تسلی دینے لگی۔

"کیا بات ہے تائی جان...... آپ تو بہت باہمت
اور حوصلے والی ہیں۔ اتنی مایوس لگ رہی ہیں۔ میں تو
اپنی دوستوں کو آپ کی مثال دیتی ہوں کہ جیسی بھی
صورت حال ہو آپ کبھی ناامید نہیں ہوتیں۔"

"مایوس نہیں ہوں بیٹا! بس جب آپ حقیقت کو
بھی چھپانا چاہیں اور سامنے والے کو تکلیف سے بھی
بچانا چاہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے جبکہ
سامنے والا سمجھتا اور سننا بھی گوارا نہ کرتے۔"

"آپا...... دل کیوں چھوٹا کرتی ہیں۔ سب ٹھیک
ہو جائے گا۔" مہناز یقیناً سب جانتی تھیں۔ ان کا ہاتھ
ہاتھوں میں لے کر دلاسا دیا تو وہ پھیکا سا مسکرا دیں،
مہناز ان کی چچازاد تھیں برسوں کا خلوص بھرا ساتھ تھا۔
ہانیہ ادھر ادھر کی باتوں سے انہیں بہلانے لگی۔ بھابھی
اور چھوٹی چچی بھی فارغ ہو کر کینوں کی ٹوکری اٹھائے
ادھر چلی آئیں۔ چھوٹا حسان اپنی ٹوائے کار میں بیٹھا
ادھر سے ادھر گھوم رہا تھا۔ باقی سب چونکہ اس وقت
اسکول میں تھے لہٰذا افراتفری اور بکھراوا نہیں تھا۔
دھوپ گو کہ تیز تھی مگر چلتی ٹھنڈی ہوا بدن کو خوش گوار
لگ رہی تھی۔ وہ بھابھی کی باتیں بغور سنتی ساتھ میں
کینو بھی کھائے جا رہی تھی۔ جب وجدان کی اچانک
ابھرتی کچھ حیرت زدہ کچھ طنزیہ آواز پر بے ساختہ مڑ
کر دیکھنے لگی۔

"واہ۔ آج تو کمال ہو گیا ہے۔ گھر بہت صاف
ستھرا نظر آ رہا ہے۔" اس کے ہاتھ میں نیلے کور کی
فائل تھی۔ یقیناً آفس سے آیا تھا۔

"نہ رستے میں پڑی چیزیں۔ نہ ہی بچوں کا

Scanned with CamScanner

digest library.com

شور......نہ ہی جگہ جگہ پڑا کچرا.....لگتا ہے خواب دیکھ رہا ہوں۔" جہاں آرا نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھا مگر ادھر پروا کسے تھی۔

"کیوں......؟ کیا ہمارے بچے بدتہذیب اور گندے ہیں جو تم یوں کہہ رہے ہو......" ثومی بھابھی بڑے دنوں سے اس کے روّیے اور جملوں کو نظر انداز کررہی تھیں مگر آج ضبط نہ ہوا تو بول گئیں۔

"میرے سر ٹیفکیٹ کی کیا ضرورت ہے، آپ بہتر جانتی ہیں انہیں......" بے نیازی سے کہتا وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔ تائی کا ملال اس کے انداز پر مزید بڑھ گیا۔ ثومی بھابھی نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"دیکھا! آپ نے خالہ جان! کیسے میرے منہ پہ جتا گیا ہے وجدان۔"

"جانے دو ثومی......وہ کوئی دل سے تو نہیں کہہ رہا تھا۔ اس کی عادت کا تو تمہیں علم ہے۔ تم دل برا مت کرو۔" مہناز نے سبھاؤ سے سمجھایا۔

"ہمیشہ سے نہیں تھا وہ ایسے چھوٹی خالہ! پہلے پھر بھی کچھ لحاظ ومروت تھی مگر اب تو بالکل بھی پروا نہیں کرتا۔"

بھابھی سچ کہہ رہی تھیں۔

"چھوڑیے بھابھی! یہ بتایئے کہ حنا کی شادی کے لیے کیا ڈیسائیڈ کیا ہے آپ نے؟"

ہانیہ نے اس بحث کو طوالت سے بچانے کے لیے پھر سے وہی موضوع چھیڑا، جس پر وجدان کے آنے سے پہلے بھابھی اس سے ڈسکس کررہی تھیں اور وہ کامیاب بھی ہو گئی، برا تو اسے بھی لگا تھا وجدان کا یہ انداز مگر مصلحت اسی میں تھی کہ اس وقت اس بات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ وجدان فائل لیے جب واپس جانے کے لیے صحن میں آیا تو حنان اپنی گاڑی سے ٹکر مار کے دو گملے گرا چکا تھا، کینو سے سنے ہاتھ منہ لیے وہ جگہ جگہ ادھ کھائی قاشیں گرانے میں مگن تھا۔ اور بھابھی حسب عادت بے نیازی سے بیٹھی گپ شپ میں مصروف تھیں۔ یہ نہیں کہ بچے پر بھی نظر رکھتیں۔ وجدان ان پر ایک طنزیہ نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا اور اس کی ان طنزیہ نظروں کو کسی اور نے دیکھا ہو یا نہیں

مگر ہانیہ نے شدت سے محسوس کیا اور الجھ سی گئی۔

☆☆☆

اس کے بدلتے تیور جہاں آرا اچھے سے محسوس کررہی تھیں۔ اندر سے قدرے بے چین، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ یہ بات کھلے اور مصطفیٰ صاحب کے کانوں تک بھی جا پہنچے۔ وہ ضدی تھا۔ اس کا انداز ہمیشہ قدرے لیے دیے رہا مگر آج کل وہ جس طرح سے انہیں نظر انداز کررہا تھا وہ ان کے دل کو ٹھیس پہنچا رہا تھا۔

ایک نئی محبت کے پیچھے وہ اپنی ماں کو یوں فراموش کردے گا انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ وجدان ناراض تھا کہ وہ اتنی سختی سے انکار کیوں کررہی تھیں۔ وہ مختلف مزاج کا تھا۔ اس کی سوچیں اس کے آئیڈیل میں کسی کزن ٹائپ کی لڑکی کی گنجائش نہیں تھی۔ غزل میں اسے اپنا آئیڈیل نظر آیا تھا پھر وہ ابو کے کزن کی بیٹی تھی۔ فیملی بھی دیکھی بھالی تھی۔ اعتراض کا بظاہر کوئی پہلو نظر نہیں آرہا تھا۔ سوائے اس کے وہ قدرے ماڈرن تھی۔

اور یہ بھی کوئی ایسا سولڈ جواز یا اعتراض نہیں تھا۔

وہ جہاں آرا سے دوسری بار بھی بات کر چکا تھا مگر ان کی ٹال مٹول اسے اچھی طرح سمجھا گئی تھی کہ وہ یہ نیا پار لگانے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ صرف مہناز یہ بات جانتی تھیں اور جہاں آرا کی خواہش بھی، جو ہانیہ کے حوالے سے تھی مگر یہ سب تو نصیبوں کا کھیل ہے اگر ان کی بیٹی کا نصیب، وجدان سے جڑا ہوگا تو دنیا کی کوئی طاقت بھی یہ ہونے سے نہیں روک سکے گی۔ مگر وہ بے خبر تھیں کہ وجدان ان دنوں کسی اور نہج پر سوچ رہا ہے۔

☆☆☆

وہ دونوں آج آئی ہوئی تھیں پورے گھر میں ایک خوش گوار ہل چل مچی ہوئی تھی۔ آج ویک اینڈ تھا اور بچوں کی ہفتے، اتوار کی چھٹی ہوتی تھی لہٰذا ان کا ادھر ہی رات رکنے کا ارادہ تھا اور ان کے رکنے کا سن کر بچے بہت پرجوش اور خوش تھے۔ ہما اس دن یونی ورسٹی نہیں گئی تھی کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ مونا اور ہانیہ جب گھر آئیں تو صحن میں بچوں نے ایک

Scanned with CamScanner

ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ ان کے رکنے کا سن کر ان دونوں کا موڈ بھی خوش گوار ہو گیا۔ رات گئے تک گپیں لڑانے اور ساتھ میں ٹونگتے رہنے کا اپنا ہی مزہ ہوتا تھا۔ فاطمہ کا تو نزلے سے برا حال تھا اور مونا بچوں میں مگن تھی اس لیے ماہیہ ہی کچن میں چلی آئی۔

سب کچھ تیار تھا سوائے چپاتیوں کے۔ اس نے چاندی کی ٹیبل لگانے میں مدد کی پھر سب کو بلا کر چاندی کے ساتھ مل کر روٹیاں پکانے لگی۔ کھانے پر چونکہ افراد زیادہ تھے تو وہ بے چاری اتنے سارے لوگوں کے لیے اکیلے کیسے پکا سکتی تھی۔ دوسرا توا رکھ کے وہ بھی مصروف ہو گئی، کھانے میں پلاؤ کے ساتھ قورمہ اور چکن کڑاہی بنی تھی۔ اس کے فارغ ہوتے ہوتے تقریباً سب ختم ہو گیا۔

صرف ایک پلیٹ پلاؤ اور ذرا سا قورمہ ہی بچ سکا جو اس نے چاندی کو دے دیا، وہ صبح سے ہی کاموں میں لگی ہوئی تھی اتنا حق تو اس کا بنتا ہی تھا۔ وہ مشکور ہوئی، جلدی جلدی کھانے لگی کہ بہت بھوک لگی ہوئی تھی اس کی ایثار پسند طبیعت ایسی ہی تھی کیا اکثر وہ اپنا حصہ بھی یونہی چپ چاپ چھوڑ دیا کرتی تھی۔ کچن میں آئی بھابھی نے جب اسے چپاتی انڈے کے ساتھ کھاتے دیکھا تو افسوس کرنے لگیں۔

"ذرا سا سالن بچا تو تھا۔ تم کھا لیتیں۔ چاندی اپنے لیے انڈہ بنا لیتی۔"

"کوئی بات نہیں بھابھی۔ مجھے یوں بھی زیادہ بھوک نہیں تھی۔" اس نے مسکرا کر انہیں تسلی دی۔

"خیر اب یوں تو مت کہو۔ یونی ورسٹی سے آ کر لگی ہوئی ہو۔ یہ حسان جان کو نہ چمٹا ہوتا تو میں چپاتیاں بھی ڈال دیتی۔" وہ سست سہی مگر بہت پرخلوص تھیں اور ان کی یہ صفت ان کی باقی عادتوں پر بھاری تھی۔

"جانتی ہوں بھابھی۔ ویسے بھی پلاؤ آپ نے ہی بنایا تھا ناں؟ اس کی خوشبو سے مجھے پتا تک چل گیا تھا۔" باقی بچی روٹی کو دسترخوان میں لپیٹ کر وہ ہاتھ دھونے لگی۔

"بس اس وقت یہ آفت سویا ہوا تھا تو میں نے جلدی جلدی پکا لیا۔ اچھا...... اب تم گرین ٹی مت بنانے لگ جانا۔ تم اندر جا کر بیٹھو میں بنا لیتی ہوں۔"

اسے چولہے کی طرف بڑھتے دیکھ کر انہوں نے ٹوک دیا۔ پانی وہ چولہے پر پہلے ہی رکھ چکی تھی۔ لہذا کندھے اچکا کر وہ مسکراتی باہر نکل گئی۔ رات کو چونکہ سب ہی افراد کھانے پر موجود ہوتے اس لیے وہ اور مونا بھی چاندی کے ساتھ عصر سے ہی کچن میں لگ گئیں۔ ہیا الرجی کی تکلیف کے زیر اثر غنودہ سی تھی جہاں آرا اور مہناز اب زیادہ ایکٹو نہیں رہی تھیں۔

وہ صرف بیٹھ کر ہدایات جاری کرتیں چاندی اکیلی کتنا کام کر سکتی تھی، شام کی چائے پر بھابھی نے ریحان بھائی سے بیکری کا سامان منگوا لیا تھا۔ کیونکہ بچوں کو ہر تھوڑی دیر بعد کچھ نہ کچھ کھانے کو چاہیے تھا۔ نانی کا گھر نہ تھا گویا کوئی پکنک اسپاٹ تھا ان کے کے لیے علی اور احمد نے لگے ہاتھوں بچوں کے ساتھ کرکٹ میچ لگا لیا تھا جس میں ان کی بے ایمانی کے اعلیٰ مظاہروں پر وہ بے چارے چیختے ہی رہ گئے۔ مگر وہ دونوں بیٹ چھوڑنے کو تیار نہیں تھے، آخر کار بھابھی نے ڈانٹ ڈپٹ کر چھوٹوں کو بھی بیٹ دلوایا اور یہ سارے ہنگامے آنجناب عزت مآب وجدان مصطفیٰ کی آمد سے پہلے کے تھے ان کی انٹری کے بعد سب دبک کر لاؤنج تک محدود ہو گئے ماتھے، پر بل آنکھوں میں ناگواری لیے اس نے لان اور صحن میں بکھرے بیٹ بال اور سائیکلز کو دیکھا تھا۔ پھر یونہی تیوری چڑھائے کسی سے ملے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ بچوں کو تمیز کے جامے میں آتا دیکھ کر خواتین جان گئیں کہ وجدان آیا ہے۔

"یہ تو لگتا ہے ساری تمیز و تہذیب بھول چکا ہے۔ امی سچ بتائیں...... کیا ہوا ہے اسے جو پچھلے ایک ماہ سے صاحبزادے کے تیور ہی بدلے ہوئے ہیں......"

حسنہ آپی کو اس کا انداز کھلا تھا۔ لہذا اب وہ جہاں آرا سے استفسار کر رہی تھیں۔ اس وقت تانیہ یہاں موجود نہیں تھی۔ اس لیے وہ کھل کر ماں سے بات کر سکتی تھیں۔

"دماغ خراب ہوا ہے اس کا اور کچھ بھی نہیں۔"

ان کا کچھ چھپاتا تھکا سا انداز حسنہ کو ٹھٹکا گیا۔

"کیوں دماغ خراب ہوا ہے اس کا ایسی کیا بات ہوئی ہے......؟ آپ بتائیں مجھے۔ ضرور آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔"

"کچھ نہیں چھپا رہی میں......" وہ تشہیر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"تو پھر اتنی فکر فکر کیوں تکنے لگی ہیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی۔"

"ہاں بس۔ بی پی آج کل ٹھیک نہیں رہ رہا۔"

وہ بات کو اپنی بیماری میں چھپا گئیں۔

"چلیں اٹھیں۔ میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کے چلتی ہوں۔ اتنی لاپروائی کیوں برت رہی ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات تو نہیں۔"

ان کی فکرمندی پر وہ قدرے جھلا گئیں۔

"اوہو......اب ایسا بھی کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ دوا لے رہی ہوں اپنی۔" انہیں ٹالتے ہوئے وہ لیٹ گئیں۔ وہ انہیں پرسوچ نظروں سے دیکھے گئیں اور جب کھانے کے وقت وجدان کمرے سے نکلا۔ تو حسنہ نے اسے ذرا بھی رخ نہ دیا۔

اس کے سلام اور حال احوال پوچھنے پر روکھے سنا جواب دے کر وہ کھانے کی طرف ہی متوجہ رہیں۔ تانیہ نے البتہ اسے خوب تاڑا اور اس معاملے میں سائرہ بھی اسے مزید شہ دے رہا تھا اور رات کو جب وہ بیا اور مونا کے مشترکہ کمرے میں آئی تو وجدان ہی موضوع بحث تھا۔ بیا اور مونا لاعلمی کا اظہار کر رہی تھیں۔ انہیں خود علم نہ تھا کہ وہ آج کل کیوں ایسا ہو رہا تھا چڑچڑا اور بدلحاظ سا۔ "ہو نہ ہو کسی لڑکی کا چکر ہے۔" تانیہ دور کی کوڑی لائی تو سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

"ہوں۔......ٹھیک کہہ رہی ہو تم......موصوف ضرور کسی چکر میں ہیں......"

یہ بات حسنہ کے ذہن میں کیوں نہیں آئی۔ حسنہ نے ذرا غور کیا تو کڑیاں خود بخود ملنے لگیں۔ امی کا تکنا متفکر انداز اور وجدان کی جھنجلاہٹیں، یقیناً کچھ ایسا ہی ہے۔ جب ہی تو امی اتنی ٹینس نظر آتی ہیں۔ شاید انہیں اس کی پسند پر اعتراض ہو یا شاید اس کی پسند بہت غیر متوقع ہو مگر وہ تو بہت نرم فطرت کی تھیں۔ کبھی کسی پر اپنی مرضی نہیں تھوپی، ضرور کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوگی۔ انہوں نے چند لمحوں میں سارا عقدہ حل کر لیا۔

"ارے نہیں آپی......وجدان بھائی آپ کو ایسے نظر آتے ہیں۔" بیا بے یقین تھی مگر مونا تو ایک دم سے ایکسائیٹڈ ہو کر حسنہ کے قریب کھسک آئی۔

"کیوں۔ کسی کو پسند کرنا کوئی غیر معمولی، ان ہونی بات تو نہیں جو وجدان نہیں کر سکتا۔ مجھے بھی لگتا ہے یہی وجہ ہے جو آج کل سب کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہے ہیں۔"

"مونا......" مونا کی قینچی کی طرح چلتی زبان کو بانیہ کی تنبیہی آواز نے بریک لگائی تو حسنہ کو دیکھ کر وہ کھسیا سی گئی۔

"چلو، جو بھی معاملہ ہوا پتا چل ہی جائے گا۔ ابھی تو مجھے یہ بتاؤ حسنہ کہ تمہارے چچا سسر کے بیٹے کی شادی کیسی رہی۔ فون پر تم نے کہا تھا کہ مل کر تفصیل بتاؤ گی اس چھمک چھلو کی جو عادل بھائی پر فدا ہوئی جا رہی تھی۔"

تانیہ فطرتاً لاپروا تھی۔ زیادہ دیر کسی بات کو سر پر سوار رکھنا اس کی عادت نہ تھی۔ اس پورے قصے سے زیادہ اسے اس قصے کو جاننے میں زیادہ دلچسپی تھی جو چھپا تھا۔

عادل حسنہ کا شوہر تھا۔ وہ سب بھی ہمہ تن گوش ہو گئیں۔ حسنہ آپی اب ہنس ہنس کر لڑکی والوں کی طرف سے آئی اس حسینہ کی داستان غم سنا رہی تھیں۔ جو عادل بھائی کو کنوارا سمجھ کر ان پر ڈورے ڈالنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی مگر جب بنٹی اور بیلو کو انہیں پاپا کہتے سنا تو بے چاری کی حالت دیکھنے والی تھی۔ وہ سب بھی اب مونگ پھلی اور چپس سے لطف اندوز ہوتی دلچسپی سے یہ قصہ سن رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ بھرپور تبصرے بھی جاری تھے۔ انہیں اب رات گئے تک جاگنا تھا کہ مہینوں بعد تو یوں مل بیٹھنے کا موقع ملتا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن اتوار اور گھر میں چونکہ رش تھا۔ وجدان سوچ سمجھ کر بارہ بجے تیار ہو کر نیچے آیا۔ جملہ خواتین تحسین

میں ہی براجمان تھیں سو جب وہ کچن سے ناشتا کر کے نکلا تو اسے یوں تیار شیار دیکھ کر حسنہ آپی نے بڑے انداز سے کھوجا۔ اور جب بولیں تو انداز بڑا سادہ تھا۔

"خیریت وجدان......!! اتنے تیار ہو۔ لگتا ہے ڈیٹ پر جا رہے ہو۔"

"جی ضروری ڈیٹ ہے، ملاقات ہوگی۔" مجال ہے جو وہ ذرا بھی جھلکا ہو یا چہرے پر پل بھر کو کوئی تاثر آیا ہو وہ اسی سنجیدگی سے کہتا جملہ خواتین کو ہکا بکا چھوڑ کر نکلا چلا گیا۔

حسنہ البتہ گہری سوچ میں ڈوبی گیٹ کو دیکھتی رہیں۔ سائرہ جو چائے کا تیسرا مگ ہاتھ میں لیے جمائیاں لیتا باہر نکلا تھا اس بات پر اس کا کھلا منہ اسی زاویے پر رہ گیا۔ ساری سستی ہوا ہوگئی۔ سوئی حسیات پوری طرح جاگ اٹھیں "ارے......کیا واقعی وجدان ڈیٹ پر گیا ہے۔" ثوبی بھابھی جو کچن سے نکلی تھیں اب بڑی حیرت سے افرادخانہ سے تصدیق چاہ رہی تھیں۔

"یونہی بول دیا ہوگا۔ شاید حسنہ کا انداز برا لگا ہوگا۔" رفعت تائی نے بات کو بتنگڑ بننے سے پہلے سنبھالنے کی کوشش کی۔

"نہیں خالہ۔ دال میں کچھ تو ضرور کالا ہے۔ سائرہ تم بتاؤ۔ تم تو اس کے کافی قریب ہوتی ہو۔" اور سائرہ نے حفظ ماتقدم کے تحت فوراً مگ لبوں سے لگا کر بے نیازی دکھائی۔

"بجو جی۔ اب استادی مت دکھاؤ۔ تمہیں یقیناً پتا ہے کہ وہ کہاں گیا ہے کس سے ملنے گیا ہے۔"

ثوبی بھابھی کے ہاتھ جیسے کوئی دلچسپ موضوع آ گیا تھا۔ سائرہ دل میں جھلایا۔ اسے وجدان سے ایسے جملے کی توقع نہ تھی اوپر سے بھابھی کا مزا لیتا انداز، تائی امی یہاں نہیں تھیں ورنہ انہیں بہت افسوس ہوتا۔ سائرہ نے خود کو سنبھالا۔ چائے کا ایک گھونٹ بھرا اطمینان سے انہیں دیکھا۔

"جی......مجھے پتا ہے کہ وہ کہاں گیا ہے۔ آج واقعی اس کی ڈیٹ ہے......" وہ پل بھر کو رکا پھر اضافہ کیا، "بزنس ڈیٹ ہمارے کلائنٹ کی مسز ہیں۔"

واصفہ خلیل ان کے ساتھ۔"

"لو۔ کھودا پہاڑ......نکلا چوہا۔" انہیں جان کر شدید مایوسی ہوئی۔ ریحان بھائی کے پکارنے پر وہ چلی گئیں تو سائرہ نے بلا ٹلنے پر دل میں شکر ادا کیا اور پکا فیصلہ کیا کہ آج تو اس وجدان مجنوں کو چھوڑے گا نہیں۔ ان تمام باتوں سے لاتعلق حسنہ کچھ اور سوچ رہی تھیں۔

☆☆☆

ایک دو ضروری کام نمٹانے کے بعد وجدان اپنے پسندیدہ ریسٹورینٹ میں بیٹھا غزل کا انتظار کر رہا تھا۔ سنڈے کا لنچ کل سے پلان تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی خوشبو میں بسی فریش فریش سی غزل بھی چلی آئی۔ اس نے رسٹ کلر کی لانگ اسٹائلش شرٹ پہن رکھی تھی۔ بلیک ہینڈ بیگ اور برانڈڈ گلاسز لگائے اس نے صرف ڈارک میرون کلر کی لپ اسٹک لگائی تھی جس نے اس کے سفید چہرے کو مزید چار چاند لگا دیے تھے۔ اسٹیپ میں کٹے بلونڈ اسٹریک بال کندھوں پر بے نیازی سے بکھرائے وہ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور پراعتماد لگ رہی تھی۔

"زیادہ انتظار تو نہیں کروایا تھا۔" بیگ ٹیبل پر رکھتے اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ وجدان جواباً مسکرایا۔

"ناٹ ایٹ آل، لکنگ گڈ۔" اس نے حق سمجھ کر تعریف کی۔

"لائیک آلویز......ویسے بائی داوے۔ کیا مجھے بھی تمہاری تعریف کرنی پڑے گی۔ آئی مین ریٹرن۔"

"اوں ہوں......اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں وہ پڑھ لی ہے۔"

اس کا خود پر یقین بے جا نہ تھا۔ وہ بلا کا خود آگاہ تھا غزل کھلکھلائی۔

"ویری کلیور چلو پہلے کچھ آرڈر کرلیں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔ یو نو صبح سے صرف ایک گلاس فریش جوس ہی پیا ہے۔"

"اور وہ صبح کتنے بجے ہوئی تھی بائی داوے۔" اس نے بھنویں اچکاتے استفسار کیا۔ وہ پھر کھلکھلائی۔ گھنٹہ بھر پہلے وہ بیڈ پر تو تھی۔ وجدان جانتا تھا۔

digest.library.com

"جانتے تو ہو تم۔ آج سنڈے ہے یعنی میرا آف ڈے۔" وہ اس کے سارے معمولات سے باخبر تھا۔ یہ احساس اسے خوش گوار لگا تھا۔ وجدان اب ویٹر کو بلا رہا تھا۔ وہ دونوں اس پورے ماحول میں سب سے نمایاں تھے۔ بھرپور اور منفرد۔

"خیریت...... آج بہت سیریس لگ رہے ہو؟" ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا تو غزل نے پوچھا جو کافی غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ تو میں ہوں...... تمہارے لیے۔" ذرا رک کر اس نے جملہ مکمل کیا تو غزل مسکرا دی۔ ایک اطمینان بھری مسکراہٹ۔ وجدان نے آج تک نہ ہی کھل کر اظہار کیا تھا اور نہ ہی کوئی عہد و پیماں مگر آج وہ اس سے سب کچھ کھل کر کہہ دینا چاہتا تھا۔ امی سے دوبارہ بات کرنے سے پہلے اس کی رائے جاننی ضروری تھی گو کہ وہ اس کی نظروں میں چھپی پسندیدگی کو جانتی تھی اور اس نے کبھی اس پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا اس لیے وجدان کو یقین تھا کہ وہ اس کا پروپوزل بلا جھجک قبول کر لے گی۔

"غزل......! اگر میں تمہیں پروپوز کروں تو تمہارا کیا جواب ہوگا؟" اس کے روشن چہرے کو نگاہوں کی گرفت میں لیے اس نے براہ راست سوال کیا تھا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے وہ منتظر تھا۔ غزل کسی نتیجے پر پہنچی پھر سنجیدگی سے مخاطب ہوئی۔

"آئی نو وجدان...... تم بہت اچھے ہو، ہینڈسم اور ویل کوالیفائیڈ ہو اور کچھ عرصے میں ہی میرے بہت اچھے دوست بن گئے ہو۔ ان فیکٹ وہ سب کوالیٹیز تم میں ہیں جو میری جیسی لڑکی کو اٹریکٹ کر سکے۔"

وہ بولتے بولتے رکی۔ اس کا مبہم انداز تھا۔ وجدان نہایت سکون سے اس کے چہرے پر نظریں جمائے اس کے مزید بولنے کا منتظر تھا۔ غزل نے اس کے گمبھیر تاثرات کو بغور دیکھا اور مزید سنجیدہ نہ رہ سکی۔ اس کے کھل کر مسکرانے پر وجدان نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ سب سمجھ گیا۔ "تو میں تمہارا پروپوزل ایکسیپٹ کرلوں گی۔" اس کے شوخ انداز پر وجدان کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ چہرے پر آئی بشاشت کو دیکھ کر وہ پھر کھلکھلا گئی۔

"لی آمین وجدان...... تمہاری حالت تو کسی تختہ دار پر لٹکے ہوئے شخص کے جیسی ہو رہی تھی۔ آئی واز جسٹ جوکنگ یو۔" وہ مسلسل ہنسے جا رہی تھی اور یہ کوئی وجدان مصطفیٰ سے پوچھتا کہ اتوار کا دن ایک دم سے کتنا روشن اور خوب صورت ہو گیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن سائر نے خوب اس کے لتے لیے اور حیرت انگیز بات یہ کہ وجدان مصطفیٰ بغیر برا مانے مسکرائے جا رہا تھا۔ صلواتیں سناتا سائر اچانک خاموش ہو کر اسے گھورنے لگا۔

"ایسا کون سا زعفران کا کھیت دریافت کر لیا ہے تم نے جو اس سٹریل منہ پر بہاریں اتری ہوئی ہیں۔"

"تمہیں کوئی تکلیف ہے؟"

"تکلیف میں تو تم کل مجھے ڈال گئے تھے۔ تمہارے جانے کے بعد ہر کوئی مجھے مشکوک نظروں سے گھورتا پوچھ رہا تھا کہ وجدان مصطفیٰ جو آج کل بد اخلاقی کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہیں۔ کہاں، کس کے ساتھ ڈیٹ مارنے جا رہے ہیں۔ دل تو چاہا تھا کہ آنسہ غزل کا نام لے ہی دوں مگر پھر نقص امن کا سوچ کر ٹال گیا۔"

"تو لے دیتے ناں......"

اس کے سڑے ہوئے انداز کے جواب میں یہ شگفتہ لہجہ اب واقعی سائر کو کرنٹ لگا۔ لیپ ٹاپ کو جھٹکے سے بند کر دیا۔

"خیریت بڈی...... ایسا کیا ہوا ہے جو رخ روشن پر اتنی تابناکیاں ہیں۔"

وجدان نے پیچھے ہو کے کرسی سے پشت لگائی مٹھی کو ہونٹوں پر رکھے وہ محظوظ ہوتی نظروں سے اس کے انداز کو دیکھتا کل لنچ میں ہونے والی ساری گفتگو بتانے لگا۔ اسے خاموشی سے سنتا سائر بات کے اختتام پر قدرے متفکر لہجے میں اسے ٹوک گیا۔

"تمہیں پہلے تائی امی کو منانا چاہیے تھا پھر اسے

پروپوز کرتے۔"

"امی جان مان جائیں گی۔" وہ پر یقین تھا۔

"اور فرض کرو، اگر وہ نہ مانیں......؟"

وجدان چند لمحوں کے لیے کچھ بول نہ سکا۔

"انہیں ہر حال میں ماننا پڑے گا ورنہ اپنی زندگی کا یہ اہم فیصلہ میں ان کی مرضی کے بغیر کرلوں گا۔"

اس کا اتنا خشک اور دوٹوک انداز سائر کو برا لگا اور افسوس بھی ہوا۔

"تم نے ریحان بھائی سے بات کی۔" وہ دل سے چاہتا تھا کہ تائی امی ہرٹ نہ ہوں اور وجدان بھی خوش رہے۔

"نہیں...... میں خود ایک مرتبہ پھر امی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے اس وہ مجھے سمجھیں گی اور انکار نہیں کریں گی۔" وہ بہت پرامید تھا۔ سائر زیر لب بڑبڑایا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" جو بھی تھا وجدان اس کا جگری دوست تھا۔

☆☆☆

سائر کی بات بیا سے طے تھی اور اسی سال کے آخر میں ان کی شادی متوقع تھی، بیا بڑی بے نیاز اور سنجیدہ سی لڑکی تھی سائر بھی اس سے بڑے عام سے انداز میں ہی بات چیت کرتا تھا کہ گھر کی عزت اور اپنے بڑوں کا اعتبار و اعتماد دونوں کو ہی عزیز تھا۔ اس رشتے پر اسے کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا البتہ یہ ضرور تھا کہ بیا اسے اچھی لگتی تھی۔ ہانیہ اور مونا بھی اسی وجہ سے اسے خاص پروٹوکول دیتی تھیں۔

شام کو غیر متوقع طور پر سونیا آنٹی چلی آئیں۔

وہ اس عمر میں بھی بہت شوخ رنگ پہنتی تھیں۔ ڈارک میرون سوٹ گولڈن ڈائی کیے بالوں کے ساتھ، جیولری سے آراستہ خوشبوؤں میں بسی سونیا آنٹی جس استحقاق سے بیٹھی تھیں اسے دیکھ کر عجیب سا لگ رہا تھا۔ رفعت تائی کو ان کے انداز بہت کھلتے تھے۔ ابھی بھی ٹراؤزر سے جھانکتی ان کی شفاف پنڈلیاں ہائی ہیل میں مقید پاؤں پر لگی میرون نیل پالش دیکھ کر ان کا دل برا ہوا۔

"اسے تو اپنی عمر کا بھی کوئی لحاظ نہیں۔ ایسے بن ٹھن کر تو اداکارائیں بھی نہیں رہتیں جیسی یہ اس عمر میں بھی چھمک چھلو بنی گھومتی ہے۔"

چائے کے لوازمات کا جائزہ لیتی وہ ناگواری سے بڑبڑا رہی تھیں، چچی ان کی بات سن کر ہنسنے لگیں، مونا بھی مسکرادی۔

"چھوڑیے نا بھابھی۔ دل جوان ہونا چاہیے۔ آپ نے خود پر ابھی سے بڑھاپا طاری کر رکھا ہے۔ کچھ سیکھیے ان سے۔" ان کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"نہ بھئی...... ہمیں نہیں سیکھنا ایسا کچھ بھی۔ ہر چیز وقت اور عمر کے حساب سے جچتی ہے۔ اب بہو، داماد والی ہو کر میں یوں ہونٹ لال کیے بیٹھی، اچھی تھوڑی لگوں گی۔"

"امی...... تو کیا کیجیے نا۔ سچ بابا بھی خوش ہو جائیں۔"

مونا کی بات پر انہوں نے غصے سے اسے گھر کا۔

"شرم کرو...... ماں کو ایسے اوندھے مشورے دے رہی ہو۔ چلو لاؤ یہ ٹرالی۔ اس سولہ کے سن والی کے لیے۔" مونا برے منہ بنانے لگی۔

"اگر ان کا آنا اتنا ہی ناگوار گزرتا ہے تو پھر اتنا اہتمام کیوں کرواتی ہیں۔" اسے تو ان خواتین کی سمجھ بھی نہیں آئی تھی۔

"کیونکہ بیٹا جی...... مہمان نوازی اس گھر کی روایت ہے۔ چلو اب لاؤ جلدی سے۔"

چچی نے نکلتے نکلتے شگفتگی سے سمجھایا تو وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔ آج تو سونیا آنٹی کے تیور ہی بدلے لگ رہے تھے، کبھی گھر کی سیٹنگ کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھ کر بدلوانے کا مشورہ دیتیں۔ کبھی اتنے بڑے صحن پر اعتراض کبھی ڈرائنگ روم کا فرنیچر اولڈ فیشن لگ رہا تھا۔ جہاں آرا بڑے صبر و حوصلہ سے ان کو برداشت کرتی رہیں اور ان کے جانے کے بعد بی پی کی گولی کھا کر لیٹ گئیں۔ ان کے تیور انہیں کھٹک رہے تھے۔

"کیا وجدان نے کوئی امید دلائی ہے جو یوں حق جتا رہی تھیں۔"

یہ سوچ انہیں بے چین کر گئی۔ وہ وجدان سے اب کھل کر بات کرنا چاہتی تھیں۔ ہانیہ ان کے لیے

Scanned with CamScanner

اسٹرانگ سی چائے لے آئی پھر نہ نہ کرتے بھی ان کا سر دبانے لگی۔ انہوں نے محبت و حیرت سے اس کے سادہ پرخلوص چہرے کو دیکھا۔ سیاہ گھور آنکھیں۔ لمبے بالوں کی چٹیا بنائے اس کے چہرے پر ایک نرمی و ملاحت تھی۔ اس کا دل آئینے جیسا صاف تھا اور اس کے ایثار اور خلوص کے سب ہی معترف تھے۔ وہ جوان کی پسند تھی اور نجانے کب سے انہوں نے وجدان کے لیے اسے ہی سوچ رکھا تھا۔ اس جیسے روکھے مزاج لڑکے کے لیے ہانیہ جیسی پرخلوص اور سادہ لڑکی ہی بہترین انتخاب تھا۔ اتنی کامنی سی لڑکی کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپلائیڈ کیمسٹری میں ماسٹرز کر رہی تھی۔

ہر رنگ میں نمایاں اور منفرد۔ انہیں اب افسوس ہوتا تھا کہ انہیں وجدان کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا یا اسے باندھ دینا چاہیے تھا۔ مگر خیر...... ابھی بھی دیر نہیں ہوئی، شاید وہ سمجھ جائے۔ امید کی کرن گوکہ کمزور سی تھی مگر دل کو بہلا دے دینا کون سا مشکل ہوتا ہے۔

☆☆☆

وجدان اسے گیٹ پر ہی سی آف کر کے جا رہا تھا مگر سونیا آنٹی چلی آئیں اور اسے زبردستی اندر لے گئیں۔

"چلو تم ممی کے پاس بیٹھو۔ میں فریش اپ ہو کر آتی ہوں۔" غزل اندر کی طرف بڑھ گئی، وہ وہیں لان میں بیٹھ گیا۔ سونیا آنٹی اندر جوس کا کہنے چلی گئیں۔

وہ تنقیدی نظروں سے لان کو دیکھنے لگا جو سبز گھاس اور پھولوں سے بھرا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دوپہر کا لنچ اس کا غزل کے ساتھ تھا۔ اس کی گاڑی مسئلہ کر رہی تھی تو ہی اسے ڈراپ کرنے آ گیا۔ سنہری دھوپ سارے لان میں پھیلی ہوئی تھی۔ چینٹ سے چمکتے گملے، ڈھلے ہوئے درخت غرض سارا لان ہی صاف ستھرا تھا۔ کہیں کوئی بے ترتیبی نہ تھی۔ اس کا دھیان اپنے گھر کے لان کی طرف چلا گیا۔ جہاں ہر وقت بیٹ، بالز لڑھکتے رہتے۔ کہیں گھاس کم کہیں زیادہ۔ کرسیوں کو دن میں سینکڑوں بار بھی ترتیب سے رکھا جائے مگر پھر بھی چند لمحے بعد ہی وہ بے ترتیب پڑی ہوتیں۔ وہ گہری سانس بھرتا حال میں لوٹ آیا۔

اس گھر میں ایک ترتیب تھی۔ ایک نظم و ضبط تھا۔ ایک سکون بھری خاموشی تھی۔ درختوں پر بسیرا کیے پرندوں کے علاوہ کہیں کوئی آواز تھی نہ شور۔ اتنے میں سونیا آنٹی ملازمہ کے ہمراہ چلی آئیں۔ انہوں نے بیگی اسٹائل گھٹنوں تک آتا بلیک سویٹر اور ٹراؤزر پہن کر ایک کندھے پر اسٹائلش ریڈ اسٹالر ڈالے وہ گھر میں بھی ٹپ ٹاپ سی تیار تھیں۔

"اور سناؤ ینگ مین۔ کیسے ہو......؟" وہ اس کے مقابل ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھ گئیں وہ سنبھلا۔

"فائن......"

"ہوں...... لگ بھی رہے ہو۔" ان کا معنی خیز اشارہ کس طرف تھا وہ سمجھ گیا۔

"کیا تمہاری فیملی کو پتا ہے کہ تم غزل میں انٹرسٹڈ ہو اور اسے پروپوز کرنا چاہتے ہو۔" انہوں نے اچانک براہ راست پوچھا۔ ان کے لہجے میں کچھ تھا جس سے وجدان چونکا پھر صاف گوئی سے بولا۔

"صرف امی کو علم ہے۔"

"اچھا...... مگر ان کو دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ وہ اس بارے میں کچھ جانتی بھی ہیں کہ تم نے غزل کو پروپوزل رنگ دی ہے۔" ان کا انداز بڑا چبھتا ہوا سا تھا۔ وجدان اب کے الجھ گیا۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں آنٹی۔ کھل کر کہیں۔" اس نے گلاس ہاتھ سے رکھ دیا تھا۔ انداز بہت سنجیدہ سا دہ تھا۔ سونیا آنٹی نے اطمینان سے سامنے پڑا جوس کا گلاس اٹھایا اور نزاکت سے پینے لگیں۔

"وجدان! غزل میرا کل سرمایہ ہے۔ تم ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہو مگر صرف تم ہی نہیں کئی پروپوزل اب بھی صرف میری ایک ہاں کے منتظر ہیں وہ تم سے کہیں زیادہ ویل کوالیفائیڈ ویل آف ہیں۔ لیکن حیر غزل کا تم میں انٹرسٹ دیکھتے ہوئے میں خاموش ہوں مگر۔"

وہ بات کرتے کرتے رک گئیں۔ وجدان تحمل سے ان کی ساری گفتگو سن رہا تھا۔ جوس کا گلاس اس کے سامنے ان چھوا رکھا تھا۔ خاموشی کا یہ ان وقفہ ذرا

ملول ہوگیا۔ تو وجدان کو الجھن سی ہونے لگی۔ سونیا آنٹی نے گلاس رکھا پھر قدرے آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں بولیں۔

"تمہاری ماں...... تمہیں کبھی بھی ...."میری بیٹی سے شادی کی اجازت نہیں دے گی۔" ان کا انداز چبھتا ہوا تھا۔ وجدان ٹھٹکا۔

"اس نے پہلے بھی میرا حق مارا تھا اور آج بھی وہ میری بیٹی کو اس کی خوشی کبھی حاصل نہیں ہونے دے گی۔" ان کا انداز ان کی سردمہری۔ ان کا الزام اسے سخت ناگوار گزرے۔

"آپ کس حق کے بارے میں بات کر رہی ہیں؟"

"مصطفیٰ زیدی...... میرا سابقہ منگیتر میری پہلی محبت۔" انہوں نے دھماکہ کیا تھا اور اسے لگا کہ وہ پاتال میں جا گرا ہو۔ اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتی وہ اب اطمینان سے دل میں مسکرا دیتی ہوئی دوبارہ جوس پینے لگیں۔

☆☆☆

ہانیہ نے بکس بند کیں۔ پڑھ پڑھ کر سر میں درد شروع ہوگیا تھا۔ کسلمندی سے ذرا دیر کمر ٹیکنے کے بعد وہ بادل نخواستہ اٹھی...... بیا اور ہوما، رفعت تائی اور بھابھی کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھیں۔ بچوں کو بھابھی نے میکے چھوڑنا تھا پہلے پھر وہاں سے چاروں نے بازار جانا تھا۔ چچی یقیناً سو رہی ہوں گی۔ وہ اٹھی۔ کپ چائے بنا کر اس نے ٹرے میں رکھی۔ اپنا کپ کمرے میں رکھ کر وہ دوسرا کپ لیے تائی جان کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ وہ دوپہر کو کم سوتی تھیں اور چائے کی شوقین بھی تھیں۔ کوریڈور میں کھلتے ان کے کمرے سے آتی وجدان کی تیز آواز سن کر وہ رک گئی۔

وہ نجانے کب آیا تھا اور اب اندر تائی سے شاید بحث کر رہا تھا۔

"ممّا! میں نے آپ سے بات اس لیے کی تھی کہ مجھے آپ پر مان تھا۔ مجھے یہ خوش فہمی تھی کہ آپ کے لیے میرے جذبات، میری پسند اہم ہوگی مگر آپ! آپ اس معاملے میں اتنی بے لچک ہوں گی......؟ کیوں چاہتی ہیں کہ میں اپنی خواہش کو قربان کر دوں......"

وجدان سونیا آنٹی کی باتیں سننے کے بعد بہت ٹینس تھا۔ ان کے الزامات پر اسے یقین نہیں آیا تھا۔ اس لیے وہ آفس سے اٹھ آیا اس کا ارادہ جہاں آرا سے ایک بار پھر بات کرنے کا تھا۔ وہ انہیں منوانا چاہتا تھا مگر انہوں نے اس کی بات سن کر وہی کہا جس کا خدشہ تھا۔

"تم نہیں جانتے وجدان۔ یہ سب تمہاری بہتری کے لیے کر رہی ہوں۔ کون ماں چاہتی ہے کہ اس کی اولاد کی خواہش پوری نہ ہو۔ کون اسے ناراض یا ناخوش دیکھنا چاہتا ہے......؟

میں بھی تمہیں ہمیشہ خوش و مطمئن دیکھنا چاہتی ہوں...... اگر تمہارا انتخاب غزل کے بجائے کوئی اور ہوتا تو میں دل سے ہنسی خوشی مان لیتی۔" وہ کھل کر کیسے کہہ دیتیں کہ سونیا کے ارادے انہیں ٹھیک نہیں لگ رہے تھے جو کام وہ ماضی میں نہ کر سکیں۔ اب کرنا چاہتی تھیں۔ ان کے گھرانے، ان کے خاندان میں دراڑیں ڈالنا ہمیشہ ان کی کوشش رہی تھی۔

"کیوں امی......؟ غزل میں کیا خرابی ہے؟"

"خرابی اس میں نہیں...... بلکہ" وہ بروقت چپ ہوگئیں۔ پھر آہستگی سے کہنے لگیں۔

"وہ اگر سونیا کی بیٹی نہ ہوتی تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ تم نہیں جانتے کچھ بھی......"

وجدان کو جھٹکا لگا۔ اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا تو کیا سونیا آنٹی ٹھیک کہہ رہی تھیں؟ ان کے الزام درست تھے۔ جہاں آرا نجانے مزید کیا کہہ رہی تھیں مگر اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔

"سونیا آنٹی سے آپ کو کیا ایشو ہے......؟" ان کی بات کاٹ کر اس نے سنجیدگی سے ان کو دیکھا۔

"وہ اک آزاد خیال عورت ہے جسے گھر گرہستی......"

"میں جاننا چاہ رہا ہوں کہ آپ اور سونیا آنٹی کے درمیان ایسا کیا ہوا تھا جو آپ انکار کر رہی

digest.library.com

ہیں......"

وہ ایک بار پھر ان کی بات کاٹ گیا۔ اس کا چبھتا انداز اور جس طرح وہ لفظوں کو زور دے کر بولا۔ کچھ جان لینے کا احساس اس کی آنکھوں سے صاف جھانک رہا تھا ان کے چہرے پر عجیب سی یاسیت چھا گئی۔

"تم ان باتوں کو رہنے دو۔" وہ ٹال گئیں۔

"میں نے تمہارے لیے ہانیہ کی بات کب سے رفعت کے کانوں میں ڈال رکھی ہے۔ ہانیہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس گھر اور اس کے طریقوں کو سمجھنے والی۔ مروت اخلاص سے گندھی۔"

اور باہر کھڑی ہانیہ کو دھچکا لگا۔ یہ کب ہوا تھا......؟ کس وقت......؟ چائے کا مگ تو ٹرے میں رکھے رکھے کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس کا وجود بھی سرد پڑنے لگا۔ اندر موجود وجدان کے لیے بھی یہ بات غیر متوقع تھی وہ ایک دم استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"خوب۔ بہت خوب۔ یقینی وہی روایتی حربہ۔ روایتی کہانی۔ بچپن سے طے کردہ بات۔ لڑکا لڑکی کو خبر بھی نہیں...... اور سب کچھ آپس میں طے کر لیا گیا...... آپ کس زمانے میں جی رہی ہیں امی......؟ میں آپ کی اولاد ہوں۔ آپ میری چوائسز، میری ترجیحات سے واقف ہیں۔

کیا آپ کو کبھی محسوس بھی ہوا کہ مجھے یہ گھریلو ماسی ٹائپ کی لڑکیاں پسند ہیں۔ جن کی ساری عمر کچن اور گھریلو سیاستوں میں ہی گزر جاتی ہے۔ نہ کوئی سینس نہ ہی زمانے کے چلن سے آشنا۔ گنوار کزن ٹائپ کے یہ رشتے......"

باہر کھڑی ہانیہ کے گال اہانت کے احساس سے جل اٹھے۔ اگر وہ لاعلم تھا تو بے خبر وہ بھی تھی۔ اسے یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ کسی بھی لڑکی کے لیے ایسے الفاظ، جملے استعمال کرے۔

"مگر امی اب لگتا ہے آپ یہ سب صرف ضد میں کر رہی ہیں۔ سونیا آنٹی کی ضد میں۔" اس کا انداز۔ اس کے سنگین الفاظ جہاں آرا کو لگا جیسے کوئی آری سے ان کا دل چیر رہا ہو۔ وہ جتنا بے یقین تھا اس سے بڑھ کر بدگمان بھی تھا۔

"غلط سمجھ رہے ہو وجدان...... کیا میں تمہیں ایسی لگتی ہوں۔" کیسی آس، کیسا مان تھا ان کے ڈوبتے لہجے میں۔

"کاش کہ میں سونیا آنٹی کے الفاظ کو جھٹلا سکتا۔ مجھے کتنی شدید خواہش تھی کہ وہ سب جھوٹ ہو جو انہوں نے کہا۔ مگر اب مجھے یقین ہونے لگا ہے۔" اس کے لہجے میں چبھن تھی جیسے قبول کرنا مشکل ہو۔

"انہوں نے سچ کہا تھا کہ آپ میری شادی کبھی بھی غزل سے نہیں ہونے دیں گی۔ آپ غاصب تھیں۔ آپ نے ان کا حق چھین کر ان کی محبت کو ان سے دور کر دیا تھا۔ آپ نے سازشیں کیں۔" وہ کیا کہہ رہا تھا۔ ان کا اپنا خون...... ان کی اولاد...... جہاں آرا سفید لٹھے کی مانند چہرہ لیے ساکت نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھیں اور باہر کھڑی ہانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا اندر جا کر اس کے ہونٹ سی دے۔ اسے چپ کروا دے۔

"مگر اس بار نہیں۔ غزل پہلے میری چاہت تھی اب ضد ہے۔ میں وہی کروں گا جس میں میری خوشی ہوگی اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنی اولاد کے لیے کم سے کم کوئی پھندا۔ کوئی سازش تیار نہیں کریں گی۔ اس بار تو نہیں......"

وہ قدرے سرد مہری سے کہتا تیزی سے نکل گیا ہانیہ نے تیر کی طرح اپنے قریب سے گزرتے اس بے حس انسان کو دیکھا۔ جہاں آرا کا سر جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ دماغ میں ہوتے شور نے ان کی قوت گویائی جیسے سلب کر لی تھی۔

"وجدان......" بے آواز ہونٹ ہلے مگر وہ شاید ان کی صدا سے بے نیاز جا چکا تھا۔

ہر طرف چھائے اندھیرے میں انہیں وہی ملیح و مہربان چہرہ نظر آیا۔ ہانیہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔ ان کی خطرناک حد تک سفید پڑتی رنگت خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ پلٹ کر بھاگی۔ پھپھو کو

جگایا پھر دروازہ کھول کر ٹیکسی لینے لگی۔ وقت نہیں تھا کہ کسی کا انتظار کیا جاتا جو کرنا تھا خود کرنا تھا۔

☆☆☆

وہ رات گئے گھر آیا تو غیر معمولی خاموشی تھی۔ نہ ہی حنان کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں نہ ہی لڑکیوں میں کوئی کچن میں تھا۔ ورنہ عام طور پر بارہ ساڑھے بارہ تک بھی آدھے جاگتے اور ٹہلتے ملتے۔۔۔ اس نے کمرے میں آ کر تھکے تھکے انداز میں کف کے بٹن کھولے۔ پھر بیڈ پر گر سا گیا۔ دوپہر سے یہ وقت ہونے کو آیا تھا وہ آوارہ گردی کر رہا تھا۔ امی سے یہ سب کہہ کر وہ بھی خوش نہیں تھا مگر اس بار وہ اپنی خواہش میں کسی کو مخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ موبائل بھی اس نے آف کر رکھا تھا۔ وہ کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ساری دنیا سے خفا۔ سب سے رابطہ منقطع کیے وہ نجانے کس کو سزا دینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

ریحان بھائی پہلے بچے تھے سو سب کے لاڈلے ٹھہرے۔ جہاں آرا جب بیاہ کر آئیں تو دادی جان دادا جان دونوں زندہ تھے۔ وہ نہ صرف سسر تھے بلکہ سگے تایا بھی تھے۔ گھر کی بڑی بہو ہونے کے ناتے ان پر ذمہ داری زیادہ تھی یا انہوں نے خود بخود فرض کر لیا کہ انہیں سارے گھر کا بوجھ اٹھانا ہے مگر جو بھی تھا ہمیشہ انہوں نے کلیدی کردار ادا کیا تھا حالانکہ بعد میں رفعت تائی بھی بیاہ کر آ گئیں۔ وہ ان کی پھوپھی زاد تھیں۔ دونوں کا آپس میں سلوک اور یگانگت مثالی بن گیا۔

حسنہ آپی اور تانیہ آپی کی پیدائش آگے پیچھے تھوڑے وقت سے ہوئی تھیں۔ تانیہ آپی جہاں آرا کی گود میں ہی پلیں۔ جن دنوں جہاں آرا امید سے تھیں تو دادی شدید بیمار پڑ گئیں۔ وہ ساس کی خدمت میں دن رات جتی رہتیں۔ حسنہ آپی کو رفعت تائی ہی سنبھالتی تھیں دادی جہاں آرا کے علاوہ کسی کے ساتھ بھی مطمئن نہ رہتیں۔ انہی مشقت بھرے دنوں میں وجدان کی پیدائش ہوگئی اور ابھی وہ سال بھر کا بھی نہیں ہوا تھا کہ دادی چل بسیں۔ ریحان بھائی جو چونکہ اس سے پانچ سال اور حسنہ آپی چار سال بڑی تھیں لہٰذا سب سے زیادہ نظر انداز وہ ہوا۔

ساس کی بیماری۔ ان کی خدمت۔ پھر ان کا انتقال۔ گھر کی ذمہ داریاں۔ لوگوں کی تعزیت کے لیے آنا جانا۔ وہ سال بھر کا بچہ کبھی ایک کی گود میں روتا رہتا تو کبھی دوسرے کی گود میں...... اور یہ ایک حقیقت تھی کہ وجدان نے کبھی امی کو فارغ نہ دیکھا تھا۔ جس توجہ جس چاہت کی اسے خواہش اور طلب ہمیشہ رہی تھی وہ کبھی پوری نہ ہوگی۔

جہاں آرا چونکہ گھر کی بڑی بہو تھیں پھر بھرا پرا گھر تھا لہٰذا دادی ان پر ایک ایک کر کے ساری ذمہ داریاں ڈالتی چلی گئیں اور جہاں آرا زبان سے اف کہے بغیر بخوشی انہیں اٹھاتی رہیں۔ بعد میں رفعت تائی بھی آ گئیں مگر جتنا بھروسہ واعتماد انہیں جہاں آرا پر تھا کسی اور پر بھی نہ ہو سکا۔ یہی وجہ تھی کہ ننھا وجدان ان کی پوری توجہ حاصل نہ کر سکا۔ سسر، کنوارے دیور نند سب پر کلی طور پر ان کے ذمے تھے کہ گھر میں کام والیاں آئی تھیں، مگر ان کی نگرانی بھی ان دنوں وہی کرتی تھیں کہ سائر کی پیدائش پر رفعت کو شدید قسم کا یرقان ہو گیا۔ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ کئی ہفتہ اسپتال میں رہیں، اس دوران ننھا سائر وجدان کی جگہ لے گیا۔ جہاں آرا اس کا بھرپور خیال رکھتیں۔

ایسے میں جب، دادا جان نے اس کا یہ حشر دیکھا تو سارا سارا دن اسے اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ چار ماہ کی طویل علالت کے بعد، رفعت تائی صحت مند ہونے لگیں مگر سائر جوان سے مانوس ہو گیا تھا اب وہ رفعت کے پاس کم ہی ٹکتا اور جہاں آرا کی گود کے لیے رونے لگتا۔ اسی ماحول میں وہ بڑھتا گیا۔ یہ نہیں تھا کہ جہاں آرا کو اس سے محبت نہیں تھی بس وہ اتنی بھرپور توجہ اسے نہ دے سکیں، نہ کھل کر پیار کا اظہار کیا وہ ذمہ داریوں میں اس قدر پھنسی تھیں کہ ابتدائی چند سال تو وجدان ان کے پاس زیادہ رہا ہی نہیں۔

دادی کے بعد دادا جان گوشہ نشین ہو گئے اور گھر

Scanned with CamScanner

کی کرتا دھرتا اب جہاں آرا تھیں۔ گھر کا کوئی فرد حتیٰ کہ ان کے سسر بھی ان سے مشورہ کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ وہ چار سال کا تھا۔ اب اسکول جاتا تھا اور دادا جان کی شفقت و توجہ نے انہیں مزید بے نیاز کر دیا۔ بیا ان کی گود میں آ چکی تھی۔ دادا جان اس کی پڑھائی میں مدد بھی کر دیتے۔ وہ ان ہی کے کمرے میں رہتا مگر ماں کی چاہت توجہ حاصل کرنے کی چاہ اس کے اندر اب بھی تھی، مگر انہیں سارا دن معروف دیکھ کر وہ دل مسوس کر رہ جاتا اور ایسے ہی کرتے کرتے وہ اپنے خول میں چھپ گیا۔

وہ کسی بہن بھائی سے بھی قریب نہ ہو سکا۔ ایک نامحسوس فاصلہ ان کے درمیان آنے لگا۔ اس کے دل میں گلے شکوے بڑھنے لگے۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں زبردستی اپنے پاس بٹھائے پھر ان کی گود میں سر رکھ کر لاڈ اٹھوائے۔ کوئی ان کے درمیان نہ آ سکے مگر وہ ایسا کچھ نہ کر سکا۔

خوب صورت چہرہ، مہربان دل والی جہاں آرا ۔وجدان مصطفیٰ کی نفسیات سمجھ نہ سکیں۔ جب دادا جان بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے، اس وقت وہ صحیح معنوں میں اکیلا ہو گیا۔ باہر لوگوں کی بھیڑ تھی۔ سارا خاندان جمع تھا۔ ان کی میت کو قبرستان لے جایا جانے لگا۔ ہر طرف شور آہ و بکا تھی۔ اور وہ ان سے چھپ کر اسٹور روم میں بستروں میں گھسا کانوں پر ہاتھ رکھے گھٹے گھٹے انداز میں رو رہا تھا۔

"کاش...... آپ مجھے ڈھونڈتی ہوئی آ جائیں۔ مجھے سینے سے لگائیں۔ ماں...... کہاں ہو تم آج آج تو مجھے بھی ایک نظر بھر کے دیکھ لو اپنی باہوں میں چھپا لو...... میں بہت ٹوٹ رہا ہوں...... میرا دل...... یہ بہت درد کر رہا ہے، مجھے تمہاری ضرورت ہے...... ماں......"

وہ شدت سے انہیں پکار رہا تھا۔ ان لمحات میں ان سے سارے گلے، شکوے دھول بن کر فضا میں بکھر گئے تھے۔ اسے بس ان کی طلب تھی، وہ چودہ سالہ کمزور سا لڑکا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا مگر جہاں آرا اس دن بھی نہ آ سکیں۔

وہ روتے روتے یونہی غنودگی میں چلا گیا تھا جب ملازمہ زائد بستر نکالنے اسٹور روم میں آئی۔ بستر کھینچتے ہوئے وہ لڑھک کر نیچے گر پڑا۔ ڈر کے مارے اس کی چیخ نکل گئی اس نے نیچے پڑی گٹھڑی کو دیکھا تو وہ وجدان تھا۔ بخار سے اس کا سارا جسم تپ رہا تھا۔ غنودگی، بھبھوکا چہرہ لیے وہ نجانے کیا بڑبڑا رہا تھا۔ وہ بھاگ کر جہاں آرا کو بلا لائی جو نجانے کب سے اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ صدمے سے بت بنی رہ گئیں۔ پھر اس دن رات گئے ریحان، ابو اور حسنہ آپا سب اس کے پاس رہے۔ وہ دادا جان سے کتنا قریب تھا سب ہی جانتے تھے۔

مصطفیٰ صاحب دکھ، تاسف سے نڈھال بیٹھے تھے۔ انہوں نے تھوڑی دیر پہلے ریحان کو کتنا ڈانٹا تھا جسے بھائی کی خبر تک نہ تھی کہ وہ کہاں ہے...... ریحان سر جھکائے سنتا رہا۔ وہ واقعی قصوروار تھا۔ اسے خبر رکھنی چاہیے تھی۔ جہاں آرا دوہرے صدمے سے بے حال سوجی آنکھیں لیے اس کے سرہانے بیٹھی رہیں۔ مدہوشی کے عالم میں اسے اپنے قریب سے وہ نرم ممتا کی خوشبو محسوس ہوتی رہی مگر جب اسے مکمل ہوش آیا تو تاریک کمرے میں وہ اکیلا تھا۔ حسنہ آپی کاؤچ پر سر کیے سو رہی تھیں۔ اس نے آس پاس نظر دوڑائی وہ میٹھی خوشبو کہیں نہیں تھی...... اس کا دل بے ساختہ شکوہ کناں ہوا۔

"امی! آپ اس حالت میں بھی میرے پاس نہیں۔"

اس بات سے بے خبر کہ جہاں آرا کی ساری رات ہی آنکھوں میں کٹی تھی اور وہ آدھے گھنٹے پہلے ہی اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھیں۔ یہ بے خبری و بدگمانی آنے والے چند سالوں میں عجیب کی بے نیازی میں بدلتی گئی۔ وہ ٹھیک ہو گیا۔ سب کچھ معمول کے مطابق ہو گیا۔ جہاں آرا اس واقعے کے بعد سے اس کا خیال رکھنے کی بھرپور کوشش کرتیں، مگر اب اسے ان کی توجہ و محبت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اسٹور

Scanned with CamScanner

digest.library.com

روم میں ہچکیوں سے روتا وہ لڑکا جیسے اس سیاہ رات میں ہی کہیں کھو گیا تھا۔ اب جو تھا وہ کوئی اور تھا۔ اس کے اندر ہلکی ہلکی برف جمنے کا عمل شروع ہو چکا تھا اور اسے خبر بھی نہ ہونے پائی کہ کب وہ بدلتا گیا۔

وہ اپنے اکلوتے دوست، حمزہ کے گھر شوق سے جاتا تھا۔ اس کی کیئرنگ ان کے گھر کا پرسکون ماحول اور اس کی اپنے والدین کے ساتھ مضبوط بونڈنگ۔ اسے بہت اٹریکٹ کرتی تھی اور وہ حیرت سے سوچتا کہ والدین ایسے بھی ہوتے ہی۔ خصوصاً مائیں اتنی کلوز بھی ہو سکتی ہین۔ اب وہ اس کے گھر جانے سے بھی احتراز کرنے لگا۔ اسے ایک ان دیکھی جلن سی ہونے لگی تھی۔ اس کی خوش نصیبی اسے چبھتی اسے یہ سب میسر نہ تھا۔ یہ جلن یہ چبھن اسے حمزہ سے دور لے گئی۔ اس کے سرد رویے کی وجہ حمزہ جان نہ پایا۔ اس کی حد درجہ بڑھی حساسیت کو کوئی سمجھ نہ پایا۔

ریحان بھائی من موجی ٹائپ انسان تھے، ایک سائر تھا۔ جو زبردستی اس کے گرد تنے حصار میں گھس آتا اور وہ چاہ کر بھی اس سے زیادہ دیر لاتعلق نہ رہ پاتا۔ اور اب امی اسے پھر سے ایک ان چاہے ماحول کا حصہ بنانا چاہ رہی تھیں۔ ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔

صبح وہ بھاری ہوتے سر کے ساتھ آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا جب سائر بے دھڑک اندر چلا آیا۔۔۔ اس وقت اس کا دل کسی سے بھی بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ سائر سامنے کھڑا اسے گھورتا گیا۔ کیبنٹ بند کرتا وہ اسے نظر انداز کیے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

”جان سکتا ہوں کہ تم کل کہاں تھے؟“ اس کا چبھتا انداز وہ اسی خاموشی سے موزے پہننے لگا۔

”موبائل بھی تمہارا آف ہے۔ ایسے کون سے کونے میں تھے تم یا ایسی کون سی انوکھی میٹنگ کر رہے تھے تم کہ سب کچھ بند کیے غائب تھے......؟“ اس کی سرد مہری، لاتعلقی کو نظر انداز کیے وہ اسے لتاڑ رہا تھا۔

”گھر میں چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ کیسی ہی ایمرجنسی آ پڑے۔ تمہیں فرق نہیں پڑتا۔ جانتا ہوں میں کہ تمہیں کسی کی پروا نہیں مگر کیا تائی جان بھی اسی ”غیریت“ کے زمرے میں آتی ہیں؟“ وہ ایک لمحے کو ٹھٹکا تھا۔ ”کل کتنی کالز کیں تمہیں...... مگر ہر بار نمبر بند ملتا تھا۔ جانتے ہو کہ ہانیہ اکیلی اسپتال لے کر گئی تھیں تائی جان کو۔“ اس کا پرفیوم چھڑکتا ہاتھ رکا۔ تیزی سے مڑ کر اس نے پوچھا۔

”کیا مطلب......؟ کیا ہوا امی کو......؟“

”بی پی شوٹ کر گیا تھا ان کا۔ گھر پر سوائے چچی اور ہانیہ کے کوئی نہیں تھا۔ وہ ہی انہیں ٹیکسی میں لے کر گئیں۔ ریحان بھائی کام کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی تھے۔ انہوں نے ہی مجھے فون کر کے ہاسپٹل پہنچنے کو کہا۔ تایا ابو خود شوگر کے مریض ہیں۔ میں ابا کو بتا کر وہاں پہنچا راستے میں تمہیں کئی بار فون کیے مگر ہر بار فون نمبر پاورڈ آف تھا۔“

”امی اب کہاں ہیں......؟“ اس نے درشتی سے اس کی بات کاٹی۔

”ابھی ہاسپٹل سے لائے ہیں۔ ساری رات انڈر آبزرویشن رکھا تھا۔ بی پی ان کا کنٹرول نہیں ہو رہا تھا۔“ وجدان کی حالت دیکھتے نرم لہجے میں بتانے لگا۔

”ڈاکٹرز نے برین ہیمبرج کا خدشہ ظاہر کر دیا تھا۔ شکر ہے کہ وہ ٹل گیا۔ میں امی اور ہانیہ تھے ہاسپٹل میں۔ پھر ریحان بھائی آ گئے۔“ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ دل میں ان سے ہزار گلے شکوے سہی مگر محبت تو وہ آج بھی ان سے کرتا تھا حد سے زیادہ، اسے شاکڈ کھڑے دیکھ کر سائر نے نرمی سے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔

”اب بہتر ہیں تائی جان، اپنے کمرے میں۔“ اس کے اعصاب اب بھی تنے ہوئے تھے وہ تیزی سے کمرے سے نکلنے لگا۔

”وجدان......! تایا ابو تمہاری غیر ذمہ داری کی وجہ سے بہت غصے میں ہیں۔ بہتر ہے تم ابھی نہ جاؤ......“ مگر وہ ان سنی کرتا چلا گیا۔

Scanned with CamScanner

امی کے کمرے کے دروازے پر اس کے قدم ست پڑ گئے۔ سینے تک کمبل اوڑھے ان کا وجود ساکت تھا۔ ایک ہی رات میں ان کا سفید چہرہ کیسے زرد ہو گیا تھا۔ مصطفیٰ صاحب راکنگ چیئر پر گرم چادر اوڑھے بیٹھے تھے۔ نگاہیں جہاں آرا کے چہرے پر تھیں۔ آہٹ پر گردن موڑ کر دیکھا۔ وجدان دروازے میں کھڑا ایک ٹک ماں کے نڈھال وجود کو دیکھے جا رہا تھا۔

''اب بھی نہ آتے صاحب زادے ابھی تو سانسیں چل رہی ہیں اس کی۔'' ان کا برہم انداز خاموش فضا میں گونجا۔ وہ سخت ناراض نظر آ رہے تھے۔

''بہتر ہوگا وہیں چلے جاؤ۔ جہاں کل سے غائب تھے۔ ادھر ہی رہو۔'' اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر بھینچ کر ایک نظر ان پر ڈالتا تیزی سے مڑ گیا۔ اندر موجود گلٹ کہ ماں اس کی وجہ سے اس حالت کو پہنچی ہے۔ لمحوں میں غائب ہو گیا۔

☆☆☆

ہانیہ، بیا اور بھابھی مل کر سارا سامان سیٹ کر رہی تھیں۔ رمضان قریب تھا اور حسب روایت عیدی ابھی سے جاتی تھی۔ جہاں آرا اب قدرے بہتر تھیں پر وہ بہت چپ چپ رہنے لگی تھیں۔ اس دن کیا ہوا تھا؟ اس بارے میں انہوں نے ایک لفظ بھی ہونٹوں سے نہیں نکالا تھا۔ ہانیہ بھی لبوں پر قفل لگائے ان کا بھرم رکھ رہی تھی۔ حسنہ اور تانیہ ان کی عیادت کر گئی تھیں، پھر بھی حسنہ آپی کا روز ہی فون آ جاتا۔ وہ ماں کے لیے بہت فکرمند تھیں۔

حقیقت کا علم صرف ہانیہ کو تھا۔ وہ اپنی طرف سے سارا دن ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتی۔ اسے زندگی میں کئی بار اسے وجدان سے عجیب سی بے زاری محسوس ہوئی۔ اس پر غصہ تھا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ تایا ابو کو بتا دے مگر تائی جان کے بھرم میں سوچ میں پڑ جاتی جو اسے مجبور کر رہی تھی کہ اگر وجدان کی نظر میں وہ عام سی لڑکی تھی تو اسے اپنے عام ہونے پر فخر تھا۔ وہ اس جیسی ''خاص'' تھی نہ ہی بننا چاہتی تھی۔ جو اپنے سے جڑے رشتوں کو بوجھ تصور کرتا تھا۔ جس کے سخت الفاظ اس کو ہرٹ کر دیتے تھے۔ جس کی اکتائی نظریں بے زار رویے دوسروں کو تکلیف دیتے تھے۔

وجدان اس دوران جتنی بار بھی جہاں آرا کے پاس آیا وہ اسے نظر انداز کر گئیں۔ انہیں یہ غم گھن کی طرح کھا رہا تھا کہ ان کی اپنی اولاد انہیں غاصب سمجھتی ہے۔ انہوں نے ساری زندگی اپنی خواہشوں کو نظر انداز کر کے فرائض نبھانے میں گزار دی کہ ان کی ذات سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ لمحہ بھر میں ان کی ساری ریاضتیں خاک ہو گئیں۔ انہوں نے وجدان سے کہہ دیا۔

''جو تمہاری خوشی ہے تم وہی کرو۔ مجھے بتاؤ کب رشتہ لے کر جانا ہے۔'' اور وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

نیچے اترا تو ہال کمرے میں رونق لگی ہوئی تھی۔ سائر سر تھامے بھانت بھانت کی ہدایات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''پلیز معزز خواتین...... آپ سے التماس ہے کہ سب ایک ہی وقت میں نہ بولیں میری سماعتوں تک یہ جملے پہنچتے تک کچھ سے کچھ بنتے جا رہے ہیں۔ جیسے ابھی مجھے لگا کہ فرمایا گیا ہے کہ آپی کو ریحان کے پیلے دانت پسند ہیں۔ کالا چہرہ کر کے آنا......'' اس بات پر سب چیخ اٹھیں۔

''میں نے کہا تھا کہ آپی کو پیلا شاپر میری طرف سے دینا۔'' مونا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اور میں نے کہا تھا کہ ریحان کے دانت میں درد ہے۔ میڈیسن لا دو......'' بھابھی نے بھی جواباً آنکھیں دکھائیں۔ بیا اور ہانیہ مسکرائیں۔

''تو پسند اور کالا منہ کس کے جملے میں تھا۔'' اس نے دہائی دی۔

''وہ میں تھی بیٹا جی...... یہ پیزے ہیں تانیہ کو بہت پسند ہیں۔'' چاچی نے اس کے کان کھینچے۔

''اور کالا سوٹ اور منہ پر لگانے والا کھیر کا اٹن

بھی میں نے کہا تھا۔'' زور بڑھا۔
''اف۔ چھوڑ دیں میرا کان۔ چاچو پر آزمانے والے اگر آپ مجھ معصوم پر تو مت آزمائیں۔''
''میں بھلا اپنے میاں کے کان کیوں کھینچنے لگی......؟ وہ کوئی تمہاری طرح تھوڑی ہیں۔''
''اچھا......تو ہر وقت ان کی شکایتیں کون کرتا ہے۔ یقیناً انہیں منا سمجھ کر کان بھی مروڑتی ہوں گی۔''
وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ چچی ''نیور مائنڈ'' کا نیون سائن چہرے پر سجائے بے نیازی سے مسکرائیں۔
''بیٹا تم اپنی خیر مناؤ......بیا بہت اچھی ٹیچر ہے۔'' بھابھی نے شوخی سے آنکھیں نچائیں۔ ان کے بچوں کو اکثر وہ پڑھاتی تھی۔
''ہمیں تو حسرت ہی رہی کہ کبھی کوئی ہمیں پڑھ سکے۔'' اس کا انداز اگرچہ حسرت آمیز تھا مگر آنکھوں میں ناچتی شرارت۔ بیا جھینپ گئی۔ سب اب اس کا مذاق اڑانے لگیں۔ مگر وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا مسکرائے جا رہا تھا۔ وہ دوبارہ ہال میں گاڑی کی چابی لینے آیا۔ اس کی گاڑی اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔
''ارے آیئے آیئے جناب وجدان مصطفیٰ صاحب! اس کار خیر میں آپ بھی حصہ لیں۔'' اس کی بات نظر انداز کرتا گاڑی کی چابی مانگنے لگا۔ اسے دیکھ کر ہانیہ کے اندر عجیب سی ناگواری اٹھی تھی وہ سر جھکا کر سارا سامان اکٹھا کرنے لگی۔
''گاڑی تو میں لے کر جا رہا ہوں......آپیوں کی عیدی اور تہوار دینے جانا ہے۔'' سائر نے سامنے رکھے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔
''تم ٹیکسی کر لینا۔ مجھے ایک جگہ ضروری پہنچنا ہے۔'' اس کا انداز بہت لیے دیئے تھا۔
''تو ٹیکسی تم کر لونا۔ اتنا زیادہ سامان ہے۔ وہ کیسے ٹیکسی میں فٹ ہو سکے گا۔'' بھابی نے تو مناسب بات ہی کی تھی مگر جس طرح وجدان نے جواب دیا وہ سب ایک لمحے کو چپ رہ گئے۔
''میں آپ سے بات نہیں کر رہا۔ سائر! چابی دے رہے ہو یا نہیں......؟''
اور سائر کے کچھ بھی کہنے سے پہلے ہانیہ نے سر اٹھا کر اسے بہت اعتماد سے دیکھا۔
''سوری......سائر کے ساتھ میں بھی جا رہی ہوں اور پھر ہمیں مارکیٹ بھی جانا ہے۔ آپ کیب کروالیں۔'' اس کا اٹھا ہوا سر اور آنکھوں میں سرد مہری وہ چونکا، سب ہانیہ کو دیکھنے لگے۔ سائر بھی حیران تھا کہ یہ پروگرام کب بنا......؟
''اوکے......ویل......'' ایک سلگتی نظر اس پر ڈالتا وہ تیزی سے چلا گیا۔
''کون سی مارکیٹ جانا ہے میرے ساتھ؟'' سائر نے اس کے جانے کے بعد ہانیہ کو گھورا۔
''کسی بھی نہیں......چلیں آپ نکلیں۔ سامان سب سیٹ ہو گیا ہے۔'' وہ بڑے نارمل انداز میں بولی۔
''تو پھر اس سے جھوٹ کیوں بولا؟'' سائر متاسف ہوا۔ وجدان کے رویے کے پیچھے پلتی سلگتی محرومیاں وہ کب کی کھوج چکا تھا۔ اور اس کی خبر وجدان کو بھی نہ ہو سکی تھی۔
''انہوں نے بھابھی سے کتنے برے طریقے سے بات کی......''
''اٹس اوکے ہانی......!'' وہ پھیکے انداز میں مسکرائیں چچی کو بھی اس کا انداز نہیں بھایا تھا۔
''ہر بات میں اوکے نہیں کہتے بھابھی۔ خود کو ویلیو دیں گی تو دوسرے بھی آپ کی قدر کریں گے۔ پھر آپ ہمارے گھر کی عزت ہیں سو انہیں بھی سیکھنا چاہیے کہ عزت کو عزت کیسے دیتے ہیں۔''
اس کے تیور سب کو چونکا رہے تھے، سنجیدگی سے بولتی وہ آخر میں قدرے رنجیدہ ہو گئی۔ بیا بھی وجدان کی وجہ سے شرمندہ تھی مگر جس کو احساس ہونا چاہیے تھا وہ ویسا ہی تھا بے حس اور کرخت......

☆☆☆

غزل اپنی نئی جاب کی وجہ سے بہت خوش تھی۔ اسی خوشی میں اس نے ڈنر دیا تھا۔ ڈنر کے بعد وجدان نے پوچھ لیا کہ وہ کب گھر والوں کو لائے۔ وہ دلکشی

Scanned with CamScanner

سے مسکرائی۔ اولیو گرین لانگ شرٹ اور میرون کیپری کے ساتھ اس نے میرون بیگ اور میرون ہیلز پہن رکھی تھیں۔ ہیزل لینس لگائے اس کا ہیئر کٹ بھی بدل چکا تھا۔ وہ اس وقت مرکز نگاہ تھی ہمیشہ کی طرح۔

digest library.com

”تم جب چاہے انہیں لا سکتے ہو۔“ ایک من پسند زندگی سامنے تھی مگر وہ اندر سے پوری طرح خوش نہیں تھا۔ جہاں آرا کی گہری چپ اس کے اندر دراڑ ڈال رہی تھی۔ ”ویسے تمہاری فیملی کو میرے کیریئر پر اعتراض تو نہیں ہوگا......؟“ وہ جانتا تھا کہ اپنے کیریئر کو لے کر وہ کتنی سنجیدہ تھی۔

”نہیں......اگر انہیں ہوا بھی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ اور وہ سر جھٹک کر ادا سے بولی۔

”تم کیا ان سے الگ رہو گے۔ یعنی ہم دونوں......“ اس کا سوال بہت اہم تھا۔ ایک لمحے کو وہ کچھ بول نہ سکا۔ اس نہج پر تو اس نے سوچا نہیں تھا۔ بالوں کی لٹ کو انگلی پر لپیٹے وہ اسے منتظر نظروں سے دیکھے گئی۔

”اگر مشکلات بڑھیں تو علیحدہ ہو جاؤں گا۔“ وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ آنکھیں سکوڑے جانچتی نظروں سے اسے دیکھے گئی پھر نجانے کیا ہوا کہ بے ساختہ ہنس دی۔ وہ اس کی یہ بے وجہ ہنسی سمجھ نہ پایا۔

”اوہ گاڈ......ہاؤ لکی آئی ایم......یعنی تم میری خاطر انہیں بھی چھوڑ سکتے ہو۔ کانٹ بلیو اٹ۔ بٹ ایکچوئیلی اٹ از ٹرو۔“ وہ ذرا رکی۔ پھر اسے دیکھا۔

”اتنی محبت کرتے ہو تم مجھ سے؟“ اس کی آنکھوں میں دیکھتی اس نے اچانک پوچھا اور ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ فوراً اقرار کر لیتا مگر لفظ محبت پر اس کے اندر اچانک درد آمیز سناٹا ایسے بھی چونکا گیا۔ یہ خالی پن کیوں تھا۔ کیا یہ محبت تھی۔؟ چاہت تھی یا ضد......یا اس کے اندر پلتی حسرتیں۔ اسے جواب نہ مل سکا۔ غزل اب تک منتظر تھی۔ ایک گہری سانس اندر دباتے اس نے پوچھا۔ ”تم نہیں کرتیں کیا؟“ دل کو تصدیق کے لیے سامنے والے کا جواب چاہیے تھا۔

”ہوں......محبت نہیں۔ یہ پسند ہے۔ ہاں۔ میں تمہیں پسند ضرور کرتی ہوں۔“

اس کا جواب ایمان داری پر مبنی تھا۔ بغیر کسی لاگ لپیٹ کے یہ جواب وجدان کو نجانے کیوں پرسکون کر گیا۔

☆☆☆

رمضان کی چونکہ آمد آمد تھی تو اس بار رفعت ہی ساری تیاری کروا رہی تھیں۔ ان کے ہاں رمضان میں ہر چیز کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ چاندنی اپنی چھوٹی بہنوں کو بھی لے آئی تھی۔ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ مل کر سارے کام نپٹا رہی تھیں۔ طرح طرح کی گھریلو چٹنیاں۔ مربے۔ رول اور کباب بنا کر رکھے جا رہے تھے۔ جہاں آرا نے اس بار کسی چیز میں حصہ نہیں لیا۔ اور ان کی صحت کے پیش نظر کسی نے اتنا محسوس بھی نہیں کیا تھا مگر ہانیہ انہیں زبردستی باہر گھسیٹ لائی۔ انہیں اکیلا چھوڑ دینے کا مطلب ان کے ڈپریشن میں اضافہ کرنا تھا۔ حالانکہ رفعت نے ڈانٹا بھی کہ انہیں آرام کرنے دے مگر وہ جتا نہ سکی کہ بجائے آرام کے وہ اندر ہی اندر زہریلی سوچوں میں الجھی رہتی ہیں۔ اس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔

وہ ادھر آ کر بہل گئیں۔ پھر ان کے مشوروں سے ساری تیاری ہوئی۔ گھر میں چونکہ بچے بھی تھے تو ان کے لیے بھی علیحدہ سے ضرور اہتمام ہوتا تھا اور گھر کی بنی فریز کرنے والی چیزیں بھی زیادہ مقدار میں بنتی تھیں۔ ہانیہ انہیں بہت اہمیت دے رہی تھی جس عورت نے ساری زندگی ایثار و قربانی کی نذر کی، محبتیں بانٹیں، اب انہیں بھی یہ احساس دلانا بہت ضروری تھا کہ یہ مکین بھی انہیں اتنا ہی چاہتے ہیں۔ اتنا ہی اہم سمجھتے ہیں، جتنا ان کا حق ہے۔ ان کی قربانیاں ہیں۔

پھرتی سے کام کرتی۔ چہرے پر ازلی مسکراہٹ سجائے ہانیہ کو جہاں آرا ایک ٹک دیکھے جا رہی تھیں۔

رمضان کا اعلان ہوا اور وہ نماز کے بعد ذکر میں معروف تھیں۔ ہانیہ چائے کا کپ سائیڈ پر رکھ کر جانے لگی تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

Scanned with CamScanner

ہانیہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئی۔
انہوں اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔
''تم سب جانتی ہونا......'' نہ ہی تمہید نہ کوئی استفسار۔ انہوں نے جس یقین سے کہا تھا وہ انکار چاہ کر بھی نہ کر سکی۔ آہستگی سے سر ہلا دیا۔
''آپ فکر مت کریں تائی جان۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔''
اس کے یقین دلانے پر وہ پھیکا سا مسکرائیں۔
''جانتی ہوں۔ مگر اب مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے اس حقیقت کو مان لیا ہے کہ وجدان کی محبت میں میرا حصہ اتنا نہیں کہ اس کے فیصلوں کے دائرے تک جاتا ہو جب بے یقینی ختم ہو جائے۔ خوش گمانی کا پرندہ اڑ جائے تو حقیقت سے سمجھوتا کرنا آسان ہو جاتا ہے، مشکل سے ہی سہی مگر میں نے اپنی حیثیت کا تعین کر لیا ہے۔ سو احساس بھی کم ہو رہا ہے۔''
الفاظ کے برعکس ان کی آنکھوں میں نمی سارا پول کھول رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ جھک کر ان کے ہاتھوں کو چوما۔
''آپ کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے اور کتنی ہے یہ کوئی ہمدانی ولا کے مکینوں سے پوچھے۔
آپ نے ساری زندگی سب کے حقوق کا خیال رکھا، کبھی کسی کا برا نہ چاہا، نہ کسی کے ساتھ برا کیا۔ آپ جیسے لوگ تو نایاب ہوتے ہیں تائی امی۔ آپ کے صاف دل کا عکس تو آپ کے چہرے پر نور کے ہالے کی طرح جگمگاتا ہے پھر آپ کیوں ایسا سوچ رہی ہیں۔''
''وجدان...... وہ تو مجھے غاصب سمجھتا ہے۔''
تکلیف سے جملہ ادا کرتے ایک آنسو آخر کار ضبط کی حد بندی توڑ کر لڑھک آیا۔
''انہیں بھی حقیقت کا جلد ادراک ہو جائے گا۔ وہ لوٹ آئیں گے معافی کے طلب گار بن کر۔'' اس کا حوصلہ ان کی ڈھارس بن گیا۔ اس کے سادہ پر وقار چہرے کو بغور دیکھتے، انہوں نے نجانے کیسا سوال پوچھ لیا۔
''کیا تم اسے قبول کر لو گی؟ میرے کہنے پر......''
سوال تھا یا ایک پہاڑ جسے سر کرنا آسان نہ تھا۔ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔ کیا مانگنا چاہ رہی تھیں۔ کیسی خواہش کر رہی تھیں؟ ان آنکھوں میں ڈولتی امید کی ڈور اس کی طویل خاموشی سے ڈگمگانے لگی۔ کسی کا مان رکھنا کیسی آزمائش میں دھکیل دیتا ہے اس کا مثبت جواب ان کو زندہ کر سکتا ہے۔ فیصلہ کٹھن تھا۔
''آپ کی خوشی کی خاطر تائی جان......صرف آپ کی خاطر......'' گہری یاسیت زدہ سانس کو سینے میں دباتے اس نے ان کے ہاتھوں کو دبایا۔ ان کی نیم مردہ آنکھیں جگمگا اٹھیں۔
''جیتی رہو......خوش رہو۔ تم نے مجھے جیسے پھر سے زندہ کر دیا ہو۔ ہانیہ...... میں اب روز رب سے اس کے لوٹ آنے کی دعا کروں گی۔ اس کا دل بدل جانے کی دعا کروں گی۔ تم نے میرا مان رکھ لیا۔''
اس کی روشن پیشانی کو چومتے ہوئے وہ کتنے دنوں بعد دل سے مسکرائی تھیں اور ہانیہ......اس کے دل کا کیا......؟

☆☆☆

اور رات پہلی تراویح کے بعد وہ سب کچن میں تھیں جب پراٹھے بناتی وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔
''لوگ نجانے کیوں سمجھتے ہیں کہ ان کی ایک نظر التفات کے لیے کوئی ہر وقت پلکیں بچھائے ان کا منتظر رہے گا۔'' اندر آئے وجدان کو یوں لگا جیسے اس پر طنز کیا گیا ہو۔
''ہیں......یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے......''
بیا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔
''لگتا ہے فلسفہ پڑھ رہی ہیں یہ۔'' مونا نے اچار کے ساتھ پراٹھا کھاتے اندازہ لگایا۔ وجدان اندر آچکا تھا۔ بیا فوراً باادب ہو کر اس کی طرف بڑھی شاید اسے کچھ چاہیے۔ وجدان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"زندگی بھی تو کسی فلسفے سے کم نہیں جو نظر آتا ہے وہ ویسا نہیں ہوتا۔ اور جو جیسا ہوتا ہے دکھتا نہیں۔ پرت در پرت چہرے، باہر سے اجلے۔ اندر سے میلے۔ فریب سے پر۔" اسے وجدان کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ میڈیسن باکس سے ٹیبلٹ نکال رہا تھا۔ پراٹھا پک چکا تھا۔ اس نے چولہا بند کیا اور ٹیبل پر آکر بیٹھ گئی۔ تائی جان کا مان کرلینے کے چکر میں وہ اپنی نسوانی پندار کا سودا کر بیٹھی تھی۔

"لگتا ہے پھر کسی نے تمہارے خلوص سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنا الو سیدھا کیا ہوگا۔" وہ جتنی پرخلوص اور بامروت تھی اکثر اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوتی جاتی بیا کی مدھم سرگوشی پر مونا نے بھی سر ہلا کر تائید کی۔

"دوسروں کو دکھ دے کر لوگ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ وہ خود بھی خوش ہو جائیں گے۔ یہ عمل ردعمل کا کھیل ہے آپ کا کیا پلٹ کر آپ کے پاس ہی آتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے پراٹھا کھاتی بول رہی تھی۔ پانی پیتے وجدان کو ناگوار لگا۔

"جو کرتے ہیں اسے بھگتتے بھی ہیں۔ پھر چاہے لاکھ تاویلیں دیں۔ خود کو جسٹفائی کریں ضمیر کے کوڑے بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اگر ضمیر زندہ ہو تو......"

اب تو وہ دونوں بھی ٹھٹکیں۔ تلخ لہجہ۔ چبھتی نظریں اور الفاظ...... وجدان نے جھٹکے سے گلاس رکھا اور پلٹ کر قدرے ترشی سے اسے دیکھا جو پراٹھا کھاتے ہوئے اطمینان سے ان دونوں سے مخاطب تھی۔

"فلسفہ صرف بولنے کی حد تک ہی اچھا لگتا ہے۔ جو جھیل چکے ہوں ان کی تکلیف وہ ہی جانتے ہیں۔ باقی تو صرف لفاظی ہی کر سکتے ہیں۔" وہ کیا جتانا چاہ رہا تھا۔ ہانیہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ وہ جا چکا تھا۔ بیا اور مونا قدرے ناسمجھی سے وجدان کے جملے اور اس کے چہرے پر پھیلی ناگواری میں ربط ڈھونڈتی رہ گئیں۔

☆☆☆

شروع کے چند روزے تو افراتفری میں گزر گئے۔ مصطفیٰ صاحب شوگر کے مریض تھے مگر روزہ قضا نہیں کرتے تھے۔ سب سے برا حال تو علی اور مونا کا ہوتا۔ دونوں کو بھوک بہت لگتی تھی لہٰذا سارا دن انہیں اپنی جگہ سے ہلانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا۔ بھابھی کی البتہ بری ہوئی ان کے دونوں بچوں کے فائنل ٹرمز آنے والے تھے اور اسکول جانا لازمی تو وہ سحری کے بعد سو ہی نہیں پاتیں، بچوں کو ناشتا کرا کے لنچ بنا کر بھیجنے کے بعد وہ بس ذرا دیر ہی سو پائیں کہ حنان صاحب بیدار ہو جاتے پھر تو لاکھ بہلاوے بہلتے ہی نہیں۔

سائر ریحان اور چاچو آفس چلے جاتے، مصطفیٰ اور مرتضیٰ صاحب رمضان میں تھوڑی دیر اور ضرورت کے وقت ہی آفس جاتے تھے۔ تائی جان کو کوئی روزہ رکھنے نہیں دے رہا تھا۔ ایک دو روزوں کے بعد انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی اور روزے رکھنا شروع کر دیے۔ ہال میں اتنا لمبا دسترخوان بچھتا جس پر طرح طرح کی نعمتیں ہوتیں۔

سائر بڑوں کی موجودگی میں بہت باادب رہتا، جونہی وہ اٹھتے تو اس کی جولانیاں عروج پر پہنچ جاتیں۔ شروع عشرے، مالز اور مارکیٹس کے چکر لگنے لگے۔ وجدان نے جہاں آرا سے کہہ دیا کہ وہ عید کے بعد رشتہ لے جائیں۔ سونیا آنٹی کو بھی اس نے آگاہ کر دیا۔ انہیں تو پہلے یقین ہی نہیں آیا پھر محظوظ انداز میں سر ہلا کر مسکرا دیں۔ ان کے انداز اسے بھی ناگوار لگے مگر ضبط کر گیا۔

رات کو کمرے میں مصطفیٰ صاحب آئے تو جہاں آرا نے بات چھیڑ دی۔ انہوں نے حتی الامکان بات کو بڑے ہلکے پھلکے انداز میں بیان کیا۔ وہ محتاط تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے کسی تاثر سے یہ لگے کہ ان کی مرضی اس میں شامل نہیں مگر یہ سن کر مصطفیٰ صاحب کتنے لمحے تو بےیقینی سے چپ رہے۔

"جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟" وہ حیران تھے کہ

Scanned with CamScanner

جہاں آرا سب کچھ جانتے ہوئے بھی یہ بات اتنے اطمینان سے کہہ سکتی ہیں۔" جی۔ وجدان نے مجھ سے ذکر کیا تو میں نے اس پر سوچا۔ مجھے تو کوئی برائی نظر نہیں آئی۔"

"اوہ۔ تو صاحب زادے کی منشا ہے یہ۔"

"اس میں کوئی حرج تو نہیں مصطفیٰ صاحب!"

"یہ آپ کہہ رہی ہیں جہاں آرا......؟ کیا۔ ماضی میں جو کچھ ہوا وہ نہیں جانتیں؟ سونیا کی نفرت کا آپ سے بڑھ کر گواہ کون ہوگا۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ کوئی حرج نہیں۔" ان کا انداز برہمی لیے ہوئے تھا۔

"اس بات کو ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ اب تو ہر شے پر وقت کی دھول پڑ چکی ہے۔ پھر غزل اچھی لڑکی ہے۔"

"مگر اس کی ماں کیسی ہے۔؟ اس کا واپس آنا۔ بے وجہ نہیں تھا۔ وہ پھر سے ہماری زندگیوں میں کوئی نیا طوفان لانا چاہتی ہے۔ تم وجدان کو صاف صاف جواب دے دو۔ اس گھر کو جوڑتے میں، میں نے تم نے ایک عمر گزاری ہے اور سونیا کی بیٹی اسے ایک لمحے میں بکھیر دے گی۔"

ان کا غصیلا انداز اٹل تھا۔ اسی کا انہیں خدشہ تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وجدان باپ کے مقابل آئے۔ وہ بستر پر دراز ہوئے اور ہاتھ بڑھا کر لیمپ جلالیا۔

"اور ہاں...... اگر یہ خناس صاحب زادے کے دماغ سے آسانی سے نہ نکلا تو پھر اپنا ٹھکانہ کہیں اور کرلے۔" اور وہ ان کو دیکھتی رہ گئیں۔۔۔ وہ جو سمجھانا چاہ رہے تھے وہ ان کی پریشانی بڑھا گیا۔

وجدان سے فی الحال مصطفیٰ صاحب کی بات کا ذکر نہیں کیا۔ وہ سارے معاملے کو کسی طرح تنازعے کے بغیر حل کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی دعائیں طویل تر ہونے لگیں۔

☆☆☆

موسم سرد تھا اور وجدان کی طبیعت بھی قدرے خراب تھی۔ تین بجے کا وقت تھا۔ جب دونوں بھائی ماں کو سویا دیکھ کر اپنے ساتھ حنان کو بھی کھینچ کر صحن میں لے آئے۔ سب روزے سے تھے اور اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ دونوں بڑے بھائی حنان کو اپنی سائیکل پر بٹھا کر گول گول گھمار ہے تھے۔ حنان تو پہلے خوش ہوتا رہا پھر بڑھتی رفتار سے ڈر کر رونے لگا۔ دونوں باز آنے کے بجائے گھمار ہے تھے۔ حنان کے رونے اور ان کے کھلکھلانے کی آوازیں صحن میں گونج رہی تھیں۔ اسی چکر میں سائیکل الٹی اور حنان لڑھکتا ہوا سائیکل سے گرا۔

دونوں بھائی بجائے اسے اٹھانے کے لیے آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ صحن لمحوں میں میدان جنگ میں تبدیل ہو گیا۔ حنان کی چیخیں اور ان کی بلند آوازوں سے ڈسٹرب ہو کر وجدان سرخ آنکھیں لیے بالکونی میں آیا تھا۔

"یہ کیا شور مچار کھا ہے تم تینوں نے۔" وہ دھاڑا تھا۔ سر کا درد اوپر سے ان کی آوازیں۔ اس کا پارہ چڑھ گیا۔ وہ بگڑے تیور لیے مزید گرجا۔ وہ دونوں سہم کر رک گئے۔

"ذرا تمیز نہیں تم لوگوں میں۔ سارے گھر کو سر پر اٹھار کھا ہے۔ نہ دن کا سکون نہ رات کا آرام ہے۔ گھر ہے کہ چڑیا گھر۔" شور کی آواز سن کر رفعت چچی اور چھوٹی چچی سمیت سب باہر نکل آئے۔ "کیا ہوا...... کیوں اتنے غصہ میں ہو؟"

سہمے بچے ہانیہ کو دیکھ کر اس کے پاس آ گئے۔ ہانیہ نے انہیں ساتھ لگایا۔ بیا نے روتے حنان کو دیکھا تو اس کی طرف بڑھی۔

"اس گھر میں بندہ دو گھڑی سکون سے سو سکتا ہے کیا؟ ہر وقت شور شرابا۔ آئے دن ہنگامہ۔ اوپر سے ہماری بھابھی صاحبہ کو سوائے اپنے آرام و سکون کے علاوہ کسی اور چیز سے سروکار نہیں۔ بچوں کو صرف پیدا کرنا کمال نہیں ہوتا۔ ان کی تربیت بھی کرنی ہوتی ہے۔" اس کے جو منہ میں آیا بولتا گیا۔

روزہ افطاری پر بھی ان کی چخ چخ وہ بڑی مشکلوں سے برداشت کرتا تھا، یہاں کھڑا اپنی بھڑاس

Scanned with CamScanner

نکال رہا تھا۔ صبوحی بھابھی جو نیند سے اٹھ کر ابھی آئی تھیں ہکا بکا اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ بیا کے چیخنے پر اس کی طرف لپکیں۔

حنان کے سر سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا اور رو رو کر اس کا گلا بھی بیٹھ گیا تھا۔ بھابھی نے بے ساختہ اس کا منہ ہاتھ سے صاف کیا۔ سب ہی ادھر دوڑے۔

"حنان......حنان......" ماں کو دیکھ کر وہ سسکنے لگا۔ اس کی حالت دیکھ کر وجدان خاموش ہو گیا تھا۔

"جلدی سے پایوڈین اور بینڈیج لاؤ۔" ......

چچی دوپٹہ سے اس کے زخم کو دبائے خون روک رہی تھیں۔ بھائی کو اس حال میں دیکھ کر دونوں بڑے بھائی بھی ڈر کر رونے لگے۔ ہانیہ نے احمد کو انہیں لے جانے کا اشارہ کیا۔ وجدان نیچے اترا۔ بھابھی رو رہی تھیں۔

رفعت انہیں تسلی دے رہی تھیں۔ "بھئیں آپ۔ اب رونے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ذمہ داری سے ان کا خیال رکھتیں تو یہ حال نہ ہوتا اس کا۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں کڑوا سا طنز در آیا۔ سب ہی کو برا لگا۔

"آپ اپنی خدمات اپنے پاس ہی رکھیں۔" پیچھے سے آتی مصطفیٰ صاحب کی غصیلی آواز پر سب نے مڑ کر دیکھا۔ وہ شاید نیند سے اٹھ کر آئے تھے۔

"یہ گھر یہاں کا ماحول اگر آپ کے معیار کا نہیں تو بوریا بستر سمیٹ کر ادھر چلے جائیں جو آپ کے شایان شان ہو۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"جاؤ بیا......میری گاڑی کی چابی لاؤ۔" انہوں نے بیا کو حکم دیا پھر مونا سے پٹی لے کر کس کر حنان کا زخم باندھا۔

"اور آئندہ اگر تم نے صبوحی سے بدتمیزی کی کوشش کی یا میرے گھر کی رونقوں کو برا بھلا کہا تو پھر اپنا ٹھکانہ کسی ویرانے میں کر لینا۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا۔" وہ اس کے تیور کئی دنوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے روتی ہوئی صبوحی کو اشارہ کیا۔ وہ چلے گئے اور سب تاسف سے اسے دیکھ رہے تھے جو غصہ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا۔ سب کچھ سنتی جہاں آرا نڈھال سی بیٹھی سوچ رہی تھیں اس کے اندر اتنا زہر کس نے بھرا تھا۔ کب وہ اتنا کڑوا ہو گیا؟ انہیں خبر ہی نہ ہو سکی۔ حنان کے تین ٹانکے آئے تھے۔ سائیکل کا لیور اس کی کنپٹی سے ذرا اوپر بالوں میں لگا تھا۔

☆☆☆

ڈھائی سالہ حنان واپسی پر سو چکا تھا۔ بھابھی بہت چپ چپ تھیں۔ سب نے ان کے آنے پر سکھ کا سانس لیا۔ حنان کو سویا دیکھ کر کوئی ان کے کمرے میں نہیں گیا کہ اس کی نیند خراب نہ ہو۔ وجدان کے رویے کی وجہ سے مصطفیٰ صاحب کو سخت غصہ بھی تھا اور افسوس بھی۔

وہ جس طرح تمیز و تہذیب بھلائے گرج رہا تھا۔ اسے سن کر انہیں یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ ان ہی کا بیٹا ہے۔ ان کے خاندان میں آج تک کسی مرد کو یوں گھر کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ رویہ اپنانے کی جرات ہوئی نہ یہ ان کی روایت تھی۔ وہ نجانے کس ڈگر پر چل نکلا تھا۔ اور ان کا فیصلہ مزید اٹل ہو گیا۔ سونیا کی بیٹی اس گھر میں کسی صورت نہیں آئے گی۔ ریحان اور سائر معمول کے مطابق گھر آئے تو ماحول میں تناؤ محسوس کیا۔ روز والی رونقیں مفقود تھیں۔ ریحان اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور پھر جب بھابھی اور بچے افطار پر دستر خوان پر نہیں آئے تو مصطفیٰ صاحب کے استفسار پر وہ بہت سنجیدگی سے بولا۔

"میرے بچوں کو تمیز و تہذیب نہیں ہے۔ نا ہی وہ یہاں بیٹھنے کے قابل ہیں ابو۔ بہتر ہے کہ وہ اندر ہی رہیں۔ لوگوں کو ان کی موجودگی سے کوفت ہوتی ہے۔ بہتر ہے ان کو مزید بے سکون نہ کروں۔"

سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔ ریحان نے کبھی کسی بات کو یوں مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ مگر آج ٹومی کا رونا اور بیٹے کی حالت دیکھ کر اسے بہت

دکھ ہوا۔ گلہ تو وجدان سے تھا جو ان معصوموں کو معیبت تصور کرتا تھا۔ پھر وہ بھی جلد ہی دسترخوان سے اٹھ گیا۔ سب ہی نے بے دلی سے افطار کی۔

سائرہ کو جب سارے واقعہ کا علم ہوا تو اسے وجدان پر سخت تاؤ آیا۔ لگتا ہے کہ موصوف نے عقل بھی عشق میں گروی رکھوالی تھی۔ وجدان تو صرف کھجور سے ہی افطار کر کے اٹھ گیا۔ پھر نماز کے بعد وہ گھر ہی نہیں آیا۔ ہانیہ اس واقعے کے بعد سوچ رہی تھی کہ اس نے تائی جان کی خوشی کی خاطر کیسے گھاٹے کا سودا کر لیا ہے۔ دل الگ مضطرب تھا اور اصل بدمزگی اگلے دن ہوئی جب بھابھی اپنا اور بچوں کا سامان پیک کر کے میکے چلی گئیں۔ جہاں آرا ان کے اجازت مانگنے پر کیا کہتیں۔ وہ حق بجانب تھیں۔

وجدان کے رویئے کو وہ کیوں اور برداشت کرتیں۔ کتنے عرصے سے وہ اس کی باتوں کو نظر انداز کر رہی تھیں، مگر کل جس طرح اس نے سب کے سامنے ان کی بے عزتی کی پھر بعد میں بھی وہ حسان کو پوچھنے تک نہ آیا۔ نہ کوئی معذرت نہ شرمندگی۔ وہ خود کو حق بجانب سمجھ رہا تھا اور اس مقام پر وہ اپنا ظرف بڑا نہ رکھ سکیں۔ ریحان کی رضامندی سے وہ میکے گئی تھیں۔ گھر اچانک سے سونا سونا ہو گیا۔ کہاں عید کی تیاری کے پروگرام بن رہے تھے۔ کہاں سب ہی گم صم بے دلی سے افطاری کی تیاری کر رہے تھے۔ اوپر سے موسم بھی عجیب ہی ہو رہا تھا۔ بادل اور دھند بھرا، مصطفیٰ صاحب گھر آ کر جب حسان کی طبیعت کا پوچھنے ان کے کمرے میں گئے تو خالی کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ انہوں نے سامنے سے آتی عائزہ سے پوچھا۔

"بھابھی تو چلی گئیں۔" اس نے سادگی سے بتایا۔ وہ چونکے۔

"کب......؟"

"صبح ہی چلی گئی تھیں۔" اور ان کا دماغ گھوم گیا۔ افطاری کے وقت وہ ریحان پر برس پڑے۔ وہ سر جھکا کے ان کی لعن طعن سنتا رہا۔ کیسا روزہ، کیسی افطاری۔ سب کا جی مکدر ہونے لگا۔

"ابو! اسے کچھ وقت چاہیے۔ پھر بچوں کی موجودگی یہاں لوگوں کو چبھتی ہے۔" ریحان نے وجدان کو دیکھ کر صاف کہا اسے غصہ آنے لگا۔ کل سے ایک ہی بات سن سن کر وہ پک چکا تھا۔ ایسا کون سا گناہ کر دیا تھا یا سانحہ ہو گیا تھا۔ جو سب ہی اسے ملامتی نظروں سے گھورتے ہیں۔

"آپ بات کو بلاوجہ بڑھا رہے ہیں۔"

"تم کئی بار طنز نہیں کر چکے کہ انہیں تمیز کی اشد ضرورت ہے۔"

"تو غلط تو نہیں کہتا میں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم اپنے بچوں کی صحیح تربیت نہیں کر رہے۔" ریحان تیز ہوا۔

"میری رائے نہ ہی مانگیں تو بہتر ہوگا۔ بھابھی کی آرام طلبی اور بچوں کی تمیز سب پر واضح ہے۔" اس کی برداشت بس یہیں تک تھی۔ ریحان سے یوں بحث کرنے کا نہ ہی ارادہ تھا نہ ہی یہ وقت۔ سب افطاری چھوڑ چھاڑ کر ان دونوں کو استعجاب سے دیکھ رہے تھے۔ جنہیں نہ وقت کا احساس تھا نہ ہی بڑوں کی موجودگی کا۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟ تم خود کیا ہو۔ ایک اکھڑ، بدمزاج بدلحاظ انسان۔" ریحان کا کڑوا طنز اسے سلگا گیا۔ جہاں آرا کو بے چینی ہوئی۔ خود مصطفیٰ صاحب دم بخود تھے۔

"ریحان چپ کر جاؤ۔" جہاں آرا نے انہیں چپ کروانا چاہا۔

"جو بھی ہوں۔ کم سے کم منافق نہیں ہوں سب کی طرح۔"

"یعنی ایک آپ ہی بہترین صاف گو انسان اور ہم سب منافق ہیں اب......"

"ریحان! وجدان! خاموش ہو جاؤ۔" مصطفیٰ صاحب دھاڑے۔ ان کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ دونوں غصہ سے لال بھبھوکا پہلی بار یوں الجھے تھے۔ ایسا اس گھر میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

"شرم و حیا تمیز سب بھلا چکے ہو تم دونوں۔ بڑے بیٹھے ہیں اور تم دونوں کی آنکھوں سے لحاظ ختم ہو گیا ہے۔" وہ گرج رہے تھے۔

"اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں ایک ناکام باپ ہوں۔ جو تم دونوں کو آپس میں محبت، چین، سکون کا سبق نہیں پڑھا سکا۔" وہ رنجیدگی سے بولے۔

"اور تم ریحان۔ تم نے میرے پوچھے بغیر مجھ سے مشورہ کیے بغیر ثومی اور بچوں کو بھجوا دیا۔ غلط کیا تم نے، گھر کی بات کو گھر میں ہی سلجھاتے ہیں۔ بات کھلے تو مسائل بڑھ جاتے ہیں۔" ریحان سر جھکائے سنتا رہا۔

"اور وجدان تم...... تمہیں اس گھر میں رہنے والوں سے اتنا ہی مسئلہ ہے تو نکل جاؤ تم بھی۔" ان کے الفاظ تلخ تھے یا سرد۔ وجدان کی آنکھوں کی لالی بڑھ گئی۔ دماغ کی رگیں کھینچنے لگیں۔ جہاں آرا اس کے تاثرات کو دیکھ کر ہولنے لگیں۔ ان کے سر میں درد کی تیز لہر اٹھی۔

"یہ گھر اور یہاں کے مکین آپ ہی کو مبارک ہوں۔ میں ہمیشہ سے ہی ایک فالتو پرزہ تھا ایک اضافی بوجھ۔ جس کی نہ ضرورت تھی کسی کو نہ ہی جگہ تھی۔ بہت شکریہ میرے گمان کو یقین میں بدلنے کا۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔ سائر نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑا۔ یہ جذباتی لڑکا غصہ میں آ کر کچھ غلط نہ کر لے۔ وہ فکر مند ہوا۔ جہاں آرا کے سر میں دھماکے ہونے لگے۔

"تم ہمیشہ ان خود ساختہ وہموں کے قیدی رہے ہو۔ کوشش کرنا کہ حقیقت کو کھلی آنکھوں سے دیکھو اور پرکھ سکو۔ اگر جان جاؤ تو اعتراف کرنے میں پہل کرنا۔ مردوں کی طرح۔ بزدلوں کی طرح منہ مت چھپا لینا۔" مصطفیٰ ہمدانی کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ریحان نے بے چینی سے اسے روکنا چاہا۔ بات اس حد تک بڑھ جائے گی یہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

وجدان نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور وہ نکل گیا۔ چچا جان اور چاچو بے ساختہ اس کے پیچھے لپکے۔ جہاں آرا کا سپید چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ کپکپا رہی تھیں۔ لرزتے ہونٹوں پر الفاظ دم توڑ گئے۔ ان کے انداز دیکھتے سب گھبرائے۔ قریب بیٹھی بیا نے ان کے گرتے وجود کو تھاما۔ سب اندھیرے میں ڈوب رہا تھا۔ ان کی دنیا۔ ان کی ریاضتیں۔ ان کا گھر۔

☆☆☆

تیسرے عشرے میں بہار کا آغاز ہو چکا تھا اور یہ موسم کے سرد پن کو بڑھا گیا۔ اس بار رمضان بہت روکھا پھیکا اور خاموش گزر رہا تھا۔ سب کام ہو تو رہے تھے مگر خوشی و جوش مفقود تھا۔ اب تو نہ صحن میں بچوں کی سائیکلیں کھڑی نظر آتیں۔ نہ ہی احمد و علی کے بیڈ بال پڑے ملتے۔ عائزہ کی شوخی بھی غائب تھی۔

جہاں آرا طویل بے ہوشی کے بعد ہوش میں آئی تھیں۔ رفعت اور چچی نے اسپتال کی ڈیوٹی دی تھی۔ سائر اور ریحان گھن چکر بنے ہوئے تھے۔ ریحان شرمندہ تھا تو ثومی بھابھی رنجیدہ۔ کاش کہ وہ اس دن الجھ کے سامنے وجدان سے یوں بحث نہ کرتا تو یہ سب نہ ہوتا۔ یہ پچھتاوا ان کی خاموشی میں تبدیل ہو گیا تھا۔ خالہ جان نے بیٹی کے خوب ہی لتے لیے جوان کی بہن کو ایسی حالت میں چھوڑ کر میکے بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ واپس آ گئیں۔ رو رو کر جہاں آرا سے معافی مانگی حالانکہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ جہاں آرا نے انہیں گلے لگایا۔ بیا ماں کی پٹی سے لگی رہتی۔ مصطفیٰ صاحب ان کی یہ حالت دیکھ کر رنجیدہ تھے۔

ان کی شریک حیات نے ساری عمر ان کا مان رکھا۔ ان کا ساتھ دیا۔ کبھی ان کے حکم کو نہیں ٹالا اور وہ اس عمر میں انہیں سکھ نہیں دے پا رہے تھے۔ ماں باپ تو اولاد کو بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔ اگر غصے میں انہوں نے کچھ کہہ بھی دیا تو کیا ہوا۔؟ وجدان کو یوں گھر چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔ غصہ انہیں کسی اور بات کا بھی تھا۔ جہاں آرا نے تو حتیٰ الامکان بات کو چھپا دیا تھا

صرف آدھا سچ بتایا مگر انہوں نے جب اپنے طور پر تحقیق کی تو پچھلے مہینے وجدان کے اکاؤنٹ سے کئی بار لمبی لمبی رقمیں نکلوائی گئی تھیں۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ سارا پیسہ کہاں گیا؟! انہیں وجدان کی عقل پر افسوس ہوا اور وہ۔

وہ تو جاتے وقت کچھ بھی نہیں لے کر گیا تھا۔ موبائل کمرے میں پڑا رہ گیا اور گاڑی پورچ میں۔ سائر نے ہر جگہ اس کا پتا لگوانے کی کوشش کی مگر اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ کئی بار وہ سونیا آنٹی کی طرف بھی گیا مگر اسے وہاں بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے یقین تھا کہ وہ وہیں ہے مگر کیا کر سکتا تھا۔ رشتے داروں کی آمد و رفت اور فون کالز آ رہی تھیں۔ جہاں آرا ہر دل عزیز شخصیت تھیں۔ دبئی سے پھوپھو کا فون آیا۔

حسنہ اور ثانیہ آپی کتنی بار آ چکی تھیں اور روزانہ فون الگ کرتیں۔ جہاں آرا بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ انہیں پہلی بار وجدان کے لہجے میں دکھ نظر آئے تھے۔ اس کی حسرتیں۔ اس کے شکوے۔ اپنی کوتاہی سب کا اندازہ ہوا اور کس وقت ہوا۔ جب وہ نجانے کہاں چلا گیا تھا۔ مصطفیٰ صاحب ان کے خاموش شکوے کو بخوبی سمجھتے تھے مگر انہیں ایک یقین بھرا انتظار تھا کہ وہ اپنے اصل کی طرف جلد لوٹ آئے گا۔ سر اٹھا کر فخر و بہادری سے۔

☆☆☆

ستائیسویں پرنور شب تھی۔ وجدان کمرے میں بیٹھا فضاؤں میں باہر گونجتی تلاوت کی آواز بخوبی سن سکتا تھا۔ اسے گھر چھوڑے گیارہ دن ہو چکے تھے۔ گھر سے نکل کر وہ سیدھا سونیا آنٹی کی طرف آیا تھا۔ اس دوران ایک بار بھی کوئی اسے ڈھونڈتا ادھر نہیں آیا تھا۔ اس کے اندر مزید تلخی بھرنے لگی۔

"میرے ہونے نہ ہونے سے کسی کو فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ سب اپنی دنیا میں مگن و خوش ہیں۔ مجھے یہ فیصلہ بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔ نجانے کس خوش گمانی میں، میں نے اتنے سال وہاں گزار دیے۔"

مگر سچ تو یہ تھا کہ جہاں آرا کا خیال اسے بے چین کرنے لگتا۔ وہ جو سمجھتا تھا کہ ان کی محبت اب اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی غلط تھا۔ ماں کی نرم و گرم آغوش اسے آج بھی اتنی ہی درکار تھی۔

سونیا آنٹی اس کے یوں گھر چھوڑ آنے پر بہت خوش تھیں۔ البتہ غزل نے اسے ایک دو بار سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کا اٹل انداز اور سخت ردعمل دیکھ کر چپ کر گئی۔ اس جگہ ویسی ہی خاموشی تھی جس کے وہ خواب دیکھا کرتا تھا۔ صاف ستھرا بنگلہ، ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی مگر نجانے وہ پرسکون کیوں نہیں تھا۔

غزل اپنی جاب میں بہت مصروف تھی، وہ صبح کی نکلی اکثر شام ڈھلے آتی۔ سونیا آنٹی یوں تو بالکل ٹھیک تھیں مگر روزہ نہیں رکھتی تھیں کہ انہیں پھر کمزوری ہو جاتی تھی بقول ان کے۔ غزل کا موڈ ہوتا بھی کبھار روزہ رکھ لیتی۔ سو سحری و افطار کو وہ اکیلا ہی ہوتا۔ ماہ رمضان کی مخصوص رونق یہاں پر ماند تھی۔ ویسے ہی روٹین کے عام سے روکھے پھیکے دن لگتے۔ وہ ادھر بیٹھے بیٹھے تنگ آ گیا تھا۔ یہ ساکن و جامد زندگی اس کی چوائس نہیں تھی۔

"سائر نے بھی میری خبر لینے کی کوشش نہیں کی؟"

سائر نے ہمیشہ جانے انجانے میں اس کا ہر ممکن خیال رکھا تھا۔ وہ واحد شخص تھا جو اس کے موڈ کی پروا کیے بغیر اسے لتاڑتا بھی اور نصیحت بھی کر جاتا۔ مگر ان دنوں اسے احساس ہوا وہ تو خالی ہاتھ ہے۔ کوئی بھی آس پاس نہیں۔ اس کی خود ساختہ خودترسی ابھر آئی۔

سونیا آنٹی نے جب گلاس وال کے سامنے بچھے دیوان پر وجدان کو یوں سوچوں میں گم دیکھا تو سر جھٹک کر استہزائیہ مسکرائیں۔

وجدان کو ڈھونڈتا ہوا سائر کئی بار آیا تھا مگر انہوں نے ہر بار اسے لوٹا دیا۔ غزل کو بھی کسی کو بتانے سے منع کر دیا تھا۔ یہ فرحت بخش احساس ان کے جلتے دل کو ٹھنڈک دیتا کہ جہاں آرا بھی تکلیف میں ہو گی۔ جل رہی ہو گی۔ جیسے وہ بھی راکھ ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ ہمدانی ان کے منگیتر تھے۔ ان کی والدہ کے کزن کے

بیٹے۔ سونیا ایک اپر مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی تھی۔
طرح دار اور ترقی کی خواہش مند۔ پُراعتماد سی۔ مصطفیٰ
کو وہ اچھی لگتی تھی۔ خود مصطفیٰ کا تعلق ایک مضبوط اور
معاشی لحاظ سے مستحکم گھرانے سے تھا مگر روپے پیسے
کی ریل پیل کے باوجود ان کا گھرانہ قدرے روایت
پسند اور قدامت پرست تھا۔ جنہیں اپنی قدریں بہت
عزیز تھیں۔ سونیا کو بظاہر اس رشتے پر کوئی اعتراض نہ
ہوا۔ سوائے اس کے کہ وہ آزاد ماحول میں رہنا چاہتی
تھیں۔

ان رواجوں اور گھٹے ہوئے ماحول سے فرار
چاہتی تھی اور ان رسموں رواجوں سے دم گھٹتا۔ خود
مصطفیٰ کا پورا گھرانہ پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا تھا۔ مصطفیٰ
بہت ہینڈسم اور ڈیسنٹ تھے۔ منگنی کے بعد سونیا نے
لڑ جھگڑ کر یونی ورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا مگر وہاں جا کر
اسے احساس ہوا کہ اصل زندگی تو یہ تھی۔ وہیں عادل
شیراز سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک کروڑ پتی ماں باپ کا
اکلوتا بیٹا تھا۔ عادل سے بڑھتی قربتیں اس حد تک آ
گئیں کہ اپنی والدہ کے سامنے بانگ دہل کہہ دیا کہ
وہ مصطفیٰ سے شادی نہیں کرے گی۔ یہ انکار ایک
بھونچال لے آیا۔

مصطفیٰ کی والدہ شادی کی تاریخ لینے آنے والی
تھیں اور سونیا کا یہ بے باک انکار انہیں پورے
خاندان میں شرمندہ کر کے رکھ دیتا۔ اور لاکھ سمجھانے
کے باوجود ہوا بھی یہی۔ مصطفیٰ کی والدہ جب آئیں
تو سونیا نے بے دھڑک انگوٹھی اتار کر ان کے سامنے
دھر دی۔ سونیا کے والدین مارے صدمے و شرم کے
زمین میں گڑ گئے۔ وہیں مصطفیٰ کی والدہ بھی ششدر
رہ گئیں۔ ان کے والدین عزت دار اور بہت وضع دار
لوگ تھے۔ سونیا کے اس عمل نے انہیں کہیں کا منہ
دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا مگر سونیا کو پروا نہیں تھی۔
دھچکا تو مصطفیٰ کو بھی لگا۔ پسند اپنی مگر یوں بے باکی
سے ان کی والدہ کے سامنے انگوٹھی اتار دینا انہیں سخت
بددل کر گیا۔

عادل شہزاد سونیا کے ساتھ شادی پر رضامند نہیں
تھا۔ دوسری جانب سونیا کے والد نے الٹی میٹم دے دیا
کہ وہ اس لڑکے سے کہے کہ جلد اپنے والدین کو لائے
تا کہ وہ جلد از جلد اسے رخصت کر سکیں۔ ساری
صورت حال کو دیکھتے ہوئے سونیا کے ایما پر وہ اپنے
چند دوستوں کے ساتھ نکاح کرنے آ گیا۔ اس کے
والد بھی یوں راضی نہ ہوتے مگر سونیا کی ہٹ دھرمی
اور بغاوت کو دیکھتے ہوئے رخصت تو کر دیا مگر گھر کے
دروازے سونیا کے لیے ہمیشہ بند ہو گئے۔ دوسری
جانب رابعہ ہمدانی نے جہاں آرا سے ان کی جھٹ منگنی
کر کے پٹ بیاہ کر دیا۔ جہاں آرا دیکھی بھالی گھر کی
لڑکی تھی۔ اگر بات مصطفیٰ کی پسند کی نہ ہوتی تو رابعہ کی
اولین ترجیح جہاں آرا ہی تھی۔

سونیا کی وہی روایتی کہانی تھی۔ دو سال کے بعد
ہی وہ لوٹ آئی۔ عادل کی اصلیت اس پر کھل کر
سامنے آ چکی تھی۔ اس کا جب دل بھرا تو اس نے سونیا
کو کسی استعمال شدہ برتن کی طرح ٹھوکر مار دی۔ یہ
عرصہ سونیا کے لیے بھی آسان نہ تھا۔ ماں باپ نے
مجبوراً دل سے لگایا۔ وہ جلد ہی نارمل ہونے لگی اور پھر
دوبارہ سے مصطفیٰ سے تجدید تعلق کرنا چاہا مگر وہ اس
کے اثر سے نکل چکے تھے۔ جہاں آرا کو ساری حقیقت
معلوم تھی لہٰذا ان کا ہر وار جہاں آرا نے ناکام لوٹا
دیا۔ مگر سونیا نے ہمت نہ ہاری، مرتضیٰ کمال اب ان
کے نشانے پر تھے وہ ان کے جال میں پھنسنے لگے تھے
مگر جہاں آرا نے رفعت کا حق انہیں غصب نہ کرنے
دیا۔ وہ ساس کے ساتھ مشورہ کر کے رفعت کو جلد
رخصت کرا لائیں۔

سونیا کے دل میں، تب سے جہاں آرا کے لیے
عداوت تھی۔ مرتضیٰ کمال ضرور ان کو اپنا لیتے اگر جہاں
آرا نہ ہوتیں۔ یہ خیال ان کے دل میں جڑ پکڑتا گیا۔
رفعت کمزور تھیں۔ یتیم تھیں مگر جہاں آرا کی حکمت عملی
اور ان کی سپورٹ کی وجہ سے انہیں بہت ڈھارس
رہتی۔ سونیا کا یوں آنا اور دھڑلے سے استحقاق جمانا
انہیں خوف زدہ کر دیتا مگر جہاں آرا نے بڑی خوب
صورتی و عقل مندی سے ان کا گھر ٹوٹنے سے بچایا۔

Scanned with CamScanner

اسی دوران سونیا کو مشتاق رضا ملے۔ وہ رنڈوا تھے۔ اسلام آباد میں اپنا گھر تھا۔ صاحب حیثیت تھے۔ سونیا نے ناکام ہو کر ان سے عقد ثانی کر لیا اور ان کی زندگی ان کے شہر سے چلی گئی اور اب وہ پھر سے انہیں یوں خوش دیکھ کر جل اٹھی، سارے زخم ہرے ہو گئے۔ وجدان کی صورت انہیں ایک ٹرمپ کارڈ ہاتھ لگا تھا اور اب کھیل ان کی مرضی کا ہونا تھا۔ اب کہ بازی بھی ان کی تھی اور مہرے بھی۔

☆☆☆

آخری عشرہ بھی اختتام کی جانب تیزی سے گامزن تھا۔ یہ رمضان نہایت افسردہ و اداس گزرا تھا۔ تیسرا عشرہ عید کی تیاریوں اور عبادتوں میں گزر رہا تھا۔ تیاریاں تو خیر کیا ہونی تھیں۔ لڑکیاں چاچی کے ساتھ جا کر تیار جوڑے، جوتیاں اٹھا لائیں۔

تائی اور رفعت تو یوں بھی رمضان سے پہلے ہی کپڑے سلنے کو دے دیتیں باقی رہی عید۔ تو نہ ہی اس کا مینیو منتخب ہوا نہ ہی کوئی خصوصی خریداری کی گئی۔ جہاں آرا پژمردہ تھیں مگر ستائیسویں روزے کو وہ ہمت کر کے اٹھیں۔ رفعت اور سیمن سے لسٹ بنوا کر ان دونوں کو خریداری کے لیے بھیجا۔ جس جس گھر میں عید کا راشن ڈلوانا تھا اس کی لسٹ تیار کروا کر سائر کے حوالے کی۔

چاندنی اور دوسری ماسی سے گھر کی تفصیلی صفائی شروع کروائی۔ پردے اترے صوفہ کورز۔ بیڈ شیٹس، غرض سب کو پیسے لگ گئے۔ کپڑوں والی ماسی سے مشین لگوائی۔ ہانیہ اس کے ساتھ لگ گئی۔ چاندنی نے اپنی بہن کو بھی بلوا لیا۔ بیا ان کے ساتھ لگ گئی۔ کچن کی صفائی، لاؤنج، ڈرائنگ روم، ہال غرض سارا گھر الٹا پڑا ہوا تھا۔ مونا نے گو کہ بہت بچنے کی کوشش کی مگر رفعت جب خریداری کر کے آئیں تو اسے کمرے میں لیٹا پایا تو ان کا پارہ چڑھ گیا۔

"تم کوئی انوکھی روزہ دار ہو؟ وہ دونوں کام کر رہی ہیں کیا ان کا روزہ نہیں۔"

"امی پلیز مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔" اس کے بودے بہانے پر رفعت کو آگ لگ گئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا ہر وقت طنز کرتی رہتی ہیں۔" آخری جملہ زیر لب بڑبڑایا۔

"تو یوں کرتی ہوں کہ کھانا ٹرے میں لا کر پروستی ہوں تمہیں۔" ان کے طنز پر وہ روہانسی ہو گئی۔

"تو پھر کیا مطلب تھا۔ حد ہے۔ اٹھو اور جا کر بیا کا ہاتھ بٹاؤ۔ بلکہ رہنے دو۔ تم پھر ڈنڈی مار جاؤ گی۔ آؤ اور میرے ساتھ کچن کا سامان ٹھکانے لگاؤ۔" ان کے حکم پر وہ چاروناچار اٹھی۔ دھلائی بس اب اختتام پذیر ہو رہی تھی۔ بھابھی پہلے سے کچن میں موجود تھیں۔

"تم جا کر صغریٰ، کے ساتھ کام ختم کرواؤ میں اور چچی افطاری بنا لیں گے۔"

اور اس نے شکر ادا کیا۔ اگلا دن بھی بہت مصروف گزرا اور چونکہ آخری طاق رات تھی لہذا وہ تینوں جاگ کر، شدید تھکاوٹ کے باوجود عبادت کر رہی تھیں۔ سارا گھر چہچہا رہا تھا۔ دو دنوں میں سارا کام سمیٹ لیا گیا تھا۔ تھکن اپنی جگہ مگر اصل خوشی جہاں آرا کی تھی جو اتنے دنوں بعد اپنے کمرے سے نکلی تھیں اور اس وقت کمرے میں مصلے پر بیٹھی آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے اس رحیم ذات سے وجدان کے لوٹ آنے کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ بارہ دن گزر چکے تھے مگر اس کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ ریحان سائر چاچو سب اسے ڈھونڈ رہے تھے۔ مصطفیٰ صاحب خاموش تھے۔ مگر جہاں آرا کو یقین تھا کہ وہ جہاں بھی ہو گا خیریت سے ہو گا اور لوٹ آئے گا۔

"اے بار بار رحم کرنے والے۔ تو وہ ذات ہے جس کی محبت و رحمت لامحدود ہے۔ تو جو اپنے بندوں کو ستر ماؤں سے زیادہ چاہتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تو اس لاچارہ بے کس ماں کی فریاد نہیں سنے گا۔ اے میرے رب! تو اس بابرکت رات کے توسط سے میرا بیٹا مجھے واپس لٹا دے۔ اے ارحم الراحمین تو اس کے

Scanned with CamScanner

دل میں موجود بدگمانیاں دور فرما دے۔
اے بصیرا تو اس کی آنکھوں کے آگے پڑے پردے ہٹا دے۔ اس کا دل بدل دے۔ نرم کر دے۔ اسے مجھے واپس لوٹا دے۔ پہلے بھی تو نے ہی دیا تھا۔ اب بھی تجھ ہی سے اس کی واپسی کا سوال کر رہی ہوں تو میری فریاد سن لے مجھے خالی ہاتھ اپنی بارگاہ سے مت لوٹانا۔"

ان کی ہچکیاں مصطفیٰ صاحب سن رہے تھے۔ مسجد سے آ کر وہ بظاہر سونے لیٹے تھے مگر درحقیقت جاگ رہے تھے۔ کاش کہ وجدان سمجھ سکتا۔ جان پاتا۔ دل میں خیال ابھرا۔

☆☆☆

کل انتیسواں روزہ تھا اور توقع تھی کہ عید کا اعلان ہو جائے۔ وجدان اب اس قید میں اکتانے لگا تھا۔ غزل بہت مصروف رہنے لگی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کی گاڑی کی آواز آئی تھی۔ وہ نوافل پڑھ رہا تھا۔ فارغ ہو کر وہ غزل سے ملنے باہر نکلا تھا۔ اس کا کمرہ خالی تھا وہ سونیا آنٹی کے بیڈ روم کی جانب بڑھا۔ اندر وہ ان سے بحث کر رہی تھی۔

"آپ یہ سب کیوں کر رہی ہیں ممی! وجدان کو اپنے پیرنٹس کے پاس واپس جانا چاہیے۔ یہ اچھا نہیں ہو رہا۔"

"ڈیئر ریلیکس تم نہیں سمجھتیں یہ سب تم دونوں کی بھلائی کے لیے کر رہی ہوں۔"

"واٹ ڈو یو مین ممی۔ کیسی بھلائی؟ آج پھر سائر کا فون آیا تھا۔ وہ روز مجھے کال کرتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس سے ایک ہی جھوٹ بول بول کر میں بہت ایمبریسڈ فیل کرتی ہوں۔" وہ اس سب سے ناخوش لگ رہی تھی۔ وجدان بری طرح چونکا۔ سائر اسے ڈھونڈتا پھر رہا تھا اور یہ لوگ اس سے چھپا رہے تھے۔

"بس تھوڑے دن اور پھر میں خود اس سے کہہ دوں گی۔"

"ممی! میں اس پالیٹکس میں نہیں پڑنا چاہتی۔

اگر آپ کو جہاں آرا آنٹی سے پاسٹ میں کوئی ایشو رہا تھا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ انہیں یوں ہرٹ کریں۔ جو ہوا فارگیٹ اٹ ممی۔ آپ بہت اچھی ہیں ایک اچھی لگژری لائف گزاری ہے آپ نے۔ پھر مصطفیٰ انکل کو چھوڑنا آپ کی اپنی چوائس تھی اس میں ری وینج کہاں سے آ گیا......؟"

اس نے نرمی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سود باہر کھڑا وجدان ایک ایک لفظ سنتا شاکڈ تھا۔ غزل یقیناً سچائی جانتی تھی جسے سونیا آنٹی نے توڑ مروڑ کر پیش کیا تھا۔

"آئی ایڈمٹ مائی ڈارلنگ! مگر جہاں آرا اور رفعت ابھی تک اس بات کو نہیں بھولیں۔ ہم کتنے عرصے بعد ملے بھی مگر مجھے دیکھ کر وہ جس طرح ناخوش ہوئیں اس نے مجھے بہت ہرٹ کیا۔ ان کی ناگواری مجھے چیلنج کرنے لگی کہ میں انہیں اچھی طرح سمجھا دوں کہ سونیا سعید اب بھی کسی سے کم نہیں۔ اسے ان جیسی عام عورتوں کی پرواہ نہیں......"

"اور اس سب میں میرا اور وجدان کا کیا بنے گا؟" اس کے سنجیدہ لہجے میں کیا تھا سونیا سمجھ کر مسکرا دیں۔

"ڈونٹ یو وری ڈیئر! تم دونوں کے ریلیشن کو کچھ نہیں ہوگا بلکہ اچھا ہے نا کہ تم اس جنجال پورے سے دور رہو گی۔ یو کین سی وجدان خود اس سسٹم سے بری طرح فیڈ اپ ہے۔"

وجدان ان ہی قدموں واپس مڑ گیا۔ اس کے تنے اعصاب تھکن کا شکار ہو رہے تھے۔ ساری رات وہ جاگتا رہا۔ سوچتا رہا۔ نگاہوں کے سامنے کئی مناظر آئے اور گزر گئے۔ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا۔ غزل اس کی چاہت تھی یا ضرورت یا کوئی پرانی خواہش، وہ پہلے سمجھنا چاہتا تھا۔ سحری کے وقت کچن میں آ کر اس نے تیسری مرتبہ چائے بنانے رکھی۔

"ایک کپ میرے لیے بھی۔" پیچھے سے غزل کی آواز آئی تھی۔ وہ مڑا نہیں۔ پانی بڑھا دیا۔

"کل میں بھی روزہ رکھ رہی ہوں۔ تم چائے

بناؤ میں آملیٹ بنا لیتی ہوں۔" وہ فریج سے سامان نکالنے لگی۔ وہ خاموش ہی رہا۔

اسے غزل سے گلہ تھا۔ وہ ناراض بھی تھا اور بدگمان بھی۔ سائر کے بارے میں وہ اسے بتا سکتی تھی مگر اس نے یہاں اس کا ساتھ دیا نہ ہی مان رکھا۔ چائے دو کپ میں ڈال کر وہ ٹیبل پر آ بیٹھا۔ آملیٹ بنا کر اس نے بریڈ ٹوسٹر سے نکالے اور آ بیٹھی۔

"لو......"

"نہیں شکریہ۔" اس کا خشک انداز غزل نے صرف ایک لمحے کو اس کے پرشکن ماتھے کو دیکھا پھر کھانے لگی۔

"تم نے سائر کے بارے میں مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہ زیادہ دیر ضبط کرتا تو یقیناً بلاسٹ ہو جاتا۔

"صرف سائر نہیں۔ مصطفیٰ انکل بھی، انہوں نے بھی مجھ سے کونٹیکٹ کیا ہے مگر سوری میں ممی کو ناراض نہیں کر سکتی تھی۔" اطمینان سے بریڈ ٹوسٹ کے ساتھ آملیٹ کھاتی وہ بتا رہی تھی۔ وہ اسے دیکھے گیا۔

"ابو نے؟ کب فون کیا تھا۔"

"انہوں نے دو بار رابطہ کیا تھا بلکہ ابھی کچھ دیر پہلے بھی ان کی کال آئی تھی۔ وہ شیور ہیں کہ میں جانتی ہوں تم کہاں ہو۔ سوری میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں مگر......"

"مگر کیا......؟" وہ تلخ ہوا۔

"وجدان۔ یوں گھر چھوڑ آنا اور منہ چھپا کر ساری دنیا سے ناراض ہو کر بیٹھ جانا تو کم ہمتی ہے۔ تم نے مجھے بہت ڈس اپائنٹ کیا ہے۔"

"اگر تمہیں سونیا آنٹی یہاں سے نکل جانے کو کہیں تو تم کیا کرو گی؟"

"میں ایٹ لیسٹ وہ نہیں کروں گی جو تم نے کیا ہے۔ میں ان سے وجہ پوچھوں گی۔ ان سے بات کروں گی۔ کنوینس کرنے کی کوشش کروں گی مگر یوں کبھی بھی اپنا گھر نہیں چھوڑوں گی۔" وہ صاف گوئی اور کھرے لہجے میں بولی۔

"سونیا آنٹی نے جان بوجھ کر مجھے میری ماں کے خلاف بھڑکایا۔ غلط بیانی کی۔" اب کی بار وہ چونکی۔ وہ سخت برہم تھا۔

"میں نے رات کو تم لوگوں کی گفتگو سن لی تھی۔" غزل نے اب سانس رکھ لیا۔

"انہوں نے مجھے مس گائیڈ کیا۔ میں۔"

"غلط......انہوں نے کچھ نہیں کیا۔"

وہ پرسکون انداز میں اس کی بات کاٹ گئی۔ بلیک ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس اس نے بالوں کو پونی میں باندھ رکھا تھا۔ اس عام سے حلیے میں بھی وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"بلکہ تمہاری اپنی کمزوری ہے۔ کوئی کچھ بھی تمہارے پیرنٹس کے متعلق بول دے گا اور تم اس پر یقین کر لو گے؟ ہاؤ از اٹ پاسیبل۔ تم کیسے کسی کے کہنے پر اپنے والدین کو جسٹیفائی کر سکتے ہو۔ غلطی دوسرے کی نہیں ہوتی وجدان مصطفیٰ! بلکہ خود ہماری ہوتی ہے جو خود سے منسلک رشتوں کو ڈیفینڈ نہیں کر پاتے اور جلد ہی بدگمان ہو جاتے ہیں۔"

وہ سچ کہہ رہی تھی۔ غلطی اس کی نہیں تھی۔ وہ کیا اپنی ماں کو نہیں جانتا تھا؟ جو سراپا محبت و ایثار تھیں۔ پھر سونیا آنٹی کے کہنے پر وہ کیسے انہیں غلط قرار دے گیا۔ غزل اب پھر سے آملیٹ کھانے لگی تھی۔

"تمہیں سونیا آنٹی کے بارے میں جان کر برا نہیں لگا۔" اس نے بغور اسے دیکھتے سنجیدگی سے سوال کیا۔ غزل گہری سانس لے کر مسکرائی۔

"وجدان وہ میری ماں ہونے سے پہلے ایک لڑکی بھی تھیں۔ ان کا ایک ماضی بھی ہوگا۔ اس وقت ان کے کچھ خواب ہوں گے۔ فیلنگز ہوں گی اور یہ تو نیچرل سی بات ہے۔ ہر انسان کا کوئی آئیڈیل ہوتا ہے۔

جب ہم خود اس عمر میں ایسے مرحلے سے گزرتے ہیں تو پھر اگر ہمارے پیرنٹس بھی گزرے ہوں تو ہمیں اتنا مجنقل نہیں ہونا چاہیے۔ آفٹر آل

Scanned with CamScanner

ایموشنز تو سب کے پاس ہوتے ہیں۔"

وہ بہت پریکٹیکل تھی اور شاید ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وجدان نے ٹھنڈی یخ چائے ایک سانس میں اپنے اندر انڈیلی۔ غزل بھی سحری کرچکی تھی۔ اس نے گہری سوچ میں گم وجدان کو دیکھا۔ اس کی ہیزل براؤن آنکھیں سرخ تھیں جیسے کئی راتوں سے سویا نہ ہو۔ اس کا چہرہ بتارہا تھا کہ وہ ادھر مطمئن نہیں تھا۔

یہی صحیح وقت تھا جب وہ اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی جو اس نے مصطفیٰ ہمدانی کی کال کے بعد کیا تھا اور اس پر مہر سونیا سے ہونے والی بحث کے بعد لگی تھی۔

"وجدان تم اپنے گھر چلے جاؤ اور ہو سکے تو ہمارے رشتے کو بھی بھول جاؤ۔" چونک کر غزل کو دیکھا جو بڑے نارمل انداز میں کہہ رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں یہ تعلق آگے جا کر ہماری مشکلات بڑھائے گا۔ تمہاری فیملی مجھے کبھی ایکسیپٹ نہیں کرے گی اور نہ ہی میں ان میں شاید ایڈجسٹ کر پاؤں۔ پھر میں نہیں چاہتی کہ ماضی کے ایشوز کو لے کر پالیٹکس کی جائے۔ میں اپنی زندگی بہت فوکسڈ ہو کر پرسکون گزارنا چاہتی ہوں۔ یہ خاندانی جھگڑے، پرانے قصے، طنزیہ باتیں میں یہ سب افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"یہ اچانک سے فیصلے کیوں بدل رہی ہو تم میں اب بھی وہی ہوں۔ میری فیملی بھی پھر یوں یہ سب اب تمہیں کیوں محسوس ہونے لگا ہے۔" اس کا یوں فیصلہ کر لینا اسے سمجھ نہ آیا۔

"پہلے شاید میں نے ان باتوں پر زیادہ غور نہیں کیا مگر اب جب سے تم آئے ہو میں نے دیکھ لیا ہے تمہاری فیملی کے ساتھ تمہاری بونڈنگ کتنی اسٹرانگ ہے۔ فرض کرو اگر ہم لوگ رہ بھی لیں تب بھی تم کبھی ان سے الگ نہیں ہو پاؤ گے۔ پھر ممی نے وہاں سب ان سیکیور رہیں۔ کوئی انہیں پسند نہیں کرتا اور شاید ممی بھی یہ

"مگر ہم دونوں تو ایک ساتھ خوش ہیں ناں۔"

"ہم اب ہیں مگر سوچو جب ہم ایک فیملی بن جائیں گے تب یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہمارے تعلق میں بہت بڑی دراڑ پیدا کر دیں گی۔ یہ سفر آسان نہیں ہو گا اور نہ ہی خوش گوار۔" وہ شاید فیصلہ کر چکی تھی۔ وجدان کے اندر دھواں بھرنے لگا۔ شاید غزل کا اتنا مضبوط انداز اس کی انا کو ہرٹ کر گیا تھا۔

"یہ سب تم سونیا آنٹی کو ڈیفنڈ کرنے کی وجہ سے کر رہی ہو نا۔"

"ہاں۔" اس نے بغیر کسی پس و پیش کے مان لیا۔

"ممی تم سے بہت دفعہ بڑے بڑے اماؤنٹس لے چکی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ میں یہ بات نہیں جانتی (یہ بات بھی اسے مصطفیٰ ہمدانی نے بتائی تھی) وہ مستقبل میں بھی ہمارے تعلق کو شاید مزید کیش کریں مگر میں ایسا نہیں چاہتی کہ تم انہیں کبھی کسی بھی موقع پر ہلکا سمجھو۔

ان کی عزت تمہاری نظروں میں نہ ہو۔ یہ فیصلہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے وجدان۔ اگر ماضی میں اتنا سب کچھ نہ ہوا ہوتا تو میں کبھی یوں پیچھے نہ ہٹتی۔ تم مجھے پسند ہو اور رہو گے مگر آگے چلنا شاید ہمارے نصیب میں نہیں۔"

اس کا انداز بہت کمپوزڈ تھا۔ وہ اپنی ماں کی عزت کی خاطر اسے چھوڑ رہی تھی وہ چند لمحوں میں جیسے سمجھ گیا۔ اسے وہ بہت عزیز تھیں۔

"تم صرف ان کی وجہ سے، صرف ان کی عزت کی خاطر یہ سب کر رہی ہو۔"

"ہاں وجدان۔ سب سمجھتے ہیں کہ وہ ایک سیلفش عورت ہیں۔ جنہوں نے ہمیشہ صرف اپنے لیے سوچا۔ خود کو خوش رکھا مگر ایک چیز انہوں نے خالص کی۔ مجھ سے محبت۔ ڈو یو نو وجدان، کہ میں ان کی سگی بیٹی نہیں بلکہ اسٹیپ ہوں۔" یہ انکشاف اسے دم بخود کر گیا۔ وہ قدرے افسردگی سے مسکرائی۔

"ڈیڈ سے ان کی دوسری شادی تھی۔ مام کے مرنے کے بعد ڈیڈ نے مجھے بورڈنگ ڈلوا دیا۔ مگر سونیا

digest library.com

ممی نے کبھی مجھے سوتیلے پن کا احساس نہیں دلایا۔ ان میں ہزاروں عیب سہی مگر میرے لیے وہ کیا ہیں میں ڈیفائنڈ نہیں کر سکتی۔"

وہ کیا کہہ رہی تھی؟ وجدان مصطفیٰ کے وجود پر اس کے الفاظ چابک بن کر برس رہے تھے اور وہ کیا کر رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں مام مجھے تمہارے ذریعے کیش کروانا چاہتی ہیں مگر میں پھر بھی ان سے محبت کرتی ہوں ان سے بدگمان نہیں ہو سکتی۔ ڈیڈ کے بعد ہم نے بہت ٹف ٹائم گزارا ہے۔ ساری پراپرٹی سیل ہو چکی تھی صرف تھوڑا بہت بچا تھا اگر وہ چاہتی تو مجھے چھوڑ کر جا سکتی تھیں کہ میں ان کی ذمہ داری نہ تھی نہ ہی سگی اولاد مگر انہوں نے ہی میری تعلیم مکمل کروائی۔

میرا ساتھ دیا پھر ان کے اسسٹ کرنے پر ہم یہاں آگئے۔ یہ بنگلہ بھی رینٹ کا ہے۔ انہیں ایسی ہی زندگی پسند ہے لگژریز والی۔ اور ان کی خاطر میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ مجھے کمپنی کی جانب سے دبئی بھیجا جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے ہم کچھ عرصہ میں موو کر جائیں۔ عارف۔ میرے باس نے مجھے پرپوز کیا تھا مگر میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکی تھی لیکن اب میں نے ریئلائز کیا ہے کہ وہ ساتھ اتنا خوش گوار شاید نہ ہو جیسا ہم نے سوچا ہے۔ اب میں شاید ان کا پرپوزل ایکسیپٹ کر لوں۔

اور یہاں سے ہمارا چلے جانا ہی بہتر ہے۔ ممی کے لیے بھی اور تمہاری فیملی کے لیے بھی۔" سائرن کب سے بج رہے تھے۔ غزل اٹھ کھڑی ہوئی۔

جاتے جاتے اس نے پلٹ کر وجدان کو ایک نظر دیکھا وہ سناٹے میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ محبت کا کون سا روپ ہے......؟

☆☆☆

اسے ابو کے الفاظ یاد تھے۔ گیٹ سامنے تھا۔ وہی گیٹ جس سے وہ بڑے طمطراق و زعم سے نکلا تھا۔ اسے واثق یقین تھا کہ وہ وہاں دوبارہ نہیں آئے گا۔ جب تک وہ لوگ خود اسے منا کر نہیں لے جاتے۔ اس وقت اس کی انا شاید ہی کبھی جھکنے دیتی مگر آج اسے احساس ہوا کہ محبت صرف لینے کا نام نہیں۔ یہ تو تھوڑی سی عنایت کے بدلے سب کچھ دان دے دیتی ہے۔ بغیر کسی طمع کے بغیر کسی واپسی کے تقاضے کے۔ رشتے نبھانا بھی ایک فن ہے اور وہ آج تک اس فن سے ناآشنا ہی رہا۔ اور غزل وہ اسے کہیں اوپر بلندی پر کھڑی نظر آئی۔

اس کے اردگرد کئی رشتے تھے جبکہ اس کے پاس صرف ایک اکلوتا سوتیلا رشتہ۔ وہ جو ایک ماڈرن جدید دور کی لڑکی تھی۔ محبت نبھانے اور قدر کرنے میں اس سے کہیں بڑھ کر نکلی۔ جسے اس کے گھر کی خواتین پسند نہیں کرتی تھیں، جن کے خیال میں وہ ایک فیشن زدہ لڑکی ہے جو قدر دان نہیں ہوگی اسے واپسی کے راستے پر لے آئی تھی۔ ضروری تو نہیں کہ بظاہر ایڈوانس نظر آنے والی لڑکی ہمیشہ ہی غلط ہو۔ روایات سے باغی ہو۔ غزل کے فیصلے نے اس کا دل خالی ضرور کیا تھا مگر وجدان کو اب اس کے فیصلے کا نہ صرف احترام کرنا تھا بلکہ مان بھی رکھنا تھا۔

"جہاں آرا آنٹی بہت بیمار ہیں۔ سائرہ نے بتایا تھا کہ وہ ہاسپٹلائز ڈ رہی ہیں۔ ان کا حق تم پر سب سے زیادہ ہے وجدان۔ تم چلے جاؤ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے اور پچھتاوے باقی رہ جائیں۔"

اور شام کو وہ اسی گیٹ پر کھڑا تھا۔ دروازہ ادھ کھلا تھا۔ اسے ابو کے الفاظ اچھی طرح یاد تھے۔ وہ انہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ بہادر ہے۔ غلطی کر کے سدھارنا بھی جانتا ہے اور نبھانا بھی۔ ہال میں وسیع دسترخوان بچھا ہوگا اور سب افطاری کے لیے موجود ہوں گے۔ ذہن میں تصور ابھرا تھا۔ ہلکی سرگوشیوں اور بچوں کی آوازوں کے علاوہ کوئی صدا نہ تھی۔ الٹے ہاتھ پر راہداری کی طرف مڑ گیا۔

جہاں آرا جائے نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں ان کا پرنور چہرہ کیسا کمزور لگ رہا تھا۔ کوئی جانی پہچانی خوشبو سی محسوس ہوئی۔ ان کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ یہ مانوس خوشبو

Scanned with CamScanner

کس کے وجود کی تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے بتا سکتی تھیں۔ وہ پیچھے سے آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھا اور دونوں ہاتھ ان کے گلے میں ڈال کر سر کاندھے پر ٹکا دیا۔

"وجدان۔" ان کے لب بے آواز ہلے۔ وہ آ گیا تھا۔ یقین تھا کہ آ ہی نہیں رہا تھا۔ دل اپنی لے بدل رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں امی ......" اس کے گھنے نرم بالوں والا سر ان کے شانوں پر تھا۔ گرم آنسو انہیں اپنی گردن پر رینگتے محسوس ہوئے۔ وہ ہل بھی نہیں رہی تھیں کہ اگر یہ کوئی خواب ہے تو ٹوٹ نہ جائے۔ لیکن وہ گرم سیال حقیقت تھی۔ ان کا گوہر مراد جو وہ رب سے اتنے دنوں سے مانگ رہی تھیں لوٹ آیا تھا۔ آہستگی سے مڑ کر انہوں نے دیکھا۔ ان کا ناراض بیٹا۔ ان کا وجدان۔ ایک تڑپ سے انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ دونوں رو رہے تھے۔ ہچکیوں سے۔

ان گیارہ دنوں نے انہیں سب سمجھا دیا۔ ان کی کوتاہیاں، اس کی محرومیاں، سائرہ نے بھی انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اپنی غلطیوں کا احساس دو چند ہوا۔ اس کے گلے، اس کی حسرتیں سب بجا تھیں۔ وہ اسے چومتے بولے جا رہی تھیں۔

"کوئی یوں بھی ناراض ہوتا ہے؟

وجدان تم نے یہ کیسے سوچ لیا مجھے تمہاری پروا نہیں تھی کی۔ تم سے محبت نہیں تھی۔ مانا کہ یہ میری کمزوری تھی۔ میری غلطی تھی کہ اپنی استطاعت سے زیادہ بوجھ اٹھا لیا۔ تمہیں وہ وقت نہ دے سکی جو تمہارا حق بنتا تھا مگر"

بے ربط جملے بولتی وہ روئے جا رہی تھیں۔ اسے پیار بھی کر رہی تھیں۔ اذان کی آواز فضا میں گونجی۔ وجدان نے ان کے ہاتھ تھام کر لبوں سے لگائے۔

"مجھے میری بدگمانی پر معاف کر دیں۔ میں جان گیا ہوں کہ اس روئے زمین پر مجھ سے اگر کوئی سب سے زیادہ محبت کرتا ہے تو وہ آپ ہیں۔" ان کا جیسے جلتا دل شانت ہو گیا۔ مسکراہٹ ان کے آنسوؤں سے تر چہرے پر بکھری۔

"تمہارا روزہ ہے؟" اس نے سر ہلایا۔

"دیکھو ذرا مجھے۔ اذانیں کب سے ہو رہی ہیں تم یہ پانی سے افطار کرو۔" وہ اٹھ کر جگ سے پانی انڈیلنے لگا اسی لمحے کھلے دروازے سے بیا ٹرے پکڑے اندر آئی۔

"امی دیر ہو گئی یہ......" مگر وجدان کو دیکھ کر ایک لمحے کو حیران ہوئی پھر بے ساختہ چیخ پڑی۔ "بھائی" ٹرے رکھ کر وہ بھاگ کر اس کے سینے سے آ لگی اور رونا شروع کر دیا۔ وجدان نے نرمی سے اس کے گرد بازو لپیٹے۔

جہاں آرا کی نظر ایک لحہ بھی۔ اس پر سے نہ ہٹ رہی تھی۔ لمحوں میں ہی سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ریحان بھائی۔ بھابھی۔ سائرہ۔ ابو سب کے چہروں پر حقیقی خوشی تھی۔ وہ خود اپنے گزشتہ خیالات پر پشیمان تھا۔ وہیں غزل کا شکر گزار بھی ریحان بھائی اسے کئی بار گلے لگا چکے تھے۔ بھابھی جھٹ پٹ اس کے لیے ٹرے سجا کر لے آئیں۔

مونا نے خوشی خوشی آپیوں کو بھی فون کھڑکا دیا۔ تھوڑی دیر میں ہی وہ سویا گھر آوازوں سے گونجنے لگا۔ سب کے درمیان بیٹھے وجدان کو یہ افراتفری بری نہیں لگ رہی تھی۔ ہانیہ نے تائی جان کے کھلے چہرے کو دیکھا پھر وجدان مصطفیٰ کو۔ اسے اپنا وعدہ یاد تھا۔ وہ مان رکھنا جانتی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس سفر میں گو کہ مشکلات ضرور آئیں گی مگر اپنے صبر و ایثار سے وہ سب منزلیں پار کر لے گی۔

وہ رات بہت خوب صورت رات تھی۔

عید کے چاند کا اعلان ہو گیا تھا۔ گھر میں ایک خوش گوار سی ہلچل تھی۔ دونوں لڑکیاں بھی اپنے بچوں سمیت آ چکی تھیں۔ اور وجدان کے افسردہ دل نے بھی اعتراف کر لیا کہ غزل گو کہ اس کی محبت نہ سہی مگر بہت خاص جگہ اس کے دل میں بنا چکی تھی۔ آگے کا سفر شاید کٹھن نہ ہو مگر وہ اسے یاد ضرور رہے گی۔

☆☆

Scanned with CamScanner

تنظیم فاطمہ

عید کی خوشیاں

digest library.com

''ارے اماں! یہ شیر خورما تو بہت مزے کا بنایا ہے آپ نے۔'' شاکرہ نے تیسری بار شیر خورما پیالے میں نکالتے ہوئے تعریف کی۔

''ارے تو جی بھر کر کھاؤ نا۔ جب سے میرا شیر امریکہ گیا ہے میں تو ہاتھ کھول کر خرچ کرنے لگی ہوں ورنہ تیرے ابا کے دور میں تو ہمیشہ ترستے ہی رہے۔ سر ڈھانپو تو پیر ننگے، پیر ڈھانپو تو سر ننگا۔ اسی کھینچا تانی میں گزر رہی تھی زندگی، وہ تو شکر ہوا میر پتر باہر نکل گیا اور ہمارے دن پھر گئے۔

''تو بیگم صاحبہ آخر بیٹا کس کا ہے؟ میرے جیسا محنتی ہے۔'' ابا بھی شاکرہ کے مقابلے پر شیر خورما کھا رہے تھے۔

''اب رہنے دو منہ نہ کھلواؤ میرا، تمہارے دور میں تو بس موئی ابلی سویوں ـــ پر چینی چھڑک کر کھا لو۔ کبھی چمچہ بھر دودھ بھی نصیب نہ ہوا ان پر ڈالنے کے لیے۔'' اماں کے طعنوں کی پٹاری کھل جاتی تو اسے بند کروانا مشکل ہو جاتا ہے۔

''اماں! بس کردیں بھائی سے پہلے ابا ہی گھر چلا رہے تھے۔ آپ تو لٹھ لے کر پیچھے پڑ جاتی ہیں۔'' شاکرہ کو ماں کا یوں طعنہ زنی کرنا بڑا اکھلتا تھا۔

Scanned with CamScanner

"اچھا چل، اب باپ کی چمچی نہ بن، جلدی ختم کر شیر خورما اور باقی ڈونگوں میں ڈال کر محلے میں سب کے گھر دے کر آ۔ اسی لیے میں نے بڑا پتیلا بھر کر بنایا ہے۔ محلے والوں کو پتا چلے کہ گھر میں امریکی ڈالر آرہے ہیں۔" اماں نے فخر سے اپنے دس ہزار کے عید کے جوڑے کا دوپٹا سر پر درست کیا۔

"تمہیں میں پہلے بھی بڑی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ اپنی اس شوشا کی عادت پر قابو پاؤ اور بیٹے کی کمائی کو سنبھالو، ہمسایوں میں شیر خورما ضرور بھیجو مگر یوں ڈونگے بھر بھر کر بھیجنے کا مقصد صرف اپنی واہ واہ کروانا ہے تو بہت غلط ہے۔" ابا نے ہمیشہ کی طرح اماں کو ٹوکا۔

"تم تو بس موقع کی تلاش میں رہا کرو۔" اماں نے ہاتھ ہلا کر ابا کو چپ کروایا۔

"چل تو اٹھ کر آ میرے ساتھ نکال کر دوں تجھے شیر خورما۔" اماں شاکرہ کو حکم دے کر خود کچن میں چلی گئیں۔

"ابا آپ اماں کی بات میں دخل اندازی نہ کیا کریں۔" شاکرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹی، ایک میں اور ایک تم ہی ہو جسے فرحان کی محنت اور کمائی کی قدر اور فکر ہے۔ باقی تو تم دیکھ رہی ہو تمہاری اماں تمہاری بڑی دو بہنوں کے ساتھ مل کر کیسے دونوں ہاتھوں سے پیسے اڑاتی ہیں۔" شاکرہ نے ٹھنڈی آہ بھری کہ وہ دونوں باپ بیٹی چاہ کر بھی کسی کو کچھ نہیں سمجھا سکتے تھے۔ اس عید پر اماں اور دونوں بہنوں نے دس دس ہزار کے تین تین جوڑے بنائے تھے اور اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود اسے بھی زبردستی لے کر دیے تھے اور دس باتیں بھی سنائیں جو ناشکری کر رہی تھی۔ وہ انہیں بتا ہی نہ سکی کہ وہ ناشکری نہیں کر رہی صرف اسراف سے بچنے کی کوشش کر رہی ہے۔

☆☆☆

"چل شاکرہ، میرے پتر کو کال ملا، اسے عید کی مبارک باد تو دے دوں۔ ابھی ہی بات کر لیتی ہوں شام تک تمہاری بہنوں نے آجانا ہے تو پھر کسے فرصت ملنی ہے۔" سارے محلے میں شیر خورما بھجوانے کے بعد اماں نے شاکرہ کو نیا حکم دیا۔

شاکرہ نے فرحان کو ویڈیو کال ملائی۔ شاکرہ نے بھائی سے سلام دعا کے بعد اسے عید کی مبارک باد دی اور فون اماں ابا کے حوالے کر دیا۔ خود کچن سمیٹنے چلی گئی۔ رات کا کھانا اماں نے ایک مشہور ریسٹورنٹ سے آرڈر کرنا تھا۔ کچن سمیٹ کر آدھے گھنٹے بعد وہ واپس آئی تو اماں کال کے بعد فون میز پر رکھ رہی تھیں۔ شاکرہ بھی ان کے پاس بیٹھ گئی۔ معاً کمرے میں فرحان کے روم میٹ کی آواز گونجی۔

"یار فرحان، تم نے آج عید کے دن بھی ڈبل شفٹ کی ہے۔ ہمارے ساتھ عید کا ڈنر کرنے بھی نہیں گئے۔" تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اماں ابا فون کر کے کبھی خود سے کال بند نہیں کرتے تھے۔ شاکرہ ہی فون لے کر کال بند کرتی تھی۔ آج بھی یہی ہوا تھا۔ انہوں نے کال ڈس کنیکٹ نہیں کی تھی اور شاید ادھر سے فرحان کی کال بھی آن رہ گئی تھی۔

"یار، تمہیں پتا تو ہے سب کچھ پھر بھی۔"

"پتا ہے مجھے، ہم سب کے حالات کم و بیش ایک جیسے ہیں مگر تم تو بالکل ہی اپنی ذات کو فراموش کر بیٹھے ہو۔ عید پر ایک نیا جوڑا تک نہیں بناتے۔ اب بھی مجھے پتا ہے دوپہر کو ایک سستے والا برگر ہی کھایا ہوگا تم نے ایک کپ کافی کے ساتھ۔" اماں ابا اور شاکرہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ شاکرہ نے اٹھ کر کال بند کرنے کی کوشش کی تو ابا نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ فرحان کا موبائل شاید الٹا رکھا ہوا تھا کہ آواز تو آرہی تھی مگر اسکرین سیاہ تھی۔

"یہ لے میرے کنجوس یار! عید کی خوشی میں میری طرف سے کھانا۔" فرحان کے دوست نے شاید کھانے کا لفافہ پکڑے اس کی طرف بڑھائی تھی۔

"کنجوس نہیں ہوں یار، تمہیں پتا تو ہے بیرون ملک آنا، یہاں نوکری کرنا میری مجبوری تھی، میں نے

دن رات محنت کی تاکہ میں اچھی سی ملازمت حاصل کرسکوں۔ میں نے اپنے ملک میں بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا اس لیے کوشش کرکے یہاں آگیا میرے ابانے ہمارے لیے بہت محنت کی تھی۔ یہاں آنے کی بنیادی وجہ زیادہ پیسے کمانا تھا۔ میں اماں کے ہاتھ میں زیادہ پیسے رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنے ارمان جو اب تک ہماری ضروریات پوری کرنے کی وجہ سے مارتی رہی ہیں نہ ماریں۔ ابانے بہت محنت کرلی۔ ہمارے لیے جدوجہد کرتے رہے اپنی ذات کو پس پشت ڈالتے رہے، میں دیارِ غیر اس لیے آگیا تھا کہ میرے اپنوں کے صبح وشام پرسکون گزریں۔ میں عید کے دن ڈبل شفٹ اس لیے کرتا ہوں کہ مجھے گھر والے یاد نہ آئیں اور میں چار پیسے زیادہ کمالوں تو کیا حرج ہے اس میں۔ ویسے بھی اپنوں کے بغیر کیسی عید۔" فرحان کا لہجہ ان تینوں کو نم سا محسوس ہوا۔

"مگر تم تو عید پر گھر جانے کی تیاری کررہے تھے نا؟" فرحان کے روم میٹ نے پوچھا۔

"ہاں یار، چوتھا سال ہے گھر والوں سے دور ہوئے، سوچا تھا اس سال روزوں میں گھر چلا جاؤں گا اور عید گھر والوں کے ساتھ مناؤں گا مگر روزوں سے پہلے اماں کی کال آگئی کہ عید کے بعد خالہ کے بیٹے کی شادی ہے اور انہوں نے کھلے ہاتھ سے دینا دلانا کرنا ہے اس لیے زیادہ پیسے بھیجوں تو میں نے ٹکٹ کے لیے رکھے پیسے سائیڈ پر کردیے کہ عید کے بعد انہیں بھیج دوں گا۔"

ابا نے پانی بھری آنکھوں سے جیسے اماں کو دیکھا ان کے کلیجے پر ہاتھ پڑا۔

"یار! ایک بات کہوں برا نہ ماننا ویسے اتنا بڑا کنبہ نہیں ہے تمہارا، جتنا تمہارے گھر والے خرچ کرتے ہیں۔"

"نہیں یار، اماں بتاتی رہتی ہیں پاکستان میں بہت مہنگائی ہوگئی ہے۔ تم میری اماں کو جانتے نہیں، وہ تو ایک ایک پیسہ گن گن کر خرچ کرتی ہیں۔ کبھی جو فضول خرچی کی ہو انہوں نے یا ہمیں کرنے دی ہو تو اب بھلا وہ کیوں زیادہ خرچہ کریں گی۔" فرحان نے فوراً اپنی ماں کا دفاع کیا۔

"اچھا یار، جا تو کپڑے بدل کر ایزی ہو کر آ میں تمہارے لیے کھانا گرم کرتا ہوں، پھر کافی پئیں گے۔"

وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تو آوازیں آنا بھی بند ہوگئیں۔ شاکرہ نے اٹھ کر کال بند کی۔ اماں نے باقاعدہ رونا شروع کردیا۔ ابا کی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"اماں! میں اور ابا آپ کو یہی سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔" شاکرہ صرف اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ہم لوگ باہر جانے والے بیٹے کی کمائی کو یوں بے دردی سے خرچ کرتے ہیں جیسے وہاں پیسے درختوں پر اگتے ہوں۔" ابا یہ کہہ کر اٹھے تو اماں نے ان کا ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھالیا۔

"میں نے اپنے بیٹے کو پیسے کمانے کی مشین اور سونے کی کان سمجھ لیا تھا۔ عید پر تو ہمیں غیروں کو بھی خوشیوں میں شامل کرنے کا حکم ہے میں کیسی ماں ہوں کہ اپنی خواہشات کی اندھی تکمیل میں اپنے بیٹے کو عید کے دن دکھ دے بیٹھی ہوں۔ اتنے سالوں سے میرا بیٹا اپنوں کو ملنے کے لیے ترس رہا ہے اور ہمیں صرف اس کے بھیجے گئے پیسوں اور چیزوں کا انتظار رہتا ہے۔" اماں کا ملال انہیں زاروقطار رلا رہا تھا۔

"اب تو جو ہونا تھا ہوگیا، اب رونے کا کیا فائدہ ہے۔" ابا کا دل پسیجا تو نرم لہجے میں کہا۔

"میں آج سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے کی کمائی کو امانت سمجھ کر خرچ کروں گی۔ میں آپا کے بیٹے کی شادی کے لیے مانگے گئے پیسے اس سے نہیں لوں گی۔ میں کہوں گی میری کمیٹی کھل گئی ہے اور اس سے کہوں گی کہ ہم اس کے بغیر اداس ہو رہے ہیں۔ وہ بڑی عید ہمارے ساتھ پاکستان میں منائے تاکہ میرا بیٹا بھی عید کی خوشیاں منا سکے۔" اماں نے اپنے آنسو صاف کیے۔

"چلو تمہیں کسی بہانے تو عقل آئی۔" ابا نے اماں کو چھیڑا اور پہلی بار وہ ناراض ہونے کے بجائے مسکرادیں۔

☆☆

Scanned with CamScanner

نگہت اعظمی

شکر نعمت ہے

ناولٹ

digest.library.com

"ثمود کھانے پینے کا بہت شوقین ہے۔" وہ جو مایوں کے زرد اور سبز گوٹے کے کام کے جوڑے میں ملبوس آنے والے خوش گوار لمحوں کے تصور میں گم تھی۔ جیٹھانی کے اس انکشاف پر جو اس کی بھابھی کی بہن بھی تھیں، ایک لمحے کو چونک گئی۔

"تو ہماری کرن کون سی کم شوقین ہے۔ آئے دن آرڈر پر نئے نئے کھانے منگوائے جاتے ہیں۔" سارہ، کرن کی چھوٹی بھابھی کم دوست زیادہ تھیں، فوراً جواب دیا۔

"ویسے ثمود دیکھنے میں تو نہیں لگتا کہ کھانے کا شوقین ہوگا اس قدر تو اسمارٹ اور سلم ہے۔"

کرن کی بڑی بھابھی ماریہ جن کی کوششوں سے یہ رشتہ ہوا تھا، کرن کو دیکھ کر دھیمے سے بولیں۔ دھیمے دھیمے لہجے میں بات کرنا ان کی عادت تھی اور ان کی یہ عادت بھی تھی کہ ہر کسی میں کوئی نہ کوئی تعریف کا پہلو نکال لیتیں اور بڑھا چڑھا کر اس کی تعریف کرتیں۔ ان کی اس عادت نے پورے خاندان کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

"اس کی اسمارٹنس کا راز یہ ہے کہ وہ باہر کا کھانا نہیں کھاتا۔ اسے ہر وقت گھر کا بنا ہوا تازہ کھانا چاہیے ہوتا ہے۔" کرن کی جیٹھانی ماریہ نے ایک اور انکشاف کیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" ابھی مایوں کی تقریب تھی اس کے لیے دونوں پارٹیوں کو ایک دوسرے کی ہر بات اچھی لگ رہی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کرن کو کوکنگ کی کلاسز جوائن کرنی پڑیں گی۔" چھوٹی بھابھی نے مسکرا کر کرن کی طرف دیکھا۔

"کلاسز جوائن کرنے کی کیا ضرورت ہے ہماری ساس تو بہترین کھانے پکاتی ہیں ان کے پکائے ہوئے کھانوں کی تو ہر کوئی بہت تعریف کرتا ہے۔ انہوں نے مجھے بھی کوکنگ سکھائی ہے اب وہ کرن کو بھی سکھا دیں گی۔"

کرن کی ساس قریب ہی بیٹھی تھیں اس لیے جیٹھانی کی آواز بھی خاصی اونچی ہوگئی تھی۔ بہو کی تعریف سے ساس کا سر بھی فخر سے بلند ہوگیا۔

"بہت ہی اچھی ساس ہیں جو بہو کو خود کام سکھاتی ہیں۔" ان عورتوں کے درمیان بیٹھی ہوئی کسی دل جلی بہو نے اپنی ساس کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"بھئی ہم تو اپنی بہوؤں کو بیٹیوں سے بڑھ کر چاہتے ہیں۔ ہم نے تو آج تک کبھی اپنی بہو سے تیز لہجے میں بات نہیں کی۔"

کرن کی ساس کے اس جملے پر کرن کی ماں کا دل ڈوب سا گیا تھا۔ ان کی ساس بھی سب سے یہی کہتی تھیں لیکن یہ تو وہی جانتی تھیں کہ ان کے ترکش میں بہو کے لیے کیسے کیسے زہریلے تیر چھپے ہوتے ہیں جو نرم لہجے کی کمان سے چھوڑتے جاتے ہیں اور سیدھے دل پر جا کر لگتے ہیں۔

"ہماری کرن بہت خوش قسمت ہے جسے ایسی ساس ملی ہیں۔" بڑی بھابھی ماریہ کی تعریف نے کرن کی ساس کے چہرے کو مزید روشن کر دیا۔ جو ویسے ہی بیٹے کی ماں ہونے کی وجہ سے دمک رہا تھا۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

کرن دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ بے حد خوب صورت اور نازک مزاج، دونوں بھابھیاں خاندان سے تھیں اور دونوں ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر کرن کو چاہتی تھیں۔ کرن اور اس سے بڑے بھائی میں پورے دس سال کا فرق تھا۔ امی ابا کے دل میں بیٹی کی خواہش تو تھی لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے بعد یہ خواہش دل کے کسی کونے میں منہ چھپا کر بیٹھ گئی تھی اور پھر دس سال بعد خدا کا کرم ہوا اور کرن کی صورت میں اللہ کی رحمت ان کے گھر آ گئی۔

ماں باپ سے زیادہ دونوں بھائی کرن کے دیوانے تھے۔ لگتا تھا دونوں کی جان کرن میں ہے، امی ابا سے زیادہ وہ اس کے لاڈ اٹھاتے، انہیں تو کرن کی صورت میں جگمگاتی آنکھوں والی گڑیا مل گئی تھی۔ جس کے ہنسنے پر وہ دونوں ہنستے اور رونے پر اداس ہو جاتے۔

اب اتنی بے تحاشا محبتیں پا کر اس کا نازک مزاج ہونا تو بنتا تھا۔ گھر میں سوائے دادی کے سب اس کی ناز برداری کرتے، اس کی ہر ضد پوری کی جاتی۔ دادی مزاجاً بھی سخت تھیں اور بچوں کی تربیت کے معاملے میں خاص طور پر لڑکیوں کے معاملے میں تو بہت ہی سخت تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ ان کی چاروں بیٹیاں اور دونوں بیٹے بے حد لائق فائق اور مہذب تھے۔ بچوں کے جوان ہونے کے بعد بھی کسی اولاد کی یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ ماں کے سامنے سر اٹھا کر بات کر سکتا۔ وہ اپنے بیٹے اور بہو کو بیٹی کے ناز نخرے اٹھاتے دیکھتیں تو ہمیشہ سمجھاتیں۔

"بیٹا! لڑکی کو پرائے گھر جانا ہوتا ہے۔ اس کی ہر ضد پوری نہ کیا کرو۔ اور نہ ہر بات کی تعریف کیا کرو کہ وہ اس کی عادی ہو جائے اور کسی کو خاطر میں نہ

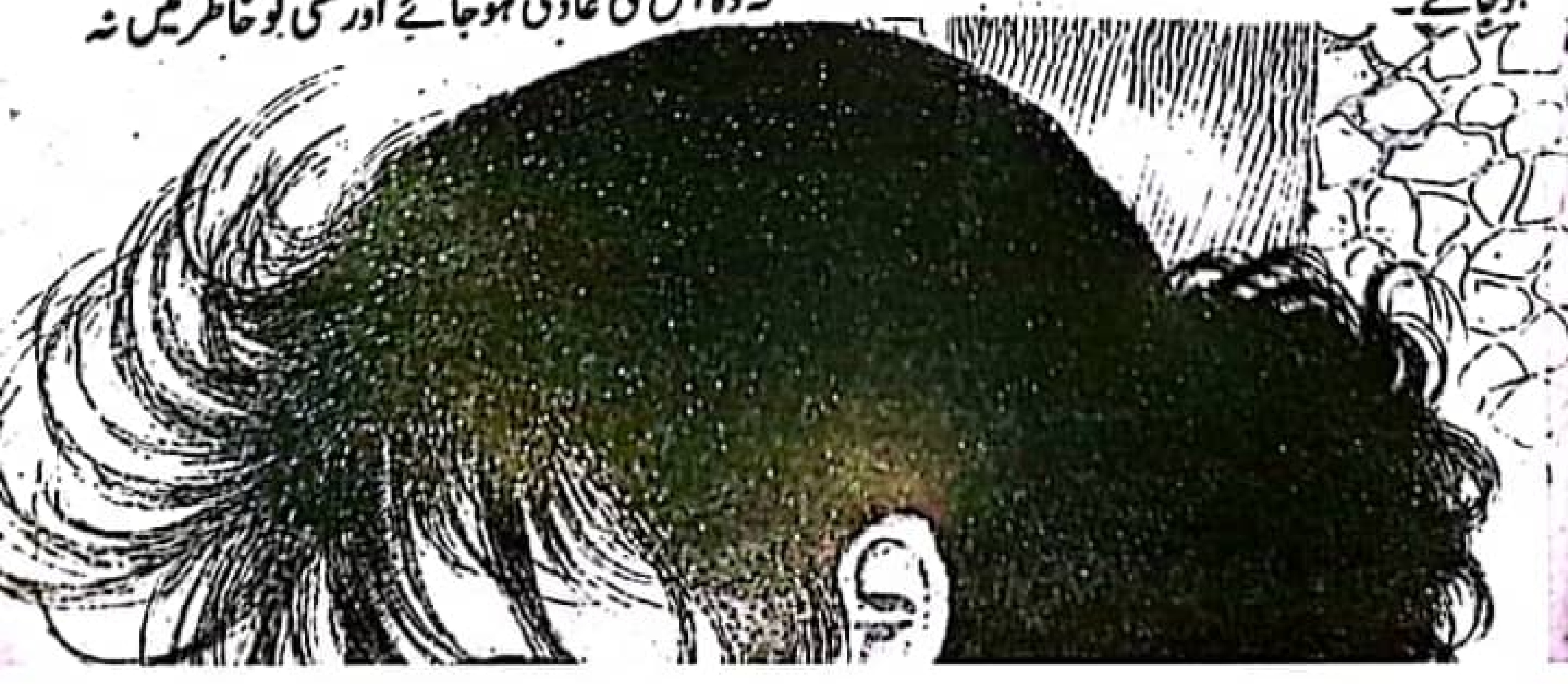

Scanned with CamScanner

لائے۔ اسے سسرال جانا ہے اور سسرال کتنی بھی اچھی ہو سسرال ہی ہوتی ہے۔ وہاں رہنے کے لیے دل کو مارنا پڑتا ہے سر کو جھکانا پڑتا ہے۔" اور دادی کی ان نصیحتوں کو تو اپا سن کر ٹال دیتے لیکن امی کا منہ بن جاتا۔ "میری بیٹی بہت نصیبوں والی ہے۔ ان شاء اللہ اسے ایسا گھر ملے گا، جہاں وہ راج کرے گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ لیکن سسرال میں راج کرنے کے لیے اپنے آپ کو مارنا پڑتا ہے۔"

"اللہ نہ کرے، میری بیٹی کو ایسے سسرال سے واسطہ پڑے۔" امی دہل کر کہتیں۔

دادی اس کی ہر ہر بات پر نظر رکھتیں۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے کے انداز پر، اس کے بات کرنے پر، اس کے لباس پر، بھائیوں کے ساتھ کھیلنے کے طریقوں پر اور جتنا وہ اس کو سمجھاتیں، امی ساس کی ضد میں اس کا الٹ کرتیں۔ وہ سلیولیس فراک پہننے کو منع کرتیں تو امی سارے فراک بغیر آستینوں کے سلوا لیتیں یا خرید لیتیں۔ دادی سر میں تیل کی مالش کرتیں تو امی فوراً اسے نہلا دیتیں۔ وہ کھانے کے وقت موبائل استعمال کرنے کو منع کرتیں تو امی کھانے کے وقت موبائل ہاتھ میں تھما دیتیں، جب اس نے میٹرک کا امتحان پاس کرلیا تو دادی چاہتی تھیں کہ وہ گھر گرہستی کے کاموں میں دلچسپی لے۔ مگر امی یہ کہہ کر ساس کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتیں۔ "ابھی اس کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔ گھر گرہستی کے لیے تو ساری عمر پڑی ہے۔"

ان دونوں ساس بہو نے سوچ لیا تھا کہ دونوں اپنے اپنے محاذوں پر ڈٹی رہیں گی اور دونوں کی جنگ میں کرن نے کچھ سیکھا اور کچھ نہیں سیکھا۔

دادی نے اسے اٹھنے بیٹھنے کی تمیز، بات کرنے کا سلیقہ اور بزرگوں کا احترام کرنا سکھا دیا تھا۔ لیکن گھر کے کام کاج میں وہ بالکل ہی کملی اور کوری تھی۔ پھر دونوں بھائیوں کی شادیوں کے بعد جب بھابیاں گھر میں آئیں تو دونوں نے ساس، سسر اور شوہروں کے دل جیتنے کے لیے ان سے زیادہ اس کے ناز اٹھائے اور اب تو دادی بھی اچھی خاصی عمر رسیدہ ہو چکی تھیں کہ ان کی بات کو اکثر سب ان سنی کر جاتے تھے لیکن اب یہ ان کی عادت بن گئی تھی کہ کوئی ان کی بات سنے یا نہ سنے وہ اپنی بات مسلسل دہرائی رہتی تھیں۔

کرن نے این ای ڈی یونیورسٹی سے الیکٹریکل انجینئرنگ میں بی ایس کرلیا تو بڑی بھابھی ماریہ اپنی بہن آریہ کے دیور کا رشتہ لے آئیں۔ ان کی بہن اپنی سسرال میں بہت خوش تھی اور سسرال والوں کی بہت تعریف کرتی تھی۔

ان کے دیور ثمود نے آئی بی اے سے بی بی اے کیا تھا اور ایک بڑی ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی جاب کر رہا تھا۔ خاندان بھی بہت بڑا نہیں تھا ایک بڑا بھائی اور دو بہنیں تھیں۔

دونوں بہنیں شادی شدہ تھیں اور بڑے بھائی اور بھابھی اسلام آباد میں رہتے تھے۔ گھر میں صرف ساس اور سسر تھے۔ سسر فوج میں کرنل تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے ملیر کینٹ میں پانچ سو گز پر بہت خوب صورت گھر خریدا تھا۔

جب بڑی بھابھی کی بہن آریہ اپنی ساس، سسر اور ثمود کو لے کر ان کے گھر آئیں تو ان لوگوں کی خوب صورتی، ان کے رکھ رکھاؤ اور ان کے مہذب انداز سے سب بہت ہی مرعوب ہو گئے اور جب وہ ان کی دعوت پر ان کے گھر گئے تو ان کا گھر، علاقہ اور گھر کا رہن سہن دیکھ کر تو انہیں کرن کی خوش قسمتی کا یقین ہو گیا اور امی کی تو باچھیں ہی کھل گئیں۔

"میں نہ کہتی تھی کہ میری کرن بہت نصیبوں والی ہے۔ اسے ایسا سسرال ملے گا جہاں وہ راج کرے گی۔" گھر آ کر امی دادی کے سامنے بلند آواز سے اس بات کو دہرا رہی تھیں کیونکہ اب دادی، ذرا اونچا سننے لگی تھیں۔

☆☆☆

جب سے رشتہ طے ہوا تھا۔ دادی کرن کے پیچھے پڑ گئی تھیں ہر وقت یہی پہاڑہ پڑھتی رہتیں۔

"بیٹا! گھر کے کاموں میں دلچسپی لو، کھانا پکانا سیکھو، تھوڑی بہت سلائی بھی سیکھ لو۔ کم از کم بٹن ٹانکنا

Scanned with CamScanner

تو دیکھ لو۔ تمہاری ساس بہت سلیقہ مند اور ہنرمند عورت ہیں تمہیں بھی گھر سنبھالنے کا سلیقہ آنا چاہیے۔

وہ وادی کی ہدایات پر عمل کرنا بھی چاہتی تو امی اور بھابھیاں اسے کچن میں آنے ہی نہ دیتیں۔

"تمہیں بھی جو کرنا ہے اپنے سسرال جا کر کرنا۔ یہاں تو اب تم مہمان ہو۔ دل بھر کے آرام کرو، شادی کے بعد ساری زندگی یہی کام کرنے ہیں۔"

اس نے بھی ماں اور بھابھیوں کے جملوں کو پلو میں باندھ لیا اور کچن کا رخ ہی نہیں کیا۔ اب وہ سارا دن یا نیٹ فلکس پر فلمیں دیکھتی یا شاپنگ کرتی اور آرڈر کر کے کھانے منگواتی رہتی۔ اور اب جب مایوں کے دن اسے پتا چلا کہ ثمود تو باہر کا کھانا ہی نہیں کھاتا۔ وہ گھر کا پکا ہوا تازہ کھانا کھاتا ہے۔ اور اس کے گھر میں کک بھی نہیں ہے۔ اس کی ساس کھانا خود پکاتی ہیں تو وہ پریشان ہو گئی کھانا پکانا تو دور کی بات اسے تو ڈھنگ سے چائے بنانا بھی نہیں آتی تھی۔ اسے تو دالوں اور سبزیوں کے نام بھی نہیں پتا تھے۔

مایوں کے دوسرے دن اس نے اپنے خدشے کا اظہار بڑی بھابھی سے کیا تو بھابھی نے اسے پیار کرتے ہوئے سمجھایا۔

"گھبراؤ نہیں۔ آریہ کو بھی کچھ نہیں آتا تھا۔ تمہاری ساس نے ہی اسے سب کچھ سکھایا۔ وہ تمہیں بھی سکھا دیں گی۔"

بھابھی کے سمجھانے پر وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی۔

☆☆☆

شادی کے ہنگاموں اور شادی کے بعد ثمود کی محبت پا کر وہ سب کچھ بھول گئی۔ زندگی اتنی بھی خوبصورت ہوتی ہے۔ وہ ولیمے کے دوسرے ہی دن ملائیشیا چلے گئے پورے دس دن بعد پاکستان واپس آئے تو اس کی جون ہی بدل گئی تھی۔ خوشی اور مسرت اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ آنکھیں ہیرے کی طرح جگمگ کر رہی تھیں اور بات بات پر لبوں سے ہنسی کی پھلجڑیاں چھوٹ رہی تھیں۔ اس کو اتنا خوش دیکھ کر امی نہال ہو جاتیں۔ اور اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتیں۔

☆☆☆

اتوار کا دن تھا۔ دو دن سے اس کی ساس کی طبیعت خراب تھی۔ ان کو شدید قسم کا ڈائیریا ہو گیا تھا۔ اتنی زیادہ ڈی ہائیڈریشن ہوئی کہ انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑا۔

وہ ایک دن اسپتال میں ایڈمٹ رہ کر گھر آ گئی تھیں۔ لیکن ثمود نے انہیں سختی سے کام کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اسی لیے ناشتا بنانے کی ذمہ داری اس کے کاندھوں پر آ گئی۔

وہ ثمود کے کہنے پر کچن میں آئی تو بہت زیادہ نروس ہو رہی تھی۔ ابھی اس کی شادی کو ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ثمود ناشتے میں بل دار پراٹھے اور تلا ہوا انڈا کھاتا ہے اور انڈا بھی ایسا تلا ہو کہ جس کی سفیدی پوری پکی ہو اور زردی کچی ہو۔ پراٹھا بھی گول تہہ دار اور بہت اچھا سنکا ہوا ہونا چاہیے اسی طرح چائے کے حوالے سے بھی ان کے اپنے معیار تھے۔

وہ لوگ دودھ پتی والی چائے نہیں پیتے تھے ابھی بھی ان کے گھر میں چائے کو دم دے کر کیتلی میں نکالا جاتا۔ اسے ٹی کوزی سے ڈھکا جاتا۔ دودھ دانی میں دودھ گرم کر کے رکھا جاتا۔ چینی بھی الگ سے شوگر پاٹ میں رکھی جاتی۔ اس کے گھر میں تو دودھ پتی کی چائے بنتی تھی۔ جس میں پانی کے ساتھ ہی چینی چائے کی پتی اور دودھ ڈال کر ابال لیا جاتا۔

اس نے اللہ کا نام لے کر ابتدا کی۔ فریج کھولا۔ آٹا گندھا ہوا رکھا تھا۔ اس نے آٹا نکال کر سلیب پر رکھا اور فوراً یوٹیوب آن کیا۔ پراٹھا بنانے کی بے شمار ترکیبیں بتائی جا رہی تھیں۔ اس نے سب سے آسان طریقے پر عمل کرنا شروع کیا۔ لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود نہ پراٹھا گول اور خستہ بن سکا اور نہ انڈا ثمود کی خواہش کے مطابق تلا جا سکا اور چائے تو

digest-library.com

Scanned with CamScanner

اس شکل کی بنی کہ اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا نام دے۔

جب یہ ناشتا ڈائننگ ٹیبل پر سرو کیا گیا تو پہلے تو امی کے چہرے کے تاثرات بدلے پھر ثمود کا منہ بنا۔ صرف سسر نے اس کی حوصلہ افزائی ––– کی وہ بھی ان الفاظ میں کہ اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"کوئی بات نہیں شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مشق ستم جاری رکھو۔ ان شاء اللہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔"

صبح کے ناشتے کے بعد جب اس نے دوپہر کے کھانے کے لیے ثمود اور ساس سے پوچھا تو ثمود نے فوراً ہی بریانی فرمائش کر دی۔

"بر......یا......نی۔" اس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

بریانی اس کی پسندیدہ ترین ڈش تھی۔ اس کے میکے میں بڑی بھابھی کے ہاتھ کی پکی ہوئی بریانی کی پورے خاندان میں شہرت تھی اس کا جب بھی بریانی کھانے کو دل چاہتا وہ ان سے فرمائش کر دیتی اور وہ اس کی فرمائش پوری کرنے کے لیے دل و جان سے جت جاتیں۔

"اور میٹھے میں فروٹ ٹرائفل بنا لینا یہ سب سے آسان سویٹ ڈش ہوتی ہے۔ ویسے اگر تم اپنی مرضی سے کچھ بنانا چاہو تو بنا لینا۔" امی نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر اس کی مشکل آسان کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے کوکنگ کرنی نہیں آتی۔ آپ مجھے ریسیپی بتا دیں۔ تو میں بنا لوں گی۔"

"ارے بیٹا بریانی اور فروٹ ٹرائفل کی کیا ریسیپی؟ یہ ڈشز تو آج کل ہر لڑکی بنا لیتی ہے میری نواسی نے تو ابھی میٹرک بھی نہیں کیا اور وہ بے حد لذیذ بریانی بناتی ہے۔ اور میری بیٹیاں بھی اسکول کے زمانے سے کوکنگ کرتی تھیں۔ اور ایسے ایسے کھانے پکاتی ہیں کہ کیا کوئی شیف پکائے گا۔ خیر میری قسمت ہماری تو بڑی بہو بھی گھریلو کاموں میں بالکل کوری تھیں انہیں بھی میں نے سب کچھ سکھایا۔ اب لگتا ہے تمہیں بھی سکھانا پڑے گا۔"

اس نے ساس کے جملوں پر شرمندہ ہو کر ثمود کی طرف دیکھا وہ اپنے موبائل پر مصروف تھا۔ یا مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا مصیبت تھی ان کو یہ سب بتانے کی خود ہی یوٹیوب سے دیکھ کر سیکھ لیتی یا بھابھی سے پوچھ لیتی۔ خوامخواہ اپنی بے عزتی کروائی۔" اس نے دل ہی دل میں خود کو بے شمار صلواتیں سنا ڈالیں۔

ساس نے ریسیپی تو بتا دی لیکن اس دوران بیٹیوں کے ایسے ایسے قصیدے پڑھے کہ اسے اپنا آپ انتہائی نکما، ناکارہ اور پھوہڑ ترین محسوس ہونے لگا۔

"میری توبہ میرے باپ کی توبہ۔ جو اب ان سے کبھی کسی کھانے کی ریسیپی پوچھی۔" اس نے دل ہی دل میں یہ عہد کر لیا تھا۔

اور پھر ساس امی کی خوش قسمتی اور اس کی بدقسمتی کہ دوپہر کے کھانے کے بعد اس کی بڑی نند کا فون آ گیا کہ وہ، ان کے شوہر اور بچے آ رہے ہیں اور وہ رات کا کھانا کھا کر جائیں گے۔

"رات کو کیا پکے گا۔؟" اس دفعہ اس نے اس معرکے میں ساس کی شمولیت ضروری نہیں سمجھی۔

"امی سے پوچھ لو۔" ثمود نے بے نیازی سے جواب دیا تو وہ بری طرح چڑ گئی۔

"میں امی سے نہیں پوچھوں گی۔"

"کیوں......؟" ثمود کے ماتھے پر ایک شکن ابھری۔

"مجھے کوکنگ نہیں آتی۔ وہ جو بھی چیزیں بتائیں گی۔ وہ مجھے پکانی نہیں آتیں۔ اس لیے مجھے شرمندگی ہوگی۔"

"تو تمہیں کوکنگ کیوں نہیں آتی۔ یہ کون سا مشکل کام ہے ہر کھانے کی ترکیب تو یوٹیوب پر مل جاتی ہے۔"

"آج کا کھانا باہر سے آرڈر کر لیتے ہیں پھر پھر میں امی کے گھر جاؤں گی تو دو چار ڈشز سیکھ کر

آجاؤں گی۔"

"سوری ہمارے گھر میں باہر سے کھانا منگوانے کا رواج نہیں ہے۔ اور میں تو بہت ہی ہیلتھ کونشس ہوں۔ مجھے باہر کھانا بالکل پسند نہیں اور مجھے سوٹ بھی نہیں کرتا۔ اب جیسا بھی ہے گھر میں ہی پکانے کی کوشش کرو۔"

ثمود نے ایک لمحے میں اس کی تجویز کو سختی سے رد کر دیا۔

"ٹھیک ہے کوشش کرتی ہوں۔ اگر اچھا نہیں بنا تو آپ برائی نہیں کریں گے۔"

"میں کیا برائی کر سکتا ہوں۔ صبح جیسی بریانی بنی تھی میں نے آج تک ایسی بریانی نہیں کھائی۔ لیکن میں نے یا میرے گھر والوں نے کچھ کہا بلکہ پاپا نے تو تعریف بھی کی۔"

ثمود کی بات پر اس کا دل جل کر کوئلہ ہو گیا۔ لیکن وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اس نے بھی کبھی ایسی بریانی نہیں کھائی تھی۔

☆☆☆

رات کے کھانے پر ساس امی اس کی مدد کرنے کچن میں آ گئی تھیں لیکن یہ اس کے لیے اور مصیبت ہو گئی وہ اس کے ہر کام کو ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے انسپکشن کر رہی ہوں۔

"پیاز ایسے نہیں کاٹتے چاول اچھی طرح سے نہیں دھوئے۔ چکن کیسے دھوئی ہے؟ چکن کڑائی میں پیاز کون ڈالتا ہے؟ مسالہ اچھی طرح نہیں بھنا ہے۔ آلو گوشت میں آلو ایسے نہیں ڈالے جاتے۔"

ڈنر کے لیے کھانا تو تیار ہو گیا تھا۔ لیکن جھنجلاہٹ، کوفت اور غصے نے اس کے اندر کی تازگی، شگفتگی کو ختم کر دیا تھا۔

کھانا تیار کر کے وہ کمرے میں آئی تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور کسی سے بات نہ کرے۔ لیکن ایسا کیسے ممکن تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے تیار بھی ہوئی۔ چہرے پر مسکراہٹ بھی سجائی اور سب کے درمیان بیٹھ کر خوش ہونے کی اداکاری

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل

چلمن

نادرہ خاتون

بڑا آدمی

نسیم سحر قریشی

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 2216361

بھی کی۔
کھانا بہت اچھا نہیں بنا تھا تو بہت برا بھی نہیں بنا تھا۔ لیکن کسی نے نہ تعریف کی اور نہ مذمت کی، بس نند نے آخر میں ایک جملہ کہہ کر اس کا دل خون کر دیا۔

"شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے ویسے امی کے ساتھ رہ کر جلد ہی سب سیکھ جاؤ گی۔"

☆☆☆

اسی طرح چھ مہینے گزر گئے اسے برا بھلا کھانا پکانا تو آ گیا لیکن گھر گرہستی کا سلیقہ نہیں آیا۔ وہ کھانا پکا کر اتنا تھک جاتی کہ پورا کچن بکھرا چھوڑ دیتی۔ پیاز کاٹتی تو چھلکے سلیب پر پڑے ہوتے جو مشین استعمال کرتی اسے وہیں چھوڑ دیتی۔ دالوں کی برنیاں بھی سلیب پر ہی رہ جاتیں۔

کبھی کبھار روٹی پکانے کی کوشش کرتی تو سارے سلیب پر آٹا بکھر جاتا اس کے بعد سینک میں سارے برتن جمع ہو جاتے۔ ساس امی جب کچن میں آتیں تو ان کا خون کھول جاتا۔ وہ بے حد نفاست پسند خاتون تھیں۔ ان سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا۔

وہ براہ راست اسے کچھ نہیں کہتیں لیکن اپنی بیٹیوں پر رکھ رکھ کر ایسا سناتیں کہ اس کے چودہ طبق روشن ہوتے۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ گھر کے کام آسان نہیں ہوتے۔ ان کو سلیقے سے کرنے کے لیے بڑی مہارت اور ہنر مندی چاہیے ہوتی ہے۔

☆☆☆

"اسما کا فون آیا تھا۔ وہ کینیڈا جا رہی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میں اس کی جگہ پر اپلائی کر دوں تو وہ اپنے سی ای او سے میرے لیے بات کر لے گی۔" وہ اور ثمود رات کے کھانے کے بعد سامنے فٹ پاتھ پر واک کر رہے تھے تو اس نے جاب کے بارے میں بتایا۔ وہ کئی جگہ اپلائی کر چکی تھی۔ ایک آدھ جگہ انٹرویو بھی ہوا تھا۔ لیکن ابھی تک کہیں فائنل نہیں ہوا تھا۔

"ہاں کر دو۔ اچھا ہے۔ سارا دن تو فارغ ہی رہتی ہو۔"

"امی، پاپا کو تو اعتراض نہیں ہوگا۔"

"نہیں نہیں انہیں کیوں اعتراض ہوگا امی خود جاب کرتی تھیں میری دونوں بہنیں جاب کرتی ہیں۔" لیکن......وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن......کیا......" وہ پریشان ہو گئی۔

"کیا تم جاب کے ساتھ گھر کے کاموں کو مینج کر لوں گی۔"

"ہاں...... ہاں...... میں آرام سے کر لوں گی۔" وہ بہت زیادہ پرجوش تھی۔

"سوچ لو تم پر کاموں کا بہت بوجھ پڑ جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے ہم لوگ تازہ کھانا کھاتے ہیں ہمارے گھر میں نہ باسی کھانے کھائے جاتے ہیں اور نہ باہر سے کھانے منگوانے کا رواج ہے۔"

"چھ مہینوں سے میں اس گھر میں رہ رہی ہوں میں آپ کے گھر کے طور طریقوں کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔" اس نے جل کر کہا۔

"اس کے باوجود امی کو تم سے شکایت ہے کہ تم کو گھر کے کاموں کا بالکل سلیقہ نہیں ہے۔ اور نہ تم توجہ سے کوئی کام کرتی ہو۔"

ثمود کی عادت تھی وہ کھل کر دو ٹوک بات کرتا تھا اور اس کی یہ عادت اکثر لوگوں کو اچھی نہیں لگتی تھی۔

"میں تو اپنی پوری کوشش کرتی ہوں لیکن آپ کی امی کو میرا کام پسند نہیں آتا تو میں کیا کروں......"

ثمود کے جملوں پر اس کا موڈ آف ہو گیا۔

"تمہیں شاید معلوم نہیں ہماری امی کی سلیقہ مندی اور نفاست پسندی پورے خاندان میں مشہور ہے، ہم چاروں بہن بھائی چھوٹے تھے تب بھی ہمارا گھر آئینے کی طرح چمکتا رہتا تھا۔ اور ہماری امی ہماری بہنوں کے زیادہ تر ڈریسز گھر میں ہی تیار کرتی تھیں۔ شاید عید یا تہوار پر ان کے ریڈی میڈ کپڑے بازار سے خریدے جاتے تھے۔" ثمود نے اپنی ماں کی تعریفیں شروع کر دیں جن کو سن سن کر اس کے کان پک گئے تھے۔

"تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں بھی آپ کی امی کی طرح سلائی شروع کر دوں۔"

Scanned with CamScanner

digest library.com

"میں جانتی ہوں کہ تم بھی ایسا نہیں کر سکتیں یہ تمہارے بس کی بات نہیں، تم اگر امی سے کھانا پکانا سیکھ لو۔ تو بڑی بات ہے۔"

"یہ تو نہ کہیں اب تو میں اچھا خاصا کھانا پکانے لگی ہوں۔"

شمود کے طعنے دینے پر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اچھا...... خاصا...... ویسے ہائی...... دی...... وے آپ نے چھ مہینوں میں شاید چھ دفعہ ہی کھانا پکایا ہوگا۔ وہ بھی جب امی بیمار ہوں ورنہ تو ہمیشہ امی ہی کھانا پکاتی ہیں۔ تم تو صرف ان کی ہیلپ کرتی ہو۔"

"تو میں کیا کروں۔ وہ کون سا مجھے پکانے دیتی ہیں۔ ہر کام میں تو نقص نکالتی رہتی ہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"تم کو شوق ہی نہیں ہے تو وہ کیا کریں۔"

"ہاں ٹھیک ہے مجھے بالکل شوق نہیں ہے۔ مجھے یہ گھر کے کام زہر لگتے ہیں میں نے اپنے گھر میں کبھی یہ کام نہیں کیے۔"

"تو اس میں قصور تمہاری امی کا ہے۔ انہیں تم سے یہ کام کروانے چاہیے تھے ان کا فرض تھا تمہیں یہ سب کام سکھاتیں۔ میری بہنوں کو دیکھو، میری امی نے دونوں کو شادی سے پہلے سب کچھ سکھا دیا تھا۔ اسی لیے جب وہ شادی ہو کر سسرال گئیں تو انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔"

شمود غلط نہیں کہہ رہا تھا یہ حقیقت تھی شمود کی ایک بہن ڈاکٹر تھی اور دوسری بہن انجینئر دونوں جاب بھی کرتی تھیں اور گھر کو بھی بہت اچھے طریقے سے سنبھالتی تھیں۔

"آپ تو وہی کہتے ہیں جو آپ کی امی کہتی ہیں، آپ کی اپنی تو کوئی سوچ نہیں ہے مجھے تو ایسا لگنے لگا ہے جیسے آپ کی امی اور بہنیں کوئی آسمانی مخلوق ہیں، جن میں کوئی برائی نہیں ہے ان سے زیادہ لائق کوئی نہیں، ان سے زیادہ سلیقہ مند کوئی نہیں۔ ان سے زیادہ عقل مند نہیں کوئی۔" وہ غصے سے پھٹ پڑی۔

"تمہیں آخر میری ماں اور بہنوں سے ایسا کیا بغض ہے کہ تمہیں ان کی تعریفیں سننا بھی گوارہ نہیں۔" اس کے قصہ کرنے پر شمود کو بھی غصہ آ گیا۔

"اگر آپ کے سامنے میں سارا دن اپنے ابا اور بھائیوں کے قصیدے پڑھتی رہوں اور آپ کو مسلسل کمتر ثابت کرنے کی کوشش کروں تو آپ بھی میری طرح ان سے چڑنے لگیں گے۔"

"خدا کے لیے اب مزید کچھ نہ کہنا ورنہ میں کچھ اور کہہ دوں گا تو تمہیں برا لگے گا۔"

"اب اور کیا کہیں گے آپ اور آپ کی امی نے ان چند مہینوں میں جس جس طرح مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے، وہ میں جانتی ہوں یا میرا دل......"

اس نے خاموشی سے اس جملے کو اپنے اندر اتار لیا اور بھیگی آنکھوں سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔

☆☆☆

"شمود نے سچ کہا تھا جاب کرنے کے بعد اس کے کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا وہ صبح اپنا اور شمود کا ناشتا بناتی وہ دونوں ناشتا کرتے پھر شمود اسے اس کے آفس ڈراپ کرکے اپنے آفس چلا جاتا واپسی میں وہ آفس وین سے آتی اسے گھر آتے آتے شام کے چھ بج جاتے وہ تھوڑی دیر آرام کرتی۔ پھر کچن میں آ کر امی کے ساتھ مل کر رات کے کھانے کی تیاری کرتی۔ ساتھ ساتھ امی کی ہدایات بھی سنتی رہتی۔ رات کے کھانے کے بعد برتن دھونا اور کچن صاف کرنا اس کی ذمہ داری تھی جسے وہ بہت توجہ سے انجام دینے کی کوشش کرتی۔ لیکن اکثر اس سے کچھ نہ کچھ کمی رہ ہی جاتی۔ کبھی وہ سلیب صاف کرنا بھول جاتی۔ کبھی صافیاں دھونا بھول جاتی کبھی صافیاں دھو لیتی لیکن پھیلانا بھول جاتی۔ کبھی چولہے صاف نہیں کرتی۔ اور امی کا بھی فرض تھا وہ صبح اٹھتے ہی کوئی نہ کوئی جملہ ایسا ضرور کہتیں کہ گھر سے نکلتے ہوئے اس کا موڈ آف ہو جاتا۔

اس دن اسے آفس سے آنے میں دیر ہو گئی تھی۔ آفس میں کام بھی زیادہ تھا۔ پھر راستے میں

Scanned with CamScanner

ٹریفک بہت تھا۔ اسے گھر تک پہنچتے پہنچتے مغرب ہوگئی تھی۔ مغرب کی نماز پڑھ کر وہ لیٹ گئی تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ ایک گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تو وہ گھبرا کر کچن میں آئی۔ ثمود آنے والا تھا اور ابھی تک اس نے کھانا تیار نہیں کیا تھا۔

وہ کچن میں آئی تو کچن کا حال بہت ابتر تھا۔ آج ماسی نہیں آئی تھی۔ صبح کے سارے برتن جھوٹے پڑے تھے۔ امی اپنی بہن کی عیادت کے لیے صبح ان کے ساتھ ہی چلی گئی تھیں۔ ثمود نے واپسی میں انہیں لیتے ہوئے آنا تھا۔ پاپا بڑے بیٹے کے پاس اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ اس نے فریزر کھولا تھا وہ بالکل خالی تھا۔ سبزی کی ٹوکری میں سوائے آلوؤں کے اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے آلو اور انڈے کا سالن بنانے کے لیے تیاری شروع کردی۔ آٹا گندھا ہوا رکھا تھا۔ اس نے پیڑے بنائے ہی تھے کہ ثمود اور امی آگئے۔

ثمود نے آتے ہی کھانے کا شور مچادیا، امی بھی لباس تبدیل کرکے کچن میں آگئیں لیکن کچن کا حشر دیکھ کر ان کو اپنے غصے پر قابو پانا مشکل ہوگیا۔

"اتنا گندا......کچن......ذرا باجی کے گھر کا کچن جاکر دیکھو۔ کتنا صاف ستھرا جگمگاتا رہتا ہے۔ ان کی بہو بھی جاب کرتی ہے لیکن جاب کے ساتھ گھر کو بھی سجا بنا کر رکھتی ہے۔" وہ برتن دھوتے ہوئے حسب عادت اسے سنا رہی تھیں۔

"تو میں کیا کروں...... مجھے کیوں سنا رہی ہیں۔" وہ تنک کر بولی۔

"میں تمہیں سنا نہیں رہی ہوں......اپنی قسمت کو رو رہی ہوں۔ ساری زندگی جس گھر کو بنانے سنوارنے میں اپنی جان ختم کردی۔ اب اس گھر کا یہ حال ہے کہ کسی کو گھر میں بلاتے شرم آتی ہے۔" وہ غصے میں کچھ زیادہ ہی بول گئی تھیں۔

"فار...... گاڈ...... سیک...... ایسی باتیں نہ کریں مجھ سے یہ باتیں برداشت نہیں ہوتیں۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔"

"خوب ہے تم جو بھی چاہے کرو میں ایک حرف بھی نہ کہوں، میں تو کچھ کہتی ہی نہیں ورنہ تو ساسیں نہ جانے کیا کیا کچھ کہتی ہیں۔"

"آپ جو کچھ کہتی ہیں نا۔ یہ میرے لیے بہت ہے میں اس سے زیادہ نہیں سن سکتیں۔"

"تو نہ سنو۔ کان بند کرو۔ میں تو کہوں گی۔ میں نے بڑی محنت سے یہ گھر بنایا ہے۔ میں ایسے دوسروں کے حوالے کرکے برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتیں۔"

"امی پلیز...... ایسی باتیں نہ کریں۔ میرا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے کچھ نہیں کہتی۔ جو تمہارا دل چاہے کرو۔ گھر کو کباڑ خانہ بنادو۔ کچن کو اتنا گندا رکھو کہ چوہوں اور کاکروچوں کا مسکن بن جائے۔ اگر تم سے ڈھنگ سے کام نہیں ہوتے تو تم صاف صاف کہہ دو مجھے کسی کی ضرورت نہیں ابھی مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں سارے کام کرسکتی ہوں۔" امی کا بھی بلڈ پریشر ہائی ہوگیا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ کی مرضی ہے۔ میں جارہی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر کچن سے باہر آگئی۔ سالن تیار تھا۔ امی نے برتن دھو کر روٹی پکائی اور ثمود کو آواز دی۔

ثمود لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ اس نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کرن کے بارے میں پوچھا۔

"کرن کہاں ہے۔"

"وہ ناراض ہوکر اپنے کمرے میں چلی گئی ہیں۔" امی کے ماتھے پر بل دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ دونوں میں کسی بات پر کھٹ پھٹ ہوئی ہے۔

"کیا ہوا خیریت ہے؟"

"کیا بتاؤں......؟ تمہیں تو پتا ہے مجھ سے سنک میں جھوٹے برتن برداشت نہیں ہوتے۔ ابھی کچن میں داخل ہوئی تو پورا سنک جھوٹے برتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ بس مجھے غصہ آگیا میں نے ایک دو باتیں سنادیں۔ وہ بگڑتی ہوئی کمرے میں چلی گئی ہے۔"

"چلیں چھوڑیں کھانا کھائیں۔ وہ تھوڑی دیر بعد خود ہی ٹھیک ہوجائے گی۔ ویسے وہ کوشش تو کرتی ہے کہ آپ کی مرضی کے مطابق کام کرے لیکن

اسے کام کرنے کی عادت نہیں۔ اس لیے وہ اس طرح کام نہیں کر پاتی جیسے آپ کرتی ہیں۔" ثمود نے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی تو امی کا پارہ اور ہائی ہو گیا۔

"خوامخواہ بیوی کی طرف داریاں نہ کرو۔ وہ کوئی دودھ پیتی بچی ہے کہ اسے برتن دھونے نہیں آتے یا کچن صاف کرنا نہیں آتا۔"

امی کی آواز خاصی تیز ہو گئی تھی اور کرن جو کھانا کھانے کے لیے لاؤنج میں آئی اور امی کے جملے سنے تو اس سے برداشت نہ ہو سکا۔

"ثمود! آپ امی سے کہیں کہ وہ ایسی باتیں نہ کریں۔ ورنہ...... ورنہ۔" شدت جذبات سے اس کی آواز کانپنے لگی۔

"ورنہ...... ورنہ...... کیا......؟" امی کے لہجے میں مزید گرمی پیدا ہو گئی۔

"ورنہ...... ورنہ میں یہاں نہیں رہوں گی...... اپنے گھر...... چلی جاؤں گی۔"

"تو چلی جاؤ...... تمہیں روکے گا کون......؟" امی نے انتہائی رکھائی سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آج ابھی اور اسی وقت جاؤں گی۔" اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"کرن...... کرن...... پلیز...... اپنے آپ کو سنبھالو...... امی نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم اس طرح چلا رہی ہو۔"

"امی نے کچھ نہیں کہا۔ آپ بھی کچھ نہیں کہتے۔ بس میں پاگل ہو گئی ہوں۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ آپ مجھے فوراً میری امی کے گھر پہنچا دیں۔"

اس نے گلاس اٹھا کر زمین پر پھینک دیا جو ثمود اسے دے رہا تھا۔

"واقعی تم پاگل ہو چکی ہو۔" ثمود کو بھوک بھی بہت لگ رہی تھی اور اس کے اس طرح گلاس پھینکنے پر وہ بھی غصے میں آ گیا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ ابھی اسی وقت مجھے میرے گھر پہنچا دیں۔"

"میں تمہارے بھائی کو فون کر دیتا ہوں، وہ آ کر لے جائیں گے پھر جب تمہارا دل چاہے تم خود ہی آ جانا میں تمہیں لینے نہیں آؤں گا۔"

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ میں اب دوبارہ اس گھر میں آؤں گی، میں جا رہی ہوں اور تم اپنی امی سے کہہ دو کہ وہ اس گھر کو سجا بنا کر شوکیس میں سجا دیں۔"

"ٹھیک ہے اسے جانے دو۔ چند دن میکے میں رہے گی تو اس کا دماغ درست ہو جائے گا۔" ثمود کی امی نے بھی ساس ہونے کا پورا حق ادا کر دیا۔

☆☆☆

وہ اپنے میکے آ گئی امی کے گلے سے لگ خوب روئی۔ بھائی اور بھابھیوں نے تسلی دی۔ ڈھارس بندھائی۔ ثمود اور اس کی ماں کو ہزاروں باتیں سنائیں اس کی ہر بات کو صحیح اور ثمود کی ہر بات کو غلط تسلیم کیا۔

وہ میکے آ کر بہت خوش تھی۔ سب بہت زیادہ خیال رکھ رہے تھے۔ بس دادی ہی تھیں جن کی باتیں ان پھولوں جیسے لوگوں کے درمیان کانٹے کی طرح چبھ رہی تھیں۔

"یہ بالکل غلط ہے، ذرا ذرا سی بات پر اپنا گھر نہیں چھوڑنا چاہیے، شادی کے بعد عورت کی عزت اس کے شوہر کے گھر میں ہی ہوتی ہے۔"

"دادی آپ نہیں جانتیں وہاں مجھے کتنی اذیت دی جاتی تھی۔ مجھے کیسے کیسے طعنے دیے جاتے تھے کس کس طرح میری ذات کی نفی کی جاتی تھی، کبھی کسی نے میرے کسی کام کو سراہا ہی نہیں۔ کوئی میری کسی بات کی تعریف ہی نہیں کرتا تھا۔"

"پھر بھی...... یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ جس پر تم اپنا گھر چھوڑ دو۔ ابھی تمہیں دن ہی کتنے ہوئے ہیں ابھی تو ایک سال بھی نہیں ہوا۔ ابھی تو تمہارے قدم اس زمین پر جمے ہی نہیں اور تم نے اس زمین کو چھوڑ دیا۔"

"دادی! میں آپ کو کیا بتاؤں اگر میں کچھ عرصے اور ان لوگوں کے ساتھ رہتی تو شاید میں پاگل

Scanned with CamScanner

digest.library.com

ہوجاتی۔'' وہ اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے کی کوشش کرتی۔

''نہیں بیٹا! ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تم ایسا مت سوچو، کچھ دن کے لیے اپنے آپ کو بھول جاؤ۔ چند دن میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''نہیں دادی! وہ بہت عجیب طرح کے لوگ ہیں، نہ جانے کس زمانے میں رہ رہے ہیں۔ اور ہماری ساس کا مسئلہ ہی بڑا عجیب ہے انہیں ہر کام خود کرنے کا شوق ہے ہر کام خود کرتی ہیں اور چاہتی ہیں بھی ان کی طرح ہر وقت گھر کے کاموں میں مصروف رہوں۔''

''تو اس میں برائی کیا ہے؟ اچھا ہے انسان جتنا مصروف رہے برائیوں سے دور رہتا ہے۔''

''سوری دادو! میں ہر وقت ایسے بورنگ کام نہیں کرسکتی پھر انہوں نے بچوں کو بھی ایسی عادتیں ڈال دیں۔ بھلا بتائیں آج کل کوئی لڑکا ایسا ہوگا جو گھر کا کھانا شوق سے کھائے جسے باہر کے کھانے ہی پسند نہ ہوں۔ میں تو ایک سال سے اس گھر میں آرڈر سے کھانے منگواتے ہی کو ترس گئی ہوں۔''

''تو یہ کون سے فخر کی بات تھی۔ تمہاری یہی عادتیں تھیں جن پر میں ہر وقت ٹوکا کرتی تھی مگر تمہاری ماں نے میری ضد میں تم کو کھلی چھٹی دے دی تھی۔ یہ سب تمہاری ماں کی غلط تربیت کا نتیجہ ہے اب بھی آنکھیں کھول لو۔ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔''

''نہیں دادو! میں نے فیصلہ کرلیا ہے اب میں وہاں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے دادی کی تمام نصیحتوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنا فیصلہ سنا دیا۔

☆☆☆

رمضان کا آغاز ہونے والا تھا۔ اسے میکے آئے ہوئے پورے دو ماہ ہوچکے تھے۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ سب اب بھی اس کی خاطر داریوں میں لگے رہتے۔ بھائی آفس سے آتے ہی اس کے بارے میں پوچھتے۔ امی پاپا کو ہر وقت اس کی فکر رہتی۔ بھابھیاں ہمیشہ کی طرح اس کا خیال رکھتیں لیکن اس کے دل کو پھر بھی اطمینان نہیں تھا۔

ایک عجیب سے بے قراری اور بے کلی تھی۔ جس نے اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ وہ بظاہر بہت خوش نظر آتی لیکن اندر سے خوش نہیں تھی۔ ان دو مہینوں میں اس کی نندوں کے کئی بار فون آئے۔ سسر اس سے ملنے کے لیے آئے لیکن ثمود اور اس کی ساس نے ایک بار بھی اسے فون نہیں کیا۔

وہ شادی کے بعد کافی بدل گئی تھی۔ اب اس کے اندر پہلے جیسی لاپروائی اور بے نیازی نہیں رہی تھی۔ اب وہ اکثر کچن میں جا کر بھابھیوں کی ہیلپ کرنے کی کوشش کرتی ان سے کھانوں کی، ریسپیز پوچھتی، کبھی دادی کے پاس بیٹھ جاتی۔

آفس سے آکر وہ بے کل پھرتی رہتی۔ اس کے پاس کرنے کے لیے کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ جبکہ ثمود کے گھر آفس سے آتے ہی اس کے سر پر ڈنر کا بوجھ سوار ہوتا کھانے کے بعد برتن دھو کر اور کچن صاف کرکے وہ اپنے اور ثمود کے کپڑوں پر استری کرتی حالانکہ کپڑے دھوبی سے دھل کر آتے تھے۔ مگر وہ پھر بھی ان پر استری کرتی پھر صبح اٹھ کر اپنا اور ثمود کا ناشتا بناتی۔

☆☆☆

رمضان کا چاند نظر آتے ہی گھر میں خوش گوار سی چہل پہل شروع ہوگئی تھی دونوں بھابھیوں نے رمضان سے پہلے ہی تیاریاں شروع کردی تھیں تاکہ رمضان میں زیادہ سے زیادہ عبادت کا وقت مل سکے۔ بڑی بھابھی نے پورے مہینے کے لیے چاٹ مسالہ بنا کر رکھ دیا تھا۔

چھوٹی بھابھی نے بے شمار رول اور کباب بنا کر فریز کردیے تھے۔ بیسن میں نمک، کٹی مرچ، زیرہ، اجوائن، میٹھی دانہ ملا کر رکھ دیا تھا۔ سحری کے لیے پراٹھے بنا کر فریز کرلیے تھے۔ املی، پودینے اور ہرے دھنیے کی چٹنیاں بنا کر رکھ دی تھیں۔

وہ اب یہ سب اہتمام بہت غور سے دیکھ رہی تھی ورنہ شادی سے پہلے اس نے کبھی ان چیزوں پر غور ہی

Scanned with CamScanner

نہیں کیا تھا۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ واقعی گھر گرہستی کتنی بڑی سائنس ہے اور گھر کو منظم طریقے اور ترتیب سے چلانا کتنا بڑا آرٹ ہے۔

پچھلا رمضان اس نے سسرال میں گزارا تھا۔ جب اس کی شادی کو صرف چند دن ہی ہوئے تھے وہ سحری میں اس وقت اٹھتی جب اس کی ساس سحری کی ساری چیزیں تیار کر چکی ہوتیں۔ وہ سحری کرتی اور سو جاتی۔

افطاری کے وقت وہ ضرور کچن میں ساس کا ہاتھ بٹاتی لیکن وہ کچھ بناتی نہیں تھی اور اس کی ساس اسے کچھ بنانے بھی نہیں دیتی تھیں۔ وہ اس کی نئی نویلی دلہن ہونے کی وجہ سے اس کی ناز برداریاں کر رہی تھیں لیکن اب جب وہ اپنی بھابیوں کو صبح سے شام تک کچن میں مصروف دیکھتی تو دل ہی دل میں ندامت کا احساس ہوتا لیکن اس ندامت کے احساس کو اس کی انا کا سانپ ڈس کر بے جان کر دیتا۔

رات کے کھانے کے بعد جب سب لاؤنج میں بیٹھ کر ہنسی مذاق کرتے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو ان سب کے درمیان مس فٹ محسوس کرتی حالانکہ ابھی تک اسے اس گھر میں وی آئی پی پروٹوکول مل رہا تھا۔

☆☆☆

وہ، دادو، چھوٹی بھابھی اور پاپا لاؤنج میں بیٹھے تھے امی اور بڑی بھابھی، بھابھی کے بھتیجے کی سالگرہ میں گئی ہوئی تھیں۔ بھابھی نے اس سے بڑا اصرار کیا کہ وہ بھی چلے لیکن وہ یہ سوچ کر نہیں گئی کہ وہاں اس کی ساس اور محمود بھی آئے ہوں گے اور وہ کسی صورت بھی ان کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

اس کی وجہ سے چھوٹی بھابھی بھی نہیں گئیں اور پاپا تو ویسے بھی ان تقریبات میں نہ جانے کے بہانے ڈھونڈا کرتے تھے۔

☆☆☆

''تم لوگوں نے کھانا کھالیا۔'' دادی عشاء کی نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر ان کے درمیان آ کر بیٹھ گئیں۔

''آپ کے بغیر کیسے کھالیتے۔ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔'' پاپا نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کرن کی طرف دیکھا جو اپنے موبائل پر مصروف تھی۔

''آج کرن نے یخنی پلاؤ بنایا ہے۔'' چھوٹی بھابھی اٹھتے ہوئے بولیں۔

''تو پھر اللہ ہمارے حال پر رحم کرے۔'' پاپا نے مسکرا کر کرن کو چھیڑا۔

کرن نے چھوٹی بھابھی کے ساتھ مل کر ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگایا سب سے پہلے دادی نے اپنی پلیٹ میں پلاؤ نکالا۔ پھر پاپا نے اور پاپا نے نوالہ منہ میں رکھتے ہی تعریف شروع کر دی۔

''واہ بھئی واہ کیا پلاؤ بنایا ہے تم نے تو اپنی ماں کو بھی مات دے دی۔''

پاپا کی تعریف کے بعد چھوٹی بھابھی اور بھائی نے بھی دل کھول کر تعریف کی لیکن دادی بالکل خاموش رہیں۔ تھوڑی دیر بعد بولیں تو تعریف تو کیا کرتیں دو تین نقائص نکال دیے۔

''گرم مسالہ زیادہ تھا میرے تو کلیجے میں آگ لگ گئی۔ چاول بھی تھوڑے سخت تھے اور نمک بھی خاصا کم تھا۔''

دادی کے ریمارکس پر اس کا منہ بن گیا اور وہ تنتاتی ہوئی کھانا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''اماں! آپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اسے برا لگ گیا۔'' پاپا نے دھیمے سے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو لگا کرے برا...... تم ہی لوگوں نے بے جا تعریفیں کر کر کے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے اسے اپنی تعریفیں سننے کی اتنی عادت پڑ گئی ہے کہ اب اس سے کسی کی تنقید برداشت ہی نہیں ہوتی۔''

''اماں آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں ایک تو وہ ویسے ہی پریشان ہے دوسرے آپ ایسی باتیں کر کے اسے اور پریشان کر دیتی ہیں۔'' پاپا کا لہجہ خاصا تلخ ہو

Scanned with CamScanner

گیا تھا۔

"تو یہ پریشانی اس کی اپنی پیدا کردہ ہے اور تم لوگوں کے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے لڑکیوں کی اس طرح تربیت نہیں کی جاتی۔ جیسی تم لوگوں نے کی ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس سے کسی کی بات برداشت نہیں ہوئی۔" دادی اب عمر کے اس حصے میں تھیں کہ جو جی میں آتا بول دیتیں اور کوئی انہیں روک بھی نہیں سکتا تھا۔

"آخر کرن میں کیا کمی ہے۔ خوب صورتی ہے پڑھی لکھی ہے مہذب ہے۔ اس کے سسرال والوں کو تو اسے سر آنکھوں پر بٹھانا چاہیے نا کہ اس کے ہر کام میں خامیاں نکالیں اور اسے کمتر ثابت کرنے کی کوشش کریں۔" چھوٹی بھابھی نے ہمیشہ کی طرح کرن کی طرف داری کی۔

"رہنے دو، زیادہ خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کون سے سسرال والے ایسے ہوتے ہیں۔ جو نئی آنے والی لڑکی کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں، پہلے لڑکی کو سسرال والوں کو سر آنکھوں پر بٹھانا پڑتا ہے۔ پھر اسے یہ مقام ملتا ہے۔ لیکن آج کل تو لڑکیاں یہ چاہتی ہیں کہ وہ سسرال جاتے ہی ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر ہی سب کی آنکھوں کا تارا بن جائیں۔ اور سب ان کے آگے پیچھے پھریں۔"

دادی کی تقریر جاری تھی جب امی اور بڑی بھابھی آگئیں۔ سب کے چہرے تاثرات دیکھ کر وہ سمجھ گئیں کہ کوئی معرکہ جاری ہے۔

"تم لوگوں نے بہت دیر کر دی، مجھے تو پریشانی ہونے لگی تھی۔" پاپا نے دادی کی تقریر کو روکنے کے لیے جلدی سے موضوع بدل دیا۔

"کیا کیا جائے کسی کو احساس ہی نہیں کہ ورکنگ ڈے میں اتنی رات کو تقریبات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے تو سخت تھکن ہو رہی ہے میں سونے جا رہا ہوں۔"

بڑے بھائی کا منہ بنا ہوا تھا۔ اور انہوں نے جھنجلا کر کچھ اس طرح کہا کہ بھابھی خوامخواہ ہی شرمندہ ہو گئیں۔

"کرن کہاں ہے۔" امی نے کرن کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"بیگم صاحبہ ناراض ہیں کیونکہ میں نے ان کے پکائے ہوئے کھانے تعریف نہیں کی۔ تمہاری بچی بالکل تمہارا عکس ہے، وہی عادتیں ہیں وہی طور طریقے ہیں۔ ذرا سا کچھ کہا فوراً منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔" دادی کا دل اس عمر میں بھی بہو کی طرف سے صاف نہیں تھا۔

"اچھا ہوا۔ آج کرن نہیں گئی۔ وہاں ثمود اور اس کی ماں بھی آئی ہوئی تھیں۔" امی دادی کی بات کو سنی ان سنی کر کے پاپا سے مخاطب ہوئیں۔

"کچھ کہہ رہی تھیں کیا۔" پاپا کے اندر کی پریشانی ان کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔

"نہیں...... مجھ سے ڈھنگ سے بات ہی نہیں کی۔ بہت زیادہ اکڑی اکڑی لگ رہی تھیں۔"

"اور ثمود......؟"

"اویس بتا رہا تھا کہ اس نے اسے سلام تک نہیں کیا۔ بہت بڑے لوگ ہیں۔" امی شدید غصے میں تھیں۔

"یہ تو بہت غلط بات ہے۔ ثمود کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ثمود کی امی ماما کو بتا رہی تھیں کہ ثمود کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ اسے مسلسل سر میں درد رہنے لگا ہے۔" بڑی بھابھی نے یہ رشتہ کرایا تھا اس لیے ہر بات کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی تھی وہ مسلسل ان لوگوں کی طرف سے صفائیاں پیش کرتی رہتی تھیں۔

"اونہہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ اب میرا منہ نہ کھلواؤ۔ اب اگر طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو بھاوج کے بھتیجے کی سالگرہ میں کیوں آگئے ایسا قریبی رشتہ تو نہیں تھا۔"

"ثمود کی ماں بہت عمدہ اور ملنسار خاتون ہیں۔ وہ بڑے قرینے سے رشتہ داریاں نبھاتی ہیں۔" دادی کی ثمود کی ماں کی تعریف کرنے پر امی کو پتنگے لگ گئے لیکن پاپا کی وجہ سے وہ کچھ کہہ نہ سکیں اور خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئیں۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

☆☆☆

"کرن! ثمود کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" صبح کے ناشتے کے بعد کرن آفس جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی تو بڑی بھابھی نے اسے اس کے کمرے میں آ کر بتایا۔

"آپ کو کس نے بتایا۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"کل ثمود کی امی نے بتایا تھا۔"

"اسے کیا ہوا ہے؟ وہ تو اپنی صحت کا بہت خیال رکھتا ہے۔" اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بتا رہی تھیں کہ کرن کے آنے کے بعد وہ بہت خاموش رہنے لگا تھا۔ اور اب دو ہفتوں سے اس کے سر میں مسلسل درد رہنے لگا ہے۔"

"اس کی امی آپ کی ماما کو بتا رہی تھیں مجھے فون کر کے نہیں بتا سکتی تھیں۔"

"شاید وہ سمجھ رہی ہوں کہ کسی نے تمہیں بتا دیا ہوگا۔"

"مجھے کون بتائے گا۔ دو مہینے ہو گئے ہیں۔ ثمود کو توفیق نہیں ہوئی کہ ایک دفعہ بھی مجھے فون کر لیتا یا ایک میسج ہی بھیج دیتا۔" یہ کہتے کہتے کرن کی آواز بھرانے لگی۔

"شوہر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ کبھی نہیں جھکتے ہمیشہ بیویوں کو ہی جھکنا پڑتا ہے۔"

"بھابھی یہ سب پرانی باتیں ہیں۔ آج کل کوئی کسی کے آگے نہیں جھکتا، جس طرح مرد کی عزت نفس ہوتی ہے۔ ایسے ہی عورت کی بھی عزت نفس ہے۔"

"اس میں عزت نفس کی کیا بات ہے پھر گھر چھوڑ کر تو تم آئی تھیں ثمود نے تو تمہیں جانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ اور پھر تمہارے بھائی تمہیں لے کر آئے تھے۔"

"تو اس نے روکا بھی تو نہیں۔ کیا وہ مجھے روک نہیں سکتا تھا۔"

"کرن خوامخواہ کی ضد میں اپنا گھر برباد نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے رشتے میں شوہر کو ایک درجہ برتری عطا کی ہے تاکہ گھر کا انسٹی ٹیوشن اچھی طرح چل سکے۔"

"یہ ضروری تو نہیں۔"

"یہ بہت ضروری ہے تم آفس میں جاب کرتی ہو جو آفس کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کی بات مانی جاتی ہے۔ اسی کا فیصلہ تسلیم کیا جاتا ہے چاہے وہ عورت ہو یا مرد اور پھر یہ بات مانو کہ عورت کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے نرمی اور لچک رکھی ہے کہ اگر میاں بیوی کے رشتے میں تناؤ پیدا ہو تو بیوی اپنی فطرت کی نرمی اور لچک سے اس کو دور کر سکتی ہے۔"

"بھابھی ابھی تو مجھے دیر ہو رہی ہے میں شام میں آ کر بات کروں گی۔" اس نے پرس اٹھایا اور تیزی سے کمرے سے باہر آ گئی۔

"اسے کیسے سمجھاؤں کہ گھر توڑنا بہت آسان ہے اس کو جوڑ کر رکھنا کتنا مشکل ہوتا ہے عورت ساری زندگی اس گھر کو جوڑے رکھنے کے لیے کیسی قربانیاں دیتی ہے کیسے کیسے نشتر سہتی ہے کیسے کیسے الفاظوں کے تیر دل پر لیتی ہے تب جا کر ایک چھوٹا سا گھر بنتا ہے۔"

بھابھی نے ٹھنڈی سانس بھری اور کچن میں آ کر کچن کو سمیٹنے میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆

رمضان کے پہلے جمعے کو امی نے افطار پارٹی کا اہتمام کر لیا تھا۔ افطار پارٹی میں دونوں بہوؤں کے گھر والے مدعو تھے وہ بھی کچن میں بھابھیوں کے ساتھ مصروف تھی۔

ایک سال پہلے افطار پارٹی میں ثمود اور اس کے گھر والے بھی آئے تھے۔ وہ کتنا خوش تھی اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ اس نے ثمود کی پسند کا لائٹ پرپل کلر کا سوٹ پہنا تھا جو اس کی گلابی رنگت پر بہت زیادہ کھل رہا تھا۔ ثمود کی محبت نے اس کی جون ہی بدل دی تھی۔

اس سال امی نے انہیں نہیں بلایا تھا۔ جبکہ دادی

Scanned with CamScanner

اور بڑی بھابھی چاہ رہی تھیں کہ انہیں بھی بلایا جائے امی بھی ان دونوں کے کہنے پر ان کو بلانے کے لیے نیم رضا مند ہو گئی تھیں لیکن کرن نے سختی سے منع کر دیا۔

''ہرگز نہیں اگر آپ نے ان لوگوں کو بلایا تو میں گھر سے چلی جاؤں گی۔'' اور اس کے اس جملے پر دادی کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

''غضب خدا کا یہ کس قدر خود سر ہوتی جا رہی ہے بھلا ایسے دماغ کے ساتھ کوئی سسرال میں کیسے رہ سکتا ہے میں نے تو اپنی ساری زندگی میں ایسی خود سری نہیں دیکھی۔ ماں کو دیکھو وہ بیٹی کے سامنے مجبور اور بے بس ہیں۔ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ اگر بیٹیاں ناراض ہو کر میکے آ جاتیں تو باپ، بھائی خود سسرال پہنچا کر آتے تھے ایسا کہیں نہیں ہوتا تھا کہ بیٹی گھر آئے تو اسے سمجھانے کے بجائے اس کے آگے پیچھے پھر کر اس کا دماغ خراب کر دیا جائے اور اسے اس کی غلطیوں کا احساس دلانے کے بجائے اس کی غلطیوں پر واہ واہ کی جائے۔''

دادی بولتی تھیں تو بولتی ہی چلی جاتی تھیں اس کا دل چاہ رہا تھا اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لے۔

شام کو جب بڑی بھابھی کے میکے والے آئے اور افطار کے بعد سب مل جل کر باتیں کر رہے تھے تو اسے ایک دم اپنے چاروں طرف سناٹا سا محسوس ہونے لگا۔ اسے عجیب سے بے چینی نے گھیر لیا۔

''شمود کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شمود کے بارے میں سوچنے لگی۔

''کیا مجھے شمود کو فون کرنا چاہیے۔'' وہ اپنے کمرے میں آ کر سوچنے لگی۔

''اس نے فون کیوں نہیں کیا؟''

''بھابھی بتا رہی تھیں وہ بہت خاموش رہنے لگا ہے۔ جبکہ وہ کتنا خوش مزاج تھا۔''

اگر وہ ایک میسج ہی کر دیتا۔ اس کی نظر میں میری اہمیت ہوتی تو وہ مجھ سے ملنے کی کوشش تو کرتا۔

ہو سکتا ہے وہ بھابھی کے بھتیجے کی سالگرہ میں اسی لیے آیا ہو کہ اس کی مجھ سے ملاقات ہو جائے۔'' بھابھی نے اس سے یہی کہا تھا۔

بھابھی صحیح کہہ رہی تھیں۔ ورنہ وہ طبیعت کی خرابی کے باوجود وہاں کیوں آتا۔

''اگر میں اسے فون کروں۔''

''پر میں کیسے فون کر سکتی ہوں۔ میں تو اس سے اس کی امی کے سامنے یہ کہہ کر آئی تھی کہ میں اب بھی اس گھر میں واپس نہیں آؤں گی۔ اب اگر میں گئی تو میری نہ اپنے میکے میں کوئی عزت رہے گی اور نہ سسرال میں اس کی امی کو تو موقع مل جائے گا۔ پھر وہ ہر وقت ہی طعنے دیتی رہیں گی۔''

دادی کہتی تھیں۔ ایک پودے کو جب ایک زمین سے اکھاڑ کر دوسری زمین میں بویا جاتا ہے تو مٹی میں اس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ ذرا سی تیز ہوا چلے تو وہ اکھڑنے لگتا ہے لیکن جب اس کی جڑیں مٹی میں مضبوط ہو جائیں تو پھر وہ ہر قسم کی ہواؤں کے جھکڑوں کو برداشت کر لیتا ہے۔ لڑکی بھی جب بیاہ کر سسرال میں جاتی ہے تو سسرال کی زمین میں قدم جمانا مشکل ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ سسرال کی زمین اس کے قدم پکڑ لیتی ہے اور جب اس کے قدم جم جاتے ہیں تو پھر کیسے ہی طوفان آئیں۔ کیسی ہی پریشانیاں ہوں وہ اپنے گھر میں مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رہتی ہے اور کوئی اسے وہاں سے ہٹانے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔

بھابھی یہ بھی تو کہتی تھیں۔ محبت میں انا نہیں ہوتی۔ محبت صرف محبت ہوتی ہے۔ اگر تم محبت کی نظر سے رشتوں کو دیکھو گی تو ہر رشتہ بے حد حسین اور خوب صورت نظر آئے گا۔ زندگی میں ہر طرف رنگ اور خوشبوؤں کی پھوار برسے گی۔

''مجھے کیا کرنا چاہیے......؟ کیا میں ساری زندگی یہاں رہ سکتی ہوں۔'' یہ سوچ کر ہی اس کا دل خوف سے لرزنے لگا۔

Scanned with CamScanner

"سب بہت اچھے ہیں پھر بھی سب اچھا کیوں نہیں لگتا۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

☆☆☆

ستائیس رمضان کی رات تھی شب قدر کی رات کہ جس رات فرشتے اللہ کے حکم سے تمام امور لے کر نازل ہوتے ہیں وہ ساری رات اس نے سجدے میں گزار دی ایک لمحے کے لیے بھی اس نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔

"میرے مالک، میرے رب، رب کائنات میرے اللہ تو رحمان ہے تو رحیم ہے تو ارحم الرحمین ہے مجھ پر رحم فرما مجھ پر کرم کر۔ میرے گناہ معاف کر دے ثمود کو زندگی دے دے ثمود کو زندگی دے دے۔"

ثمود کے سر میں مستقل درد رہنے لگا تھا ڈاکٹروں نے ٹیسٹ کروائے تو سر کے پچھلے حصے میں ٹیومر کی تشخیص ہوئی۔ فوری طور پر آپریشن کر کے وہ ٹیومر نکالا گیا۔

ٹیومر کی بائیوپسی کی رپورٹ آئی تھی جس سے پتہ چلتا کہ ٹیومر میلیگنینٹ ہے یا بینائن۔ اگر بینائن (Benign) ہوتا تو پھر خطرے کی بات نہیں تھی۔ اس پر قابو پانا آسان ہوتا ہے جبکہ mallignant کا مطلب تھا کینسر جو انتہائی تیزی سے پھیلتا ہے اور جس کا علاج بے حد تکلیف دہ اور مہنگا تھا۔

اسے جب پتا چلا تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ اسے ثمود کے سوا کچھ بھی یاد نہ رہا۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فوراً ہی گھر آ گئی، ثمود کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ امی نے بھی سب بھول کر اسے گلے سے لگا لیا۔ گھر میں ہر طرف خوف اور دہشت کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔

انسان کتنا ناشکرا ہے جب اللہ ہر نعمت عطا کرتا ہے تو وہ بہت معمولی معمولی باتوں کو انا کا مسئلہ بنا کر ان نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور جب وہ اپنی کوئی نعمت واپس لینے لگتا ہے تب انسان کو ہوش آتا ہے کہ اس کے پاس نعمتوں کا کیسا خزانہ تھا۔ وہ حد سے زیادہ

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Scanned with CamScanner

نادم اور شرمندہ تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنا سب کچھ دے کر ثمود کی زندگی بچالے اسے اب صرف ثمود کی محبت یاد رہ گئی تھی اور اس کے دماغ سے ہر چیز محو ہو چکی تھی۔

اس کے وجود کا ذرہ ذرہ ثمود کی زندگی کے لیے محو دعا تھا وہ رات ایک لمحے کے لیے بھی سو نہیں پائی تھی۔ اسے خوف ہوتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سو جائے اور ثمود اسے چھوڑ کر چلا جائے۔

☆☆☆

وہ ڈاکٹر کے کلینک پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ثمود کی بائیوپسی کی رپورٹ تھی اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری تھا۔

رپورٹ کلیئر تھی ٹیومر بنایئن (Benign) تھا وہ رپورٹ لے کر chologist کے کلینک میں دعائیں مانگ رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ خطرے کی بات نہیں کینسر نہیں ہے لیکن آپ کو ایک دو ٹیسٹ اور کرانے ہوں گے اور میں کچھ میڈیسن بھی لکھ رہا ہوں۔ یہ انہیں بہت پابندی سے استعمال کرنی ہوں گی اور باقاعدگی سے اپنا چیک اپ کراتے رہنا ہوگا۔"

وہ ثمود کے ساتھ کلینک سے باہر نکلی اسے لگا جیسے اللہ اس کے آس پاس کہیں موجود ہے اور اسے مسکراتا دیکھ کر مسکرا رہا ہے، دادی کہتی تھیں جب بچوں کی خودسری حد سے بڑھ جائے تو انہیں راہ راست پر لانے کے لیے ان پر سختی کرنا اور سزا دینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ تو کیا اللہ بھی انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے کبھی کبھی ان پر سختی بھی کرتا ہے۔

☆☆☆

عید کا دن جو ہر مسلمان کے لیے خوشیوں کی سوغاتیں لے کر آیا وہاں کرن اور ثمود کے گھر میں تو خوشیوں اور مسرتوں کی پھوار بن کر برس رہا تھا۔

عید کے دن اس کی دونوں نندوں نے صبح کے کھانے پر آنا تھا اور کھانا پکانے کی ساری ذمہ داری کرن نے اپنے کاندھوں پر لے لی تھی۔

وہ دو مہینوں میں بڑی بھابھی سے بہت کچھ سیکھ چکی تھی۔ دادی کی مستقل ہدایات نے لاشعوری طور پر

اس کے اندر کی سلیقہ مند عورت کو جگا دیا تھا اور اب وہ ہر کام بہت سلیقے اور منظم طریقے سے کرنے لگی تھی۔

شیر خورمہ کا سامان اس نے رات کو ہی تیار کر لیا تھا یخنی پلاؤ کے لیے یخنی رات میں بنالی تھی۔ کوفتے اور چکن کڑاہی صبح کی نماز کے بعد بنالیے سب کے آنے سے پہلے گھر اور ڈائنگ ٹیبل کو اتنے خوب صورت انداز میں سجایا تھا کہ امی کی زبان سے بھی بے اختیار تعریف نکل گئی۔

سب نے کھانا کھا کر دل کھول کر تعریفیں کیں۔ ثمود کے بھائی اور بھابھی بھی دو دن پہلے اسلام آباد سے آئے تھے۔

"یخنی پلاؤ میں گرم مسالہ زیادہ ہو گیا تھا اور کوفتے تھوڑے سخت رہ گئے تھے۔" امی نے دادی کی طرح آخر میں ایک جملہ داغ دیا۔

"اور میرا خیال ہے چکن کڑاہی میں ٹماٹر کم تھے۔ شیر خورمہ میں چینی زیادہ تھی اور روٹیاں تندور سے آئی تھیں لیکن سخت تھیں۔" پاپا نے امی کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا۔

"اور میرے پیٹ میں گنجائش کم تھی لیکن میں نے زیادہ کھالیا کیونکہ ان تمام نقائص کے باوجود کھانا بہت مزیدار تھا۔" ثمود کے بڑے بھائی کے اس جملے پر سب بے ساختہ ہنس پڑے اور ان کی ہنسی میں آج کرن کی خوشی سے بھرپور ہنسی بھی شامل تھی۔

کیونکہ اسے یہ راز سمجھ میں آ گیا تھا کہ سسرال والوں کی باتوں کو درگزر کرنے ہی وہ ان لوگوں کو بھی خوش رکھ سکتی ہے اور اپنے آپ کو بھی۔ اور یہی شکر نعمت کی ایک صورت ہے۔

☆☆

Scanned with CamScanner

حرا خان

چاٹ مسالے

”ہاتھ کا کٹا ہوا مرغی کا قیمہ نہیں لائے آپ؟ حد کرتے ہیں پنکی کے ابو آپ بھی نا۔“

آمنہ بیگم نے شاپر میں جھانکتے ہی ناک بھوں چڑھائی۔

صفدر صاحب نے چشمہ ذرا اوپر سرکایا اور زچ

Scanned with CamScanner

ہوتے ہوئے بولے۔

"ذرا غور سے دیکھو آمنہ بیگم! آنکھیں ہیں یا بٹن۔ تین کلو مرغی کا گوشت لایا تو ہوں۔"

آمنہ بیگم نے فوراً پلٹ کر جواب دیا:

"ہاں، ہاں دیکھ لیا، دیکھ لیا، اندھی نہیں ہوں میں، سب نظر آرہا ہے مجھے، چنکی کے ابو، اس مرغی کے گوشت کی تو کل بریانی اور قورمہ بن جائے گا، کیا آپ کو معلوم نہیں کل پہلی افطار ہے، بچے دن بھر کے بھوکے ہوں گے، رات کے کھانے میں اچھی چیز تو بنی چاہیے۔

میں تو باتھ کے مٹے قیمے کی بات کر رہی تھی، فی الحال پانچ کلو تو لا کر رکھ ہی دیتے فریج میں، آپ کو لسٹ میں مرغی کا قیمہ بھی تو لکھ کر دیا تھا......"

"ہاں بھئی دیا تھا تم نے لسٹ میں لکھ کر، سب پڑھ لیا تھا میں نے ان پڑھ نہیں ہوں، لیکن بیگم کچھ تو سوچو، مرغی کے ریٹ کتنے بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر سارے پیسے مرغی کے گوشت پر ہی اڑا دیے تو رمضان کا پورا مہینہ کیسے گزرے گا؟ تم تو جانتی ہو، رمضان مبارک کا مہینہ شروع ہوتے ہی اشیاء - خورد و نوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔ بس اسی لیے نہیں لایا پانچ کلو مرغی کا قیمہ بنوا کر۔"

"یہ کیا کہہ دیا آپ نے چنکی کے ابو، ایسے کیسے چھوڑ دیا مرغی کا قیمہ؟ اب مرغی مہنگی چل رہی ہے یا سستی، دل بڑا کر کے قیمہ بنوا ہی لاتے...... ہائے اب ہم سحری کیسے کریں گے؟

چنکی کے ابو، جب تک مرغی کے گوشت کا نرم نرم بھنا ہوا قیمہ اور روغنی پراٹھے نہ ہوں، سحری کا مزا ہی نہیں آتا۔

ہائے اللہ جی، اب کل روزے کی حالت میں سارا دن نکالنا کتنا مشکل ہو جائے گا، میرا تو خالی پیٹ کلیجہ کٹا سا جاتا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کتنا لمبا روزہ ہوگا شام چھ بجے کے بعد کھلے گا۔ بس مجھے نہیں پتا۔ جلدی سے جائیں اور مرغی کا قیمہ بنوا کر لے آئیں۔

اور ہاں قیمہ پانچ کلو سے ذرا زیادہ ہی لے آئیے گا، وہ کیا ہے نا میں دو درجن چکن کے سموسے بھی بنا لوں گی، بچے بہت شوق سے کھاتے ہیں۔"

منور صاحب جو اتنی دیر سے اپنی چٹوری بیگم کی احمقانہ گفتگو برداشت کر رہے تھے، ایک دم سے چلا اٹھے۔

"آمنہ بیگم! میں ہاتھ جوڑتا ہوں تمہارے سامنے، خدا کا واسطہ خاموش ہو جاؤ، ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی اور اس کی ذمہ دار صرف تم ہو گی، ایسی کی تیسی کر دی تم نے میری ساری تنخواہ کی، اب پورا مہینہ کیسے گزرے گا؟ کنگال کر دیا مجھے۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"آئے ہائے چنکی کے ابو! میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو آپ نے سارے گھر کے سامنے اپنی غربت کا ڈھول پیٹنا شروع کر دیا، چنکی کے ابو ذرا لہجہ دھیما رکھیں آپ کو تو اس بات کا بھی احساس نہیں کہ کچھ مہینوں کے بعد آپ بہو والے ہو جائیں گے، آپ کی کنجوسی دیکھ کر کیا سوچے گی ہماری بہو کہ کن کنگلوں میں اس کی شادی ہو گئی ہے۔"

"اچھا بس، بیگم اب تم خاموش ہو جاؤ، لا کر دے رہا ہوں میں تمہیں مرغی کا قیمہ، لیکن یاد رکھنا پھر پورے رمضان، پاؤ بھر بھی قیمہ لا کر نہیں دوں گا، تمہیں کفایت شعاری سے اسی قیمے کے چھوٹے چھوٹے پیکٹ بنا کر فریزر میں رکھنا ہوں گے اور پورا مہینہ حساب کتاب سے چلانا ہوگا۔ ضروری تو نہیں کہ ہر بار قیمے کے ہی سموسے بنائے جائیں، آلو کے بھی تو لذیذ سموسے تیار کیے جا سکتے ہیں، اور سحری پر روز روز بھنا قیمہ کھانے کے بجائے دال سبزی سے بھی شاندار سحری ہو سکتی ہے لیکن تم لوگوں کو تو صرف پورا رمضان چٹور پن کرنا ہے بس۔" وہ غصے میں بولتے ہوئے اٹھے اور دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"ارے ہاں چنکی کے ابو، ذرا ٹھہر تو جائیں، وہ آپ کی امی کا من پسند چاٹ مسالہ، وہ جو کلو بھائی کی

بچی سے ملتا ہے یاد وہ مجھے سامان کے شاپر میں کہیں نظر نہیں آ رہا، مہربانی کر کے چاٹ مسالہ بھی لیتے آئیے گا اور ہاں پاپڑی کے دو پیکٹ بھی، ورنہ آپ کی امی ...... سمجھ رہے ہیں نا آپ میری بات......"

کچھ دیر بعد صفدر صاحب ہاتھ میں شاپر لٹکائے بوجھل قدموں سے گھر میں داخل ہوئے، شاپر کچن کی سلیب پر رکھ کر گہری سانس لیتے ہوئے بولے۔"یہ لو بھئی مرغی کا قیمہ، اور امی کا من پسند چاٹ مسالہ، پاپڑی وغیرہ سب ہے اسی شاپر میں۔"

آمنہ بیگم نے خوش ہوتے ہوئے قیمے کے شاپر کو ایسے دیکھا جیسے سونے کا سیٹ ہو۔

"ہائے پنکی کے ابو، آپ کتنے اچھے ہیں۔" وہ چہکتے ہوئے بولیں۔" آج سحری پر آپ کو ادرک اور ہری مرچوں کا اتنا مزے دار سا قیمہ بھون کر دوں گی کہ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے، اور وہ بھی گرما گرم روغنی پراٹھوں کے ساتھ۔ اور کل افطار میں چٹ پٹی سندھی بریانی، قورمہ اور گولہ کباب بنا کر کھلاؤں گی۔"

جوں جوں آمنہ بیگم ڈشوں کے نام گنواتی گئیں، صفدر صاحب کے ماتھے کی شکنیں گہری ہوتی گئیں، انہیں یوں لگا جیسے پہلے ہی روزے میں گوشت کا مکمل صفایا ہونے والا ہے، وہ غصے میں تقریباً دھاڑتے ہوئے بولے،

"بس بہت ہو گیا آمنہ بیگم، یہ ہزاروں روپوں کا گوشت ہے، اور تم ایک ہی دن میں سب برباد کرنے پر تلی ہو۔"

"نہیں کھانا مجھے سحری پر بھنا قیمہ اور روغنی پراٹھے، مجھے تو تم رات کا بچا ہوا سالن اور دو چپاتیاں بنا کر دے دینا، بڑا احسان ہو گا تمہارا مجھ غریب پر۔"

اسی دوران صفدر صاحب کی دس سال کی بیٹی پنکی اپنی ایک نئی فرمائش لے کر باپ کے پاس آ کھڑی ہوئی،

"ابو بات سنیں۔"

"کیا ہے پنکی۔" انہوں نے نہایت عجلت میں جواب دیا۔

"ابو، آپ میرے لیے سیب، کیلے، مالٹے اور امرود لے کر کیوں نہیں آئے؟ مجھے کل افطار پر فروٹ چاٹ کھانی ہے۔"

صفدر صاحب جو پہلے ہی غصے میں بھرے بیٹھے تھے، ایک دم سے پھٹ پڑے۔

"کیلا، سیب، مالٹے اور امرود......" وہ تلملا اٹھے۔"بخش دو مجھے، اتنی مہنگائی میں یہ سب فروٹ لانا اب میرے بس میں نہیں ہے۔۔ اور تم سب گھر والوں نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟ قارون کا خزانہ نہیں ہے میرے پاس، ایک بہت معمولی سا انسان ہوں میں، کچھ تو رحم کرو میرے حال پر......"

"بچی نے صرف ایک ہی چیز کی تو فرمائش کی ہے، توبہ ہے آپ نے تو بچی کو اپنی غربت کے لیے چوڑے اضافے سنا ڈالے۔ اللہ اللہ دل توڑ دیا میری چھوٹی سی گڑیا کا۔"

وہ پنکی کو چمکارتے ہوئے بولیں۔"میری بچی

تو بالکل پریشان نہیں ہو، میں لا کر دوں گی تجھے بازار سے بہت سارے پھل، پھر تو کھائیو مزے سے فروٹ چاٹ......"

بیوی کی باتیں سن کر صفدر صاحب آپے سے باہر ہوگئے، وہ طیش میں آکر بولے،

"آمنہ بیگم، ابھی اٹھو، فوراً مارکیٹ جاؤ اور پھل فروٹ لے آؤ، جیسے پھل تو باہر درختوں پر لگ رہے ہیں نا، تم جیسی بے صبری عورت کو بھی ذرا اندازہ ہونا چاہیے کہ مہنگائی کا بخار اس وقت چالیس ڈگری پر ہے۔

بچی کو سمجھانے کے بجائے اُلٹا میرے خلاف بھڑکا رہی ہو۔

آمنہ بیگم، مجھے تمہارے ناشکرے پن پر حد سے زیادہ افسوس ہو رہا ہے۔ میں سارا سال تم لوگوں کے لیے پھل لاتا رہا، اب رمضان کی وجہ سے بھی پھل مہنگے ہیں تو کچھ دن صبر شکر سے بیٹھ نہیں سکتے تم لوگ، اگر کچھ دن فروٹ نہ کھایا تو نہ آسمان سر پر گرے گا، نہ قیامت آئے گی، ہاں البتہ میرا بجٹ ضرور سکون کا سانس لے لے گا......"

☆☆☆

"مبارک ہو، مبارک ہو... رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے ان شاء اللہ کل پہلا روزہ ہوگا......"

آمنہ بیگم یہ جملہ یوں دہرا رہی تھیں جیسے وہ محلے میں...... لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کر رہی ہوں۔ پورا گھر اُن کی آواز سے گونج رہا تھا۔ سب سے پہلے وہ سیدھی اپنی ساس کے کمرے میں پہنچیں

"امی جان، رمضان کا چاند ہو گیا ہے......"

ساس نے چونک کر پوچھا،

"ہیں؟ کس کا بچہ کھو گیا ہے؟"

آمنہ بیگم کی ساس ذرا اونچا سنتی تھیں۔۔

آمنہ بیگم نے پیشانی پر ہاتھ مارا، پھر ساس کے کان کے قریب جا کر تیز آواز میں بولیں،

"امی! کسی کا بچہ نہیں کھویا، میں کہہ رہی ہوں، رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے، آپ کو مبارک ہو... کل پہلا روزہ ہوگا۔"

اب کی بار بہو کی بات کانوں تک پہنچی تو وہ اُچھل پڑیں، اور ذرا خفگی سے بولیں۔

"ارے سن لیا، سن لیا، چلا کس لیے رہی ہے آمنہ، میں بہری نہیں ہوں۔

تجھے بھی مبارک ہو رمضان کا چاند......"

"اچھا یہ بتا آمنہ، میرے لیے دہی منگوالیا تھا یا نہیں؟"

"جی امی، منگوالیا ہے آپ کے لیے دہی۔"

"ہاں بیٹا، سحری کے وقت ایک کٹوری دہی ضرور دے دیو، دہی کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے، روزہ آسانی سے کٹ جائے گا۔"

پھر وہ ذرا آنکھیں سکیڑ کر بولیں،

"اور وہ میرا چاٹ مسالہ...... وہ تو نے منگوالیا نا؟"

آمنہ بیگم کا چہرہ فخر سے چمک اٹھا۔

"ارے امی، آپ کی پسند کا چاٹ مسالہ اور پاپڑی بھی، سب پنکی کے ابو سے منگوالیا ہے۔"

ساس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

"میری بچی جیتی رہ، یہ تو نے بہت اچھا کام کیا ہے جب تک آلو چھولے کی چاٹ میں چٹکی بھر کر چاٹ مسالہ نہ چھڑکا جائے، اور پاپڑی کو ہاتھوں سے مسل مسل کر اس میں نہ ملایا جائے، تب تک چنا چاٹ مزا نہیں دیتی۔"

وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر ایک بھرپور چٹخارا لیتے ہوئے بولیں، جیسے چاٹ مسالے کا ذائقہ زبان پر آ گیا ہو......

آمنہ بیگم کھانے پینے کی ایک ایک چیز ذہن میں بٹھائے بیٹھی تھیں، سحری سے لے کر افطاری تک سب یاد تھا۔

جو یاد نہیں تھا... وہ تھے صفدر صاحب کے کپڑے، جو انہیں تراویح پڑھنے کے لیے پہن کر جانا تھے۔

بیوی کو ماں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف دیکھ کر صفدر صاحب کمرے میں چلے آئے۔۔

"آمنہ..." انہوں نے ذرا توقف سے

Scanned with CamScanner

digest library.com

پوچھا، "میرا کرتا شلوار استری کر دیا تھا؟ مجھے تراویح کے لیے جانا ہے......"

آمنہ بیگم ایک دم چونکیں۔

"ہاں... نہیں... ارے میں تو بھول ہی گئی پنکی کے ابو! ابھی کر دیتی ہوں، ذرا سا انتظار کر لیجیے۔"

صفدر صاحب نے حیرت اور جھنجھلاہٹ کے ملے جلے انداز میں کہا" حد کرتی ہو تم، اب استری کیسے کرو گی؟ لائٹ تو ہے ہی نہیں، تین گھنٹے بعد آئے گی۔"

آمنہ بیگم کی نظریں جھک گئیں۔

صفدر صاحب نے گہرا سانس لیا اور تلخی سے بولے،" افسوس کی بات ہے کہ، چکن سموسے، بریانی چاٹ، پکوڑے سب کچھ یاد ہے تمہیں، بس شوہر کے کپڑے استری کرنا ہی یاد نہیں رہا۔" آمنہ بیگم ندامت سے سر جھکائے خاموش کھڑی تھیں......

☆☆☆

پہلی سحری بہت اچھی ہو گئی تھی، اذان کی صدا سن کر صفدر صاحب مسجد کی طرف روانہ ہو گئے، آمنہ بیگم نے ایک نظر کچن پر ڈالی سنک برتنوں سے بھرا پڑا تھا اور چولہے کے گرد ہر شے بکھری ہوئی تھی۔

"اُف اتنا سارا کام۔" وہ بڑبڑائیں، ایک آہ بھری اور آستینیں چڑھا لیں۔ برتنوں کے شور میں وقت یوں پھسلتا گیا کہ فجر کی نماز کا دھیان ہی نہیں رہا، جب آخری برتن رکھ کر انہوں نے اطمینان سے کچن کا جائزہ لیا تو کھڑکی سے صبح کی روشنی اندر اتر چکی تھی۔

فجر کا خیال آیا تو دل میں ہلکی سی کسک جاگی، مگر خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ ظہر میں قضا پڑھ لوں گی......

اس روز عبادت سے زیادہ گھریلو مصروفیت جیت گئی، اور فجر کی ساعت خاموشی سے گزر گئی......

☆☆☆

وہ صبح سے ہی باورچی خانے میں افطار کی تیاریوں میں مصروف تھیں، پکوڑوں کے لیے پالک، آلو اور بینگن کاٹ کر رکھ چکی تھیں اب وہ بیسن پھینٹ رہی تھیں، دماغ میں یہ خیال بھی گردش کر رہا تھا کہ پنکی کے ابو کو سب کچھ پسند آئے گا بھی یا نہیں۔

"اری او آمنہ، کہاں ہے تو؟" ساس صاحبہ کی آواز کمرے سے آئی، تو وہ تقریباً دوڑتی ہوئی ان کے کمرے میں پہنچ گئیں۔

"جی امی، میں باورچی خانے میں تھی، بیسن پھینٹ رہی تھی......"

"آئے ہائے کس کو پیٹ رہی تھی۔؟"

"امی میں کسی کو نہیں پیٹ رہی تھی میں کہہ رہی ہوں کہ میں بیسن پھینٹ رہی تھی پکوڑوں کے لیے۔" آمنہ بیگم نے اپنے ہاتھوں پر لگا بیسن ساس کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا، اچھا زیادہ چیخ مت، میں بہری نہیں ہوں......"

"آمنہ! میں یہ بول رہی تھی، ہری مرچوں کے پکوڑے ضرور بنا لیو اس میں چاٹ مسالہ اور املی بھر کر۔"

"جی! امی میں ہری مرچ، پالک بینگن اور آلو کے بھی پکوڑے بنا رہی ہوں، پنکی کے ابو کو تو بینگن کے پکوڑے بہت ہی زیادہ پسند ہیں۔"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھی کہ صفدر صاحب گھر میں داخل ہوئے، آمنہ بیگم کی آنکھیں اپنے سرتاج کے ہاتھوں میں خربوزہ اور تربوز کے شاپر دیکھ کر چمک اٹھیں۔

"آگئے آپ؟ اور یہ خربوزہ تربوز کیا روپے کلو ملا؟"

صفدر صاحب نے فروٹ کا شاپر صحن میں بچھے تخت پر رکھتے ہوئے کہا۔

"آمنہ بیگم اب فروٹ مہنگا ہے یا سستا۔ تم گھر والوں کی فرمائش تو پوری کر رہا ہوں ناں۔ اللہ رحم کرے ہمارے ملک پر اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں تو آسمان سے باتیں کر رہی ہیں لیکن آفرین ہے ہم

Scanned with CamScanner

عوام پر کہ مجال ہے کسی چیز کا بائیکاٹ بھی کریں۔ بازار میں رش دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب مفت میں بٹ رہا ہے، نا جانے کب ہمیں عقل و شعور آئے گا......"

☆☆☆

کچھ گھنٹوں کے بعد۔

"آمنہ بیگم! تم نے عصر کی نماز پڑھ لی؟"

"ابھی نہیں پڑھی پنکی کے ابو۔"

"وہ ناں میں۔ بس ابھی پڑھنے ہی کھڑی ہو رہی تھی۔" آمنہ بیگم پر بوکھلاہٹ طاری تھی۔

"کب پڑھو گی تم نماز" جب مغرب کا ٹائم ہو جائے گا۔"

"ارے پنکی کے ابو ابھی تو مغرب میں کافی ٹائم پڑا ہے۔

پڑھ لوں گی میں نماز۔ دیکھیں تو ذرا، کتنے کام پڑے ہیں افطار کے، نماز کا تو ٹائم ہی نہیں ملتا مجھے۔"

وہ بریانی کے لیے مرغی دھوتے ہوئے جلدی جلدی بول رہی تھیں۔

"بہت افسوس کی بات ہے آمنہ بیگم! ان فضول کاموں کے لیے تمہارے پاس وقت ہی وقت ہے لیکن نماز پڑھنے کے لیے صرف پانچ منٹ بھی نہیں، اور میں نے تو تمہیں قرآن مجید بھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا......"

"تم نے تو بچوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔"

"اب ایسا کیا کر دیا میں نے پنکی کے ابو، جو آپ مجھے باتیں سنائے ہی چلے جا رہے ہیں، صبح سے میں سب کے لیے افطار کی تیاریوں میں لگی پڑی ہوں، کتنا خیال رکھتی ہوں سب کا، لیکن آپ کو تو اس بات کا بالکل بھی احساس نہیں، کتنی تھک جاتی ہوں۔" یہ سب کہتے ہوئے وہ روہانسی ہوئی جا رہی تھیں۔

"دیکھو آمنہ! تم میری بات کو سمجھ نہیں رہیں۔ اور بے کار کے ٹسوے بہا رہی ہو۔ ارے بھئی، میں نے کب اس بات سے انکار کیا ہے کہ تم ہم سب کا خیال نہیں رکھتیں۔

میں تو تمہیں صرف اس مہینے کی اہمیت کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں، رمضان کا یہ بابرکت مہینہ اللہ کی طرف سے ہم مسلمانوں کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے، اور ہمیں دل و جان سے اس تحفے کی قدر کرنی چاہیے، ہم خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر مہلت دی، ہمیں اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے، نہ کہ فضولیات میں وقت ضائع کر کے ان قیمتی دنوں کو گنوا دیں، کچھ معلوم نہیں، اگلے سال یہ مہینہ نصیب ہوگا بھی یا نہیں۔

اور تمہیں معلوم ہے آمنہ بیگم یہ وہ رحمت کا مہینہ ہے جس میں دوزخ کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم جتنی بھی نیکیاں سمیٹ سکتے ہیں سمیٹ لیں۔"

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں پنکی کے ابو! مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں کتنے فضول کاموں میں الجھ کر وقت ضائع کرتی رہی۔

اندازہ نہیں تھا میں کتنے اندھیرے میں تھی" آمنہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "پنکی کے ابو، کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا؟"

"کیوں نہیں آمنہ، اللہ بہت غفور و رحیم ہے، وہ تو اپنے بندوں کو بار بار معاف کرتا ہے، اس کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔۔ جاؤ اب سب کام چھوڑو، پہلے عصر کی نماز ادا کرو، یہ دنیاوی کام تو زندگی کے ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں لیکن دائمی سکون صرف اللہ کے سامنے جھکنے سے ہی ملتا ہے......"

کچھ کہانیاں صرف پڑھنے کے لیے نہیں ہوتیں کچھ کہانیاں سوچ بدلنے کے لیے بھی لکھی جاتی ہیں۔

☆☆

Scanned with CamScanner

آسیہ رئیس خان

آہ نیم گشتہ

شہر سے دور بنے اوک ہاؤس میں رہنے والی — سنبل کو دنیا دیکھنے کا شوق ہوتا ہے کیوں کہ کسی نادیدہ دشمن کی وجہ سے اسے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں ہوتی، وہ دادی نسیم بانو کے ساتھ رہتی ہے جہاں کچھ ملازمین بھی ان کی حفاظت پر معمور ہیں۔ تمیز الدین کی بیٹی صفا بھی اس کی ہم عمر سہیلی ہے جو سنبل کو اس کے الٹے سیدھے خیالات پر ٹوکتی ہے۔

کوٹھی خیابان میں نواب میر قربان علی خان کا خاندان آباد تھا۔ میر عثمان علی خان اور بیگم عنایت جہاں، ان دونوں بہن بھائی کے علاوہ بے شمار نوکروں کی فوج تھی۔

بیگم عنایت جہاں نے عدن کی اپنے چوالیس سالہ بھائی میں دلچسپی دیکھ کر انہیں شادی کے لیے قائل کر لیا تھا۔ گھر میں بیگم عنایت جہاں کا حکم چلتا تھا۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ وہ سسرال چھوڑ چکی تھیں۔

سنبل گھر کا سامان لانے والے ٹیمپو میں چھپ کر سوار ہو جاتی ہے اوک ہاؤس میں شور مچ جاتا ہے۔ بیگم عنایت جہاں جن کا یہ اوک ہاؤس ہے کو اطلاع دی جاتی ہے۔

سنبل چل چل کر تھک جاتی ہے سڑک پر آتی جیپ والے سے مدد مانگتی ہے۔ اچانک اس کی نظر بیک ویو مرر کے نیچے لٹکتی ننھی سی گڑیا پر پڑتی ہے۔

سنبل کو آدم بحفاظت اپنی جیپ میں اوک ہاؤس پہنچا دیتا ہے جہاں اس کی مہربانی کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

عنایت جہاں اپنے خاص ملازم صدیقی کے ذریعے آدم کا ماضی کھنگال کر اسے ایک سیلبرٹی کے بیٹے کو زخمی کرنے اور اس کے پولیس سے چھپنے کو اپنے لیے استعمال کرتی ہیں اور اسے اوک ہاؤس کا ڈرائیور بننے پر مجبور کرتی ہیں۔ آدم راضی ہو جاتا ہے کسی کو اپنے پہنچنے کا خفیہ پیغام دیتا ہے۔

عدن اپنے شوہر میر عثمان کی جاسوسی کرواتی ہیں لیکن انہیں معلوم ہو جاتا ہے عدن کے لیے یہ شرمندگی عذاب ہے اسی ڈپریشن میں وہ اپنے آفس میں اچانک بے ہوش ہو جاتی ہیں۔

آدم اور سنبل غیر محسوس طریقے سے ایک دوسرے میں دلچسپی لے رہے ہیں آدم کے کسی بہت اپنے کی بیماری اور اسپتال میں داخلے کی خبر سنبل کو پریشان کر دیتی ہے۔

عدن ماضی میں ڈاکٹر اسفندیار کی دوستی کی وجہ سے پریشان ہوتی ہیں جو میر عثمان کے جاننے والے ہیں۔

ساتویں قسط

اس کی قسمت پھر ایک نئے سفر پر نکلی تھی۔ آج وہ ایک آسمانی جلد والی کتاب تھی جو دو ہاتھوں کے درمیان اِدھر سے اُدھر منتقل ہو رہی تھی۔ تب ہی فون بجنے لگا۔ ان دونوں کے پاس

digest library.com

Scanned with CamScanner

مکمل ناول

Scanned with CamScanner

ایک ہی فون تھا جو بے چارہ کسی کونے میں پڑا رہتا۔
"دادی! اس وقت ۔؟ ہیلو۔"
صفا کی آواز پر وہ بھی قلم روک کے اسے دیکھنے لگی۔
"دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" فون رکھ کے اس نے سبیل کو دیکھا۔ وہ ڈائری بستر پر اچھال کر زینے کی سمت دوڑی۔ صفا اس سے آگے تھی۔
نسیم بانو گھبراہٹ اور بے چینی سے سینہ مسلتی، پسینے میں شرابور، سانس بھی کھینچ کر لے رہی تھیں۔
"دوائی لی تھی آپ نے؟" سبیل نے پوچھا۔
انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ میز سے آلہ اٹھا کر ان کا بلڈ پریشر دیکھنے لگی جب کہ صفا تمیز الدین کو بلانے دوڑی۔
"بی پی بہت بڑھا ہوا ہے دادی!" اس نے فکر مندی سے کہا۔ تب تک تمیز الدین اور صفا بھی آگئے تھے۔
"فوراً اسپتال چلتے ہیں۔"
نسیم بانو کا چہرہ دیکھ کر تمیز الدین بھی فکر مند ہوئے۔
"دوا دے دو مجھے، اتنی رات کو کہاں جائیں گے۔" ان کی آواز نقاہت بھری تھی۔
"دوا آپ لے چکیں دادی، اب کون سی دوا دیں؟" وہ ان کے پاس بیٹھ کے ان کا ہاتھ سہلانے لگی۔
"ابا، آپ ڈرائیور کو جگائیں۔" صفا نے کہا۔
"ہم دادی کو لے کر آتے ہیں۔" ان کی ایسی حالت اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔
تمیز الدین نے باہر جا کر آدم کا دروازہ کھٹکھٹایا جاگی ادھتک سے پہلے ہی کھل گیا۔
"آپا کی طبیعت بگڑ رہی ہے، اسپتال جانا پڑے گا۔"
"دو منٹ میں چینج کر کے آیا۔" آدم کی بات سن کر وہ واپس اندر آئے اور نزاکت کو جگایا۔
سبیل نے دادی کو شال اوڑھا کے ہال میں صوفے پر بٹھایا۔ صفا اندر ان کی فائل ڈھونڈ رہی تھی۔
"ہم بھی چلیں؟" سبیل نے پوچھا۔
"نہیں بیٹا۔ گاڑی میں اتنی جگہ نہیں ہے، نزاکت بھی ہوگا ساتھ۔"
"نزاکت کی کیا ضرورت۔" اس نے دل میں سوچا۔ اسے کہاں خبر تھی کہ پیچھے والے قصے تک ٹھیک تھا اس کے آگے آدم، نزاکت کے بنا نہیں جا سکتا تھا۔
صفا ان کی فائل لے کر آئی تب ہی باہر سے جیپ کی آواز ابھری۔
"تم دونوں دروازہ بند رکھو۔ نیچے جیرو ہے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" تمیز الدین نے انہیں ہدایت دی۔
"ہم بھی چلیں۔ جگہ ہے تو۔" دادی کو جیپ میں بٹھاتے ہوئے اس نے پھر تمیز چاچا سے کہا۔
"اسپتال میں اتنی بھیڑ کا کیا کام؟ ہم جلد آجائیں گے۔" وہ بھی پیچھے بیٹھ گئے۔ نزاکت نے گیٹ کھولا۔
"اندر جاؤ اور دروازہ بند کرلو۔"
"آپ فون کیجیے گا۔" اس نے ایک نظر دادی کو دیکھا۔ پژمردہ صورت، ویران آنکھیں، تھکا نڈھال بدن، کوشش سے آتی جاتی سانسیں۔ وہ بار بار پسینہ صاف کررہی تھیں۔ جیپ کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے مشکل سے خود کو رونے سے روکا۔
گیٹ سے باہر جا کے آدم نے بریک لگائے۔ نزاکت نے گیٹ بند کیا اور اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ جیپ چل پڑی۔
"کیا ہوا ہے دادی کو؟" اس کی آواز میں خوف تھا۔
"بی پی بڑھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر دوا دے گا اور وہ کنٹرول ہوجائے گا۔"
"یہ میرے جانے کی وجہ سے ہورہا ہے۔" وہ

اب بھی اندھیرے میں جیپ کی گم ہو گئی پچھلی بتیوں کی سمت دیکھ رہی تھی۔
"دادی کو بی پی کا مسئلہ سالوں سے ہے۔ پرانی دوائیں اثر نہیں کر رہی ہوں گی۔ یاد کرو ڈاکٹر نے کہا تھا۔ کچھ وقت بعد بدلنا پڑتی ہیں یا ڈوز بڑھانا پڑتی ہے۔" لیکن سبیل کی سوچ وہیں اٹک گئی تھی۔ صفا اسے زبردستی کھینچ کر اندر لے گئی۔

اندر جا کے انہوں نے حسب ہدایت دروازہ بند کیا اور اوپر کمرے میں آ گئیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رات کے اس پہر وہ دونوں 'اوک ہاؤس' میں تنہا تھیں۔ ان کی حفاظت پر مامور سب ہی لوگ وہاں سے جا چکے تھے۔

☆☆☆

ماضی بعید

وہ اکیلی تھی اور سارا وقت ذہن میں ایک ہی خیال تھا کہ اگر وہ آ گیا تو؟ کالج کے گیٹ سے نکلتے ہوئے آج احساسات یکسر مختلف اور نئے تھے۔ بس اسٹاپ کی طرف جاتے ہوئے وہ ادھر ادھر نہیں دیکھ رہی تھی۔ سر جھکائے ہی اس نے راستہ طے کیا۔ اس کی آواز نہ آنے پر کچھ حیران، اسٹاپ سے دو قدم پہلے اس نے سر اٹھایا اور وہ سامنے اسٹاپ کے ستون سے ٹک کے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک جتاتا تبسم اس کے چہرے پر بکھرا اور اس ساحرہ نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے منہ پھیر لیا۔ وہ بیگ دوسرے کاندھے پر منتقل کرتی اس سے فاصلے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ پیچھے دو افراد بیٹھے تھے۔

وہ جیب میں ہاتھ ڈالے، یونہی ایستادہ تھا جب کہ اس کے کان منتظر تھے کہ وہ اب کچھ بولے گا تاہم اس کا ارادہ آج آزمائش تھا۔

اس نے پیروں پر وزن منتقل کیا پھر بیگ ادھر سے ادھر کیا۔

"سر آج چپ کیوں ہیں؟" وہ اس کی سمت دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ چہرے پر ازلی بے نیازی پھیلی تھی جو اندر ندارد تھی۔

"اس طرح آپ دو سہیلیوں کو دشمن بنا دیں گے۔" بالآخر اس کے خاموش تبسم اور مسکراتی جتاتی نگاہوں سے تنگ آ کے اس نے کہا۔

"کیسے؟" وہ آج گویا تہیہ کر کے آیا تھا اس کے پہل کرنے کے بعد ہی منہ کھولے گا۔

"ہمیں شک ہو رہا ہے آپ اسی سے باتیں کرنے آتے ہیں۔" اس کی خاموشی کا شکوہ اس نے جس انداز میں کیا وہ اش اش کر اٹھا۔ "ہم تو اس لیے لب سیے ہیں کہ آپ کے مزاج نازک پر گراں نہ گزرے۔" وہ تعظیماً اور شرارتاً خم ہوا۔

"اتنی اردو کیا ہمارے لیے سیکھ رہے ہیں؟ ہم متاثر نہیں ہوتے ویسے۔" اس نے ادا سے ناک چڑھائی۔

"ویسے۔" وہ اس کے آخری لفظ دہراتے ہوئے ہنسا تھا۔

"ویسے ایک بات جو ہم آپ کے بارے میں جان گئے ہیں جس سے آپ انکار نہیں کر سکتیں۔"

"وہ کیا؟"

"آپ جھوٹ بڑے اعتماد سے بولتی ہیں۔" اس نے ذرا جھک کے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"متاثر تو آپ کب کی ہو چکیں!"

اس کی مسکراہٹ واقعی نظر ہٹانے کے لیے مشقت طلب کرتی تھی۔ وہ چپ سی اس سے نظریں چرا گئی۔

"ہمیں کیوں لگ رہا ہے کہ آج آپ ہماری استدعا قبول کر لیں گی؟" وہ اس کے دائرہ نگاہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب کے وہ اس اعتماد پر اش اش کر اٹھی۔

"ہو سکتا ہے۔ کوشش کر کے دیکھیں۔"

اس نے شرمانے گھبرانے کے بجائے مقابل کی آنکھوں میں دیکھا۔ اعتماد دونوں طرف کم نہ تھا۔

اس کی نہ شادی بیاہ کی عمر تھی نہ ارادہ تھا، محبت اور محبوب تو کبھی اس کی خواہشوں کی کتاب میں درج ہی نہیں ہوئے تھے مگر اس لمحے سب بدل گیا۔ وہ کم عمر

Scanned with CamScanner

سہی لیکن کمزور قوت ارادی کی مالک نہ تھی بلکہ اسے کیا چاہیے، اس کے لیے کیا اہم ہے، اس ضمن میں وہ بڑی مستحکم سوچ رکھتی تھی اور اس لمحے اس نے دل کی بھی سن لینے کا سوچا جو اس اجنبی کی جانب جھکا جا رہا تھا۔

وہ پہلا دن تھا جب اس نے کافی کی دعوت قبول کی تھی۔ اس دن پہلی بار ان دونوں نے کچھ وقت ساتھ گزارا۔ چند منٹ کی ملاقات، ان کے مختصر مگر بڑے گہرے تعلق کا پہلا زینہ تھی کہ جذبوں میں دونوں کے شدت تھی اور وہ ایک دوسرے کے لیے مخلص ثابت ہوئے تھے۔

☆☆☆

تقریباً تین گھنٹے بعد تمیز الدین نے فون کیا کہ ڈاکٹر نے دیکھ لیا ہے اور کچھ دیر میں واپسی کے لیے نکلیں گے۔ جب وہ 'اوک ہاؤس' پہنچے تو ذرا دیر بعد صبح ہونا تھی۔ دونوں انتظار کرتے کرتے سو گئی تھیں۔

خاموشی میں جیپ کی آواز اور پھر گیٹ کھلنے کے شور پر سبیل کی آنکھ کھلی۔ پہلے اس نے دریچے سے جھانکا پھر نیچے آئی۔

سب نیند سے بے حال تھے سوائے آدم کے۔ نزاکت سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ دادی کو وہ کمرے میں لے آئی۔

"نماز کا وقت ہو گیا ہوگا؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ منٹ باقی ہیں۔"

"نماز پڑھ کے سوتی ہوں۔" وہ وضو کرنے چلی گئیں۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟ کیا ہوا تھا دادی کو؟" اس نے تمیز الدین سے پوچھا جو ہال میں بیٹھے تھے۔ ڈاکٹر نے تو انھیں اسپتال میں داخل کر کے مزید جانچ کا کہا تھا مگر نسیم بانو رکنے پر تیار نہ ہوئیں۔

"سب ٹھیک ہے، کچھ نئی دوائیاں دی ہیں۔" وہ اس کا فکر مند چہرہ دیکھ کر اتنا ہی کہہ سکے۔

"صفا سو رہی ہے؟"

"جی، میں نے جگایا نہیں۔ آپ کو کچھ چاہیے؟"

"نہیں۔ اب سونا ہی ہے۔ نماز پڑھ لوں۔" اٹھ گئے۔

سوئی وہ بھی ذرا دیر تھی لیکن اب نیند اڑ گئی تھی۔ اوپر جا کے اس نے بھی نماز پڑھی اور پھر دادی کے پاس آئی۔ وہ دعا مانگ رہی تھیں۔

"ابھی کیسا محسوس کر رہی ہیں؟" وہ کھڑی ہوئیں تو سبیل نے ان کے ہاتھ سے مصلیٰ لے کر تہ کیا۔

"نیند آ رہی ہے۔" وہ پلنگ پر بیٹھ کر تکیہ درست کرنے لگیں۔

"آپ آرام کریں۔ کچھ ضرورت ہو تو مجھے فون کیجیے گا، یہاں سے اٹھیے گا مت۔" اس نے فون سرہانے رکھا۔ انہوں نے سر ہلایا اور لیٹ گئیں۔

صفا الارم پر اٹھ جائے گی سوچ کر وہ ڈائری لیے باہر جانے لگی۔ آدم اس وقت تو جاگنگ کو نہیں جائے گا۔ اسے بھی سونا ہوگا۔ وہ پورچ کی دیوار پر بیٹھنے کے ارادے سے دروازے کی طرف جا رہی تھی کہ باورچی خانے سے آئی آواز پر ٹھٹک کے رک گئی۔ تمیز چاچا یا نزاکت کی امید میں وہ باہر جانے کے بجائے ادھر آ گئی۔ دروازے میں ہی اس کا ڈھیلا لاپروا انداز اٹینشن میں آ گیا۔

آدم چولھے کے دائیں جانب اوپر والے خانے کا پٹ کھولے کچھ تلاش کر رہا تھا۔

"کچھ چاہیے؟" سبیل نے پوچھا۔

"چینی اور پتی۔" اسے چائے کی طلب تھی۔

سبیل نے اندر جا کے ڈائری میز پر رکھی۔ آدم کاؤنٹر سے دور ہو گیا تھا۔ اس نے کاؤنٹر پر ایک طرف دیوار سے لگے دو ڈبے اٹھا کے سامنے رکھے۔

"تھینک یو۔"

"چائے میں بنا دیتی ہوں۔" اس نے اپنی خدمت پیش کرنے میں جلد بازی کی کہ جملہ مکمل ہوتے ہی یاد آ گیا تھا، وہ اس کا تختۂ مشق رہ چکا ہے۔

Scanned with CamScanner

digest.library.com

...جم آدم کی مسکراہٹ اس بار۔ ''آپ بیٹھیں۔ آج میں آپ کو چائے پلاتا ہوں۔'' اسے بجل دیکھ کر آدم نے مسکراہٹ ضبط کی اور برتن کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

سبیل نے اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے پتیلی الماری سے پتیلی نکال کر ڈبوں کے سامنے رکھی پھر فریج سے دودھ نکال کے 'اجزائے ترکیب' مکمل کیے۔

''تھینک یو۔'' اس نے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے چولھا جلایا۔

''آپ بیٹھیں۔''

وہ سب سے آخری والی کرسی پر جا کے بیٹھ گئی۔

باورچی خانے میں ڈبے کھلنے بند ہونے، پانی میں چینی پتی کرنے کی ہلکی آوازیں تھیں۔ وہ چولھے کی آنچ کم کر کے پلٹا۔ سبیل جو عقب سے بغور اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھی، سٹپٹا گئی اور تبھی ڈائری پر نگاہ پڑی جو اس نے میز پر رکھ دی تھی جسے آدم ہاتھ بڑھا کے اٹھا سکتا تھا۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔ وہ بالکل نہیں چاہتی تھیں، فہما کے کارنامے وہ جانے۔

آدم آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ ڈائری پر رک گیا۔ اسے یقین تھا ڈائری میں فہما کسی صبح پر سورج کی وہ پہلی کرن ہوگی، پانی کی بوتل، یا آسمانی جلد والی کتاب یا اوک ہاوس کا گیٹ یا اس کے ہاتھ میں لہراتا اخبار۔ اس کا کارنامہ، اس کا انوکھا تجربہ پڑھنے کی اس کے اندر شدید خواہش تھی۔

آدم نے اپنی طلب کو تھپکی دے کر، ڈائری دھیرے سے اس کی طرف دھکیل دی جو سبیل کے سامنے آ کے رک گئی۔

وہ پھر پیچھے کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ اسے جانے کے جلد پلٹنے کی جلدی نہیں تھی۔ اچانک سبیل کو یاد آیا۔

''آپ نے سنا تھا ڈاکٹر نے کیا کہا ہے دادی کے لیے؟''

''وہ ... کے لیے کہہ رہے تھے لیکن دادی ریڈی نہیں تھیں۔''

یہ اسے کسی نے نہیں بتایا تھا۔ اس کا چہرہ ایک دم بدل گیا۔

''وہ شاید رات میں رکنا نہیں چاہتی ہوں۔ کسی دن ارلی مارننگ اسپتال جا کے ٹیسٹ وغیرہ ہو سکتے ہیں۔'' آدم کی بات پر اس نے سر ہلایا۔

آدم نے ذرا رخ موڑ کے چائے کو دیکھا۔ ایک نظر بنظر جھکائے پر سوچ سی سبیل پر ڈالی اور پلٹ گیا۔ اسے اس سمت پلٹ دیکھ کر سبیل کو کچھ یاد آیا۔ وہ دھیرے سے اٹھی اور دو کپ اور چھلنی نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیے پھر واپس اسی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ ایک بار پھر سناٹے میں چینی کے برتن اور اسٹیل کی چھلنی آپس میں ٹکرا کے کھنکتی گفتگو کرتے رہے۔

آدم نے چائے چھاننے کے بعد کپ اس کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ خود وہیں کاؤنٹر سے ٹک کے اپنا کپ اٹھا لیا۔

وہ بہت گرم چائے نہیں پیتی تھی۔ اب بھی وہ بھاپ اڑاتے کپ کو دیکھتی رہی جس میں موجود چائے کی رنگت بڑی خوش نما تھی۔ اسے پہلی ملاقات کی چائے یاد آ گئی تھی۔

''کیا انھیں بھی وہی یاد آیا ہے؟'' اس نے کن انکھیوں سے آدم کو دیکھا جو کپ سے گھونٹ لے رہا تھا۔

''مجھے چائے ختم کر کے جانا چاہیے، کب تک بیٹھی رہوں گی۔'' اس نے کپ اٹھایا۔

''یہ اپنے کمرے میں بھی تو لے کر جا سکتے تھے۔ میں بھی تو کپ لے کے یہاں سے جا سکتی ہوں۔'' خیالوں کے بیچ اس نے پھونک مارنے کے بعد چائے کا گھونٹ لیا اور ایک بار پھر شرمندہ ہو گئی۔ ایسی چائے بنانے والے نے اس کی بنی چائے کا پورا کپ ختم کیا تھا۔ اسے لگا اس مہربانی کے بعد اگر آدم اس کے ہاتھ قلم کرنے کا حکم بھی دے دیتا تو غلط نہ ہوتا۔

اس کی سوچیں بنا کسی روک ٹوک کے ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ سنک میں پانی گرنے کی آواز آئی تب وہ خیال سے باہر آئی۔ وہ چائے کا خالی کپ دھو رہا تھا۔

"آپ رہنے دیں۔" جلدی سے کہتے ہوئے وہ بے اختیار کھڑی ہوئی تھی۔

"برتن رہنے دیں پلیز۔" آدم کپ رکھ کے پلٹا۔

اب رکے رہنے کا جواز نہیں تھا۔ وہ باہر جانے لگا تھا کہ کنیل کو یاد آیا۔

"وہ!" اور کیسے پکار کے روکتی، اسے نہیں سوجھا۔ آدم پلٹ کے دیکھنے لگا۔

"وہ۔ وہ جنہیں آپ۔ وہ جو ہاسپٹل میں تھے، اب کیسے ہیں؟"

"کچھ بہتر لیکن انہیں ہوش نہیں آیا ہے۔" آدم نے دھیرے سے کہا۔

"ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" اس کا دل یہ جان کر اداس ہو گیا۔

"ان شاء اللہ۔" آدم نے بھی یقین سے سر ہلایا۔

"میں انہیں بابا بلاتا ہوں۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد آخر اس نے کہہ دیا۔

کسی نے اسے اپنی بڑی ذاتی بات بتائی تھی۔ اپنی عزیز ہستی کے بارے میں کچھ بانٹا تھا۔ یہ ہم اجنبیوں کے ساتھ نہیں کرتے۔ دل اس نئے احساس سے لبریز ہوا اور چہرے سے چھلک پڑا۔ آدم کے لیے وہ چھلکتا احساس نیا نہیں تھا۔ اس سے وہ جملہ اسی احساس نے بلوایا تھا۔

"آپ چائے ختم کریں ورنہ کچھ دیر بعد جو کپ میں بچے گا، اس ٹھنڈی چیز کو چائے نہیں کہتے۔" آدم نے مسکرا کے جتایا وہ ایک بار پھر گڑبڑائی وہ کنیل پر نظر ثانی ڈال کر چلا گیا۔ وہ دھپ سے کرسی پر بیٹھی۔ اس نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ کے سر جھکایا۔ فوراً ہی اس کی چاہت یاد آئی اور اس نے کپ اٹھا لیا۔

چائے پی کر اس نے ڈائری کھول لی۔ جب صفا آئی، وہ مگن سی ڈائری پر جھکی تھی، قلم تیزی سے چل رہا تھا۔

"مجھے جگایا کیوں نہیں؟ کب آئے سب؟" وہ نماز پڑھ کے نیچے اتری تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے۔" اس نے ڈائری بند کر دی۔

"ابا کہاں ہیں؟"

"وہ نماز پڑھ کے سو گئے ہوں گے۔"

"تم کس لیے چائے پی رہی ہو؟ سو جاؤ جاگ رہی ہو تم بھی۔" شکر تھا کہ اس نے دوسرے دھلے کپ پر توجہ نہیں دی تھی۔

"دادی کیسی ہیں؟ ڈاکٹر نے کیا کہا؟" صفا نے پوچھا۔

"دادی نا۔" وہ اسے ساری بات سناتے باہر نکلی۔

☆☆☆

"مما! مام!" رشی باہر سے ہی پکارتا اندر آیا تھا۔

اس کے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی عنایت جہاں نے اخبار بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

"آپ اس وقت جاگ کیسے گئے؟" انہوں نے اندر داخل ہوتے بیٹے کو پیار سے دیکھا۔

"آپ سے فیس ٹو فیس بات کرنا تھی۔" وہ شب خوابی کے لباس میں ہی ادھر چلا آیا تھا۔

"پھر دن بھر آپ ملتی نہیں ہیں اور رات ہم لیٹ ہو جاتے ہیں۔"

"کچھ خاص؟" انہوں نے انگریزی میں پوچھا۔

"یس۔" وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ عنایت جہاں کو لگا، وہ روما کی بابت کچھ پوچھے گا۔

"ہم نے فرینڈز کے ساتھ کچھ دن کا آؤٹ ڈور واسطے پلان کیا ہے اس کے لیے ہمیں کوئی گوتھک

واپس جانا چاہیے۔" رشی روما کو قطعی بھول چکا تھا۔
انھیں اپنے اندر غرور سا بھر گیا کہ ان کا بیٹا، ان کی طرح ترجیحات درست رکھنا جانتا تھا۔ کب اور کہاں کسے چھوڑ دینا ضروری ہے، یہ علم اور عادت کام یاب ہونے کے لیے بڑی اہم تھی۔

"روحان نے کچھ پیلیسز شارٹ لسٹ کی تھیں، اس میں ایک 'اوک ہاؤس' بھی ہے اور ہمیں اب پتا چلا کہ وہ بھی دادا ابا کی پراپرٹیز میں شامل ہے۔"

عنایت جہاں اپنا تاثر چھپا نہیں پائیں۔ مارے حیرت کے ان کا منہ کھلا تھا اور وہ بالکل ساکت۔

"وہ رینٹڈ ہے یا کوئی کیئر ٹیکر ہے؟ آپ اسے ہمارے لیے کلین اور اوپن کروا دیں۔"

عنایت جہاں نے خود کو اس جھٹکے سے سنبھالا۔

"آپ کے لیے گوتھک پیلیس کا انتظام ہم کر دیتے ہیں۔ جہلم گڑھ والے رانا صاحب کا محل ہے۔ اوک ہاؤس تو اب صرف نام ہے۔ اس کے روئن ہی بچے ہیں، وہاں کوئی 'پیلیس' نہیں ہے۔" انھیں احساس ہوا صفائی اور وضاحت زیادہ طویل ہو رہی ہے، وہ رک گئیں۔

"سیڈ! فیسینیٹنگ نیم تھا 'اوک ہاؤس!'" رشی نے تاسف سے کہا۔

"آپ ہمیں جہلم گڑھ کا ایڈریس اور کانٹیکٹ پرسن کا نمبر دے دیجیے گا۔"

"صدیقی سب ارینج کر کے آپ کو انفارم کر دیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔" وہ مسکرائیں۔

"او کے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ آج ریلیکس ہیں، جانا نہیں ہے؟"

"آج ہم گھر پر ہی ہیں۔" انہوں نے اخبار اٹھایا۔ آج کا دن مختلف انٹرویو کے لیے مختص تھا۔

"ہم نے پھر نیند خراب کی اپنی۔" اس نے منہ بنایا اور وہ ممتا بھری شفقت سے مسکرائیں۔

"گڈ نائٹ!" وہ ہاتھ ہلا کے ان سے کہتا باہر چلا گیا لیکن ذہن میں اب 'اوک ہاؤس' نقش ہو چکا تھا۔

عنایت جہاں کی پیشانی ایک بار پھر شکنوں سے بھری تھی۔ اخبار گود میں رکھے وہ گہری سوچ میں ڈوبی تھیں۔

اچانک، پہلی بار انہوں نے رشی کی ان کی بات مان جانے والی عادت کا موازنہ سبیل کے مزاج سے کیا تھا۔ یہ بالکل بے اختیاری عمل تھا کہ انھیں اس وقت سبیل کا ان سے وعدہ نہ کرنا اور آئندہ اوک ہاؤس سے جانے کی کوشش نہ کرنے کی یقین دہانی نہ کرانا یاد آیا تھا۔ وہ اس کے بچپن سے ہی اس کا یہ مزاج دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اسے کچلنے کی کوشش میں سب سے پہلے اس کا خود کو 'ہم' کہنا بند کروایا تھا۔ اس کا صیغہ متکلم 'ہم' تو بدل گیا تھا مگر مزاج کی ضد زندہ تھی۔ وہ کم عمری سے ہی مضبوط قوت ارادی رکھتی تھی، بالکل ان کی طرح۔

وہ بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ سب کچھ اپنے اختیار اور ضبط میں رکھنے والی عنایت جہاں اس مقام پر ناکام رہی تھیں۔ وہ سبیل کا مزاج، اس کی فطرت اپنی مرضی میں ڈھال نہیں سکی تھیں۔ اسے ایک کھلے زنداں میں قید کرنے کے باوجود اس کی نفسیات بے بس اور مجبور قیدی کی نہیں بن سکی تھی۔

"اونہہ خون کا رنگ!" انہوں نے نفرت سے سوچا۔

"ہم غلط ثابت کریں گے خون کا رنگ!"

کچھ دیر دریچے سے باہر پھیلا خوب صورت منظر دیکھنے کے بعد انہوں نے میز سے فون اٹھا کے صدیقی کو کال ملائی۔

"رشی کے دوست روحان۔" صدیقی کے 'جی نواب بیگم' کے جواب میں انہوں نے کہنا شروع کیا۔

انھیں اندازہ نہیں تھا ان کا 'اوک ہاؤس' کو غیر اہم ثابت کرنے کی کوشش کرنا رشی کے لیے اسے دلچسپ بنا گیا تھا اور یہ دلچسپی ایک دن انھیں ان کی ٹکر کا حریف عطا کرنے والی تھی۔

Scanned with CamScanner

☆☆☆

میر عثمان، عدن کو 'برنچ' کے لیے 'ڈی کارنرز' لے جارہے تھے۔ عدن کی انگلی میں وہی انگوٹھی جگمگ کر رہی تھی جو کئی دن سے میر عثمان کے کتب خانے میں پڑی تھی۔ آج صبح وہ انھیں اپنی آرائشی میز پر ملی تھی۔ انہوں نے میر عثمان سے کچھ کہے بنا اسے انگلی کی زینت بنالیا تھا۔

وہ دونوں دیوان عام عبور کر کے دالان میں پہنچے ہی تھے کہ عنایت جہاں سے ٹکرا گئے، جو میر قربان علی خان کو ان کی وہیل چیئر پر باہر ہلکی سیر کروا کر واپس ہو رہی تھیں۔ ان دونوں کے ان فارمل حلیے بتا رہے تھے کہ وہ دفتر نہیں جا رہے ہیں۔ تین انچ ہیل کے باوجود عدن کی زمین کو چھوتی سرخ میکسی کا نچلا حصہ، ننھے ننھے سفید پھولوں سے بھرا تھا جب کہ میر عثمان گہری سبز پولو ٹی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں تھے۔

"طبیعت ٹھیک ہے اب آپ کی؟" عنایت جہاں نے پوچھا۔

"جی۔"

میر عثمان جھک کے، ایک جانب گردن ڈالے، بیلکس اور وہیل چیئر کے مخصوص سہاروں کے ذریعے ساکت بیٹھے میر قربان علی خان کا ہاتھ ان کی گود میں رکھ رہے تھے جو ایک طرف لٹک گیا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے ابا کو دھوپ کی زیادہ ضرورت ہے۔" عنایت جہاں ان کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"جی۔ ہمیں بھی کہا تھا۔" انہوں نے نرمی سے باپ کے دونوں ہاتھ ایک ساتھ رکھنے کے بعد سر اٹھا کے انھیں دیکھا۔

"آج آپ بھی گھر پہ ہیں۔" اس اتفاق پر وہ مسکرا رہے تھے۔

"آج کچھ انٹرویوز ہیں۔ آپ دونوں کیا سلیبریشن کے لیے جا رہے ہیں؟"

ان کے استفسار پر دونوں نے کچھ متعجب ہو کے سوالیہ نگاہوں سے انھیں دیکھا۔

"سنا ہے نئی دلہن کو چکر وکر آجائے تو کوئی خوش خبری ہوتی ہے۔" وہ عدن کو دیکھ کر مسکرائیں۔ عدن کے اندر پھر سانپ کی سرسراہٹ ابھری۔ وہ مسکرا بھی نہیں سکیں۔ میر عثمان کا ہلکا سا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ایسی سلیبریشن تو آپ کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔" میر عثمان نے ادب سے کہا۔

"چلیں اللہ جلد وہ دن بھی دکھائے ہمیں۔" انہوں نے عدن کو دیکھا جو اتنی دیر میں آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا چکی تھیں۔ ان کے لب کسی طرح تبسم میں ڈھل گئے تھے کہ آنکھوں کی اذیت انہوں نے کامیابی سے چھپالی تھی۔

"خیال رکھیں عدن کا۔" انہوں نے میر عثمان کے بازو پر ہاتھ رکھ کے کہا اور وہیل چیئر کو دھکا دیتی آگے بڑھ گئیں۔ کچھ فاصلے پر ان کے پیچھے نرس اور ملازم تھے۔

عدن کے لیے اب ذرا دیر والی بے فکری اور میر عثمان کے ساتھ اور قربت کی خوشی ویسی نہیں رہی تھی، جو عنایت جہاں سے ملنے سے پہلے تھی۔

آج تک میر عثمان نے یہ ذکر نہیں چھیڑا تھا اور انھیں صبیحہ بیگم کی بات پر یقین ہونے لگا تھا کہ جب وہ چالیس کے بعد بھی کنوارے ہیں تو اس کا مطلب تھا انھیں بچوں یا اپنے ولی عہد میں کوئی دلچسپی نہیں ورنہ اس طبقے کے لوگ اسی لیے جلد شادی کرتے ہیں، اگر شادی کا جنجال نہ چاہتے ہوں شادی کر کے بچے پیدا کر کے بیویاں چھوڑ بھی دیتے ہیں۔

میر عثمان نے دوبارہ وہ ذکر نہیں چھیڑا۔ وہ انھیں اپنے اسپرنگ ویلیج والے مکان کی تعمیر کی بابت بتا رہے تھے۔ برنچ کے بعد وہ انھیں وہیں لے آئے تھے۔

"آپ نے اپنی پسند سے اتنا خوب صورت گھر بنوایا لیکن یہاں مستقل شفٹ کیوں نہیں ہوئے؟" عدن نے پوچھا۔

"ہم ابا کی وجہ سے 'خیاباں' نہیں چھوڑنا

Scanned with CamScanner

چاہیے۔'' انہوں نے کار سے نکلتے ہوئے کہا تھا۔

''انہیں بھی یہاں لے آئیں تو؟'' عدن نے ان کے ساتھ قدم ملائے۔

''لے تو آئیں لیکن ہم جانتے ہیں عمر کے اس حصے میں ابا خیاباں چھوڑنا نہیں چاہیں گے۔''

ملازم کی سمت کار کی چابی اچھالنے کے بعد انہوں نے عدن کو دیکھا۔

''لیکن آپ جب چاہیں ہم کچھ وقت کے لیے یہاں آسکتے ہیں۔'' عدن مسکرائیں۔ اس لمحے میر عثمان کے اتفاقات سے مسرور ان کے دل و دماغ ایک نئی بلکہ درست سمت چل پڑے تھے۔

☆☆☆

صدیقی لیپ ٹاپ کی اسکرین کو بغور دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر ماؤس سے اسکرین اوپر نیچے کرنے اور چند لنکس کھول کر پڑھنے کے بعد وہ لیپ ٹاپ اٹھا کر بیگم عنایت جہاں کی میز پر آیا۔ انہوں نے اپنا کام ایک طرف کھسکا دیا۔

''مختلف طرح سے سرچ کرنے پر یہ ہی ایک آرٹیکل ہے جس میں 'اوک ہاؤس' اور میر قربان علی خان کا تذکرہ ہے۔ وہ بھی دس ایسی عمارتوں کی لسٹ کے بعد لاسٹ میں 'آزیبل مینشن' میں ہے۔ بہت ممکن ہے روحان نے گوتھک پلیس یا اولڈ رائل بلڈنگز کی سرچ کے دوران یہیں 'اوک ہاؤس' دیکھا ہو، اونر کے نام بھی مینشن ہیں۔''

عنایت جہاں کی انگلی ٹچ پیڈ پر متحرک تھی۔ انہوں نے مضمون نہیں دیکھا۔ ان کے مطلب کی چیز نامہ نگار کا نام تھا۔

''کیا وہ ای میل اسی کا تھا؟'' انہوں نے انگلی مضمون کے مصنف کے نام پر رکھی۔

''ایک منٹ۔'' صدیقی نے ہاتھ آگے کر کے لیپ ٹاپ کا رخ اپنی جانب کرنے کی اجازت طلب کی۔ عنایت جہاں نے لیپ ٹاپ کا اسکرین اس کی طرف کر دیا۔

کچھ دیر کی بورڈ اور ٹچ پیڈ استعمال کرنے کے بعد صدیقی سیدھا ہوا اور لیپ ٹاپ کا رخ پھر عنایت جہاں کی طرف کیا۔

''نہیں۔ ای میل، فیکس، میگزین کے کسی پراگ کپور کی طرف سے تھا۔''

''پہلے ان سے ملیے۔'' عنایت جہاں نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔

''بار بار اوک ہاؤس کا ذکر ہمیں گڈ اومن نہیں لگ رہا ہے۔''

صدیقی نے لیپ ٹاپ ان کے آگے سے اٹھا لیا۔

''ادھر سب ٹھیک ہے؟''

''کل رات نسیم بانو کو ہاسپٹل لے کر گئے تھے۔ بی پی بڑھا تھا، ڈاکٹر نے مزید انویسٹی گیشن ایڈوائس کی ہے۔''

عنایت جہاں نئے خیال سے چونکیں۔ اگر نسیم بانو ہی نہ رہیں۔؟ وہ عمر کے آخری پڑاؤ پر تھیں۔ دادی، نبیل کی واحد کمزوری تھی جن کے بنا اسے قابو کرنا مشکل ہوتا۔

''اوک ہاؤس بند کرنا کتنی جلدی عمل ممکن ہوگا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جتنا جلدی آپ کہیں۔'' وہ تو حکم کا غلام تھا۔

''ایک نئے انسان کو شامل کرنا رسکی نہیں؟'' انہیں بھی جیسے صدیقی کا امتحان لینے میں لطف آتا تھا۔

''چھوٹا منہ بڑی بات۔'' وہ تعظیماً اور معذرتاً ذرا سا جھکا تھا۔

''رسک تو اتنے سال اوک ہاؤس کو آباد رکھنے میں بھی تھا۔ اس سے آسان یہ ہے کہ ہم سب کی تسلی کے لیے بی بی کی شادی کر دیں، وہ ہز بنڈ اور دادی کے ساتھ چلی جائیں۔ ایسا بندہ آپ تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ اس کے بعد آپ چاہیں تو اوک ہاؤس بند کر دیں یا تمیز الدین کو بطور کیئر ٹیکر رہنے دیں۔''

جواب میں یقین دہانی اور اعتماد کا یہ مظاہرہ صدیقی کا خون بڑھا دیتا تھا۔

Scanned with CamScanner

"پہلے ایسا قابل اعتماد اور قابل انسان ڈھونڈیے۔" انہوں نے ایک طرف کیے کاغذ اور لیپ ٹاپ کو سامنے کیا۔

"آدم کے بارے میں مزید کچھ؟" ان کی نظریں سامنے پہلے کاغذات پر تھیں۔

"اس سے زیادہ کچھ ہے ہی نہیں جو پہلے سے معلوم ہے۔"

"پولیس اس کیس میں کیا کر رہی ہے دیکھیں اور ایف آئی آر درج کروانے والوں پر بھی نظر رکھیں۔"

"جی۔"

"نزاکت سے کہیں، نسیم بانو کے لیے ڈاکٹر کی ایڈوائس فالو کریں۔" جب تک سبیل کے دوسرے ٹھکانے کا انتظام نہیں ہوتا ان کا زندہ رہنا ضروری تھا۔

"جی بہتر۔" وہ جانے کے بجائے وہیں رکا رہا۔

عنایت جہاں نے سر اٹھایا۔ صدیقی کے یوں چپ رکے رہنے کا مطلب تھا اسے کوئی ایسی بات کہنی ہے جو انہیں ناگوار لگ سکتی ہے۔

"ہوں؟"

صدیقی نے تھوک نگل کر گلا صاف کیا۔

"دت صاحب۔" یہ ان کے کیمپین منیجر کا نام تھا۔

"نے ایک تجویز پیش کی ہے۔ وہ حلقے میں کسی ٹرسٹ کے تھرو ایک مشاعرہ کروانا چاہتے ہیں۔" مسلم اکثریتی آبادی والے علاقوں میں مشاعرے منعقد کرنا بھی برسوں سے انتخابی مہم کا حصہ ہے۔ جہاں مہمان خصوصی کے طور پر نمائندہ مدعو ہوتا ہے۔ وہ مشاعرے میں کسی بڑی امداد کا اعلان کرتا یا اس کی جانب سے بچوں یا خواتین میں انعامات یا ان کے مطلب کی اشیاء تقسیم کی جاتی ہیں۔ نام ٹرسٹ یا کسی انجمن کا ہوتا مگر سب جانتے ہیں کہ یہ رشوت کس کی جانب سے اور کیوں دی جا رہی ہے۔

"وہ میاں آفاق جاہ اور نکہت حیا کو خاص طور پر بلانا چاہتے ہیں اور۔"

"منع کر دیجیے۔" انہوں نے بات مکمل نہیں ہونے دی۔

☆☆☆

چوں کہ دن کی شروعات ہی غیر معمولی تھی، لہٰذا کوئی کام وقت پر نہیں ہوا۔ آج دوسروں کے ساتھ جیرو کاکا کو بھی کھانا دیر سے ملا تھا۔ ظہر کے وقت اٹھنے کے بعد تمیز الدین نے ناشتے کے لیے منع کر دیا تھا۔ چائے کے بعد انہوں سیدھا دوپہر کا کھانا کھایا۔

جب وہ دونوں باورچی خانہ سمیٹ کر باہر آئیں تو نسیم بانو تمیز الدین کے ساتھ آم کے پیڑ کے نیچے بیٹھی تھیں۔ سبیل کی نگاہیں جائزہ لے چکی تھیں کہ آدم کا کمرہ بند ہے۔ وہ یقیناً عقب میں تھا۔ نزاکت کے بھی ادھر ہی موجود ہونے کا امکان تھا۔

"دادی!" وہ اس وقت خاص مقصد سے ان کے پاس آئی تھی۔

"کل آپ ٹیسٹ کے لیے رکیں کیوں نہیں؟" اس کا سوال مکمل ہونے سے قبل ہی انہوں نے شاکی نظروں سے تمیز الدین کو دیکھا۔

"میں نے نہیں بتایا آپا۔" وہ انہیں کہہ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ کس نے بتایا پوچھتے اس سے پہلے ہی اس نے تیزی سے کہنا شروع کیا۔

"وہ اہم نہیں۔ ابھی ضروری یہ ہے کہ ہم ہاسپٹل جا کر جو ڈاکٹر نے کہا ہے وہ سب ٹیسٹ کروائیں۔ آج کا دن تو چلا گیا۔ کل صبح ہی نکل جائیں تو دن بھر میں سب ٹیسٹ ہو جائیں گے۔"

"یہ ڈاکٹروں کے پیسے کمانے کے دھندے ہوتے ہیں۔" نسیم بانو نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔

"ہاں تو کون سے ہماری جیب سے جا رہے ہیں، ہوتے دیں بے چاروں کا بھلا۔ ہمارے لیے اپنی تسلی اور آپ کی صحت اہم ہے۔"

نسیم بانو نے بے بسی اور مدد طلب نظروں سے

Scanned with CamScanner

digest.library.com

تمیز الدین کو دیکھا۔

"اہا! آپ کل انہیں لے کر جائیں۔" صفا نے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔" نسیم بانو نے حتمی لہجے میں کہہ کر اپنی طرف سے بات ختم کر دی۔

"میں آنٹی کو فون کرتی ہوں پھر کہ یہاں کوئی ڈاکٹر کا مشورہ نہیں مان رہا ہے۔" وہ تیاری سے آئی تھی لہٰذا فون بھی ہاتھ میں تھا۔

"آپا، میں ابھی آپ سے یہ ہی کہنے والا تھا کہ صدیقی کا فون تھا اس نے کہا ہے جو ڈاکٹر کہہ رہے ہیں وہ سب کیا جائے۔"

اب اس کے بعد کون بحث اور انکار کرتا۔ سبیل اپنی آنٹی کی اور ممنون ہوگئی۔

اسی وقت آدم عقب سے آتا دکھائی دیا۔

"آپ جیرو کاکا سے پوچھ لیں، اگر کٹنگ یہیں کیاری وغیرہ میں کہیں ڈالنا ہے تو میں اور نزاکت وہاں پھینک آئیں گے۔" قریب آکے اس نے تمیز الدین کو مخاطب کیا۔

"سب صاف ہوگیا؟" نسیم بانو نے پوچھا۔

"جی۔" اس نے پی کیپ اتاری اور بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"آپ کو کل صبح دادی کو پھر ہاسپٹل لے جانا ہے۔" سبیل نے مداخلت کی۔

"اوکے۔" اس نے اچٹتی نظر اس پر ڈالی تھی۔

تمیز الدین، جیرو کاکا کو فون لگا چکے تھے۔

"بہت محنت کی بیٹا، تم نے اتنی دھوپ میں۔" دادی نے اسے سراہا۔ وہ بس مسکرا دیا

"جیرو کہہ رہا ہے لے آؤ۔" تمیز الدین نے فون بند کرتے ہوئے کہا اور کھڑے ہوگئے۔

"آؤ۔" وہ اسے لیے عقبی حصے کی طرف بڑھے اور صفا نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"کیا بات ہے۔ تم بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں؟"

"کسے؟" اس نے بلا سوچے سمجھے پوچھا۔

"میرے کولیگ کو۔"

"کچھ بھی!" وہ کھڑی ہوگئی۔

"پڑھائی کرنی ہے چلو۔" اس نے صفا کا ہاتھ کھینچا۔

"ادھر ادھر کی بکواس کر کے اس سے بچ نہیں سکتیں تم۔" اس نے ڈانٹا۔

"ادھر ادھر کی بکواس؟ جو دیکھا وہ پوچھ رہی ہوں۔"

"دیکھیں دادی، اسے یہ بالکل پڑھنے کو تیار نہیں ہوتی۔" اس نے دادی سے شکایت لگائی۔

"کچھ ہی دن باقی ہے بیٹا، پڑھا کرو۔" دادی نے فرض نبھایا۔

"میں پڑھتی ہوں، دادی لیکن سبیل کو لگتا ہے۔" یہ اس کی دکھتی رگ تھی اور وہ ذرا دیر پہلے والا مشاہدہ بھول گئی۔

☆☆☆

دفتر نہ جانے کی صورت میں میر عثمان کا فون متعدد بار بج چکا تھا۔ اب بھی ان کی فون پر جاری گفتگو لمبی ہوگئی تھی۔ عدن ہر شئے کا بغور اور باریک بینی سے جائزہ لیتیں، خواب گاہ میں داخل ہوئیں اور ہر چھوٹی بڑی تفصیل نگاہوں سے سراہتے ہوئے جانے کب وہ اس آرام دہ بستر پر لیٹیں اور سکون بھری ٹھنڈک اور خاموشی میں ان کی آنکھ لگ گئی۔

جانے کتنی دیر بعد آنکھ کھلی۔ اب بھی ہر سو خاموشی کا راج تھا۔ وہ یونہی سرد فرش پر بنا چپلوں کے چلتی باہر نکلیں۔ میر عثمان فریج وغیرہ کے پاس کرسی پر کتاب لیے بیٹھے تھے۔ چمکتے، چکنے سرد فرش پر ان کے گلابی پیر بنا آواز کیے آگے بڑھے۔ ساتھ میں ان کی سرخ میکسی بھی فرش سے ہم آغوش ہو رہی تھی۔

"ہماری بے وقت نیند اب ہمیں ایمبرس کرنے لگی ہے۔" قریب پہنچ کر عدن نے شرمندہ سی دھیمی آواز میں کہا اور میر عثمان جو غرق مطالعہ تھے، چونک گئے۔

Scanned with CamScanner

"آپ ہارڈلی پندرہ منٹ سوئی ہیں۔" انہوں نے کتاب بند کر کے، کلائی موڑ کے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم نے یہ بورنگ کتاب اس امید پر لی تھی کہ کچھ دیر میں اُدھر آپ کو کمپنی دے سکیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کتاب ایک جانب چھوٹی سی میز پر رکھ دی۔ عدن ان سے دور رکھی اوٹومن چیئر پر بیٹھ گئیں۔

"ویسے ہم نے کئی بار کوشش کی کہ کام کے دوران 'پاور نیپ' کی عادت اپنا لیں مگر نیند اور ہماری کبھی نہیں بنی۔" بات کے آخر میں عدن کو لگا جیسے وہ یہ جملہ شروع کر کے پچھتائے ہوں۔ عدن مسکرائیں۔

"اب تو ہمیں اس کی عادت نہیں رہی ورنہ اسٹڈیز کے وقت اسپیشلی پیپرز کے دوران ہم دس پندرہ منٹ کا الارم لگا کر سوتے تھے اور واقعی جاگنے کے بعد فریش بھی فیل کرتے تھے۔ انسٹیٹیوٹ میں ہماری 'پاور نیپ' کافی مشہور تھی۔" عدن آخر میں ہنسی تھیں۔

میر عثمان نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ ان کی نظر عدن کے پیروں پر پڑی۔

"آپ کے سلیپرز کہاں ہیں؟ آپ کا کولڈ ٹولرنس بہت کم ہے۔" فرش بیچ میں کچھ زیادہ ہی سرد تھا پھر بھی عدن کو لگا وہ موضوع بدل گئے ہیں۔

"ہمیں اچھا لگ رہا ہے۔" انہوں نے پیر پیچھے کھینچ کر میکسی کے سفید پھولوں کے اندر چھپا لیے۔

"آپ اجازت دیں تو ہم کچھ کہیں۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات چھیڑتے، عدن نے التجا کی۔

عدن کے چہرے کو دیکھ کر، میر عثمان کا دل کیا اجازت سے انکار کر دیں کہ وہ اس وقت جذباتی اور گہری بات نہیں چاہتے تھے جو ان کے مزاج ہونے کا سبب بنتی۔ اس دن کے عدن کے ابتدائی چند جملوں نے انہیں خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ ان کے اندر جھانکنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ مگر لاکھ کوشش کے بعد بھی وہ سامنے بیٹھی بیوی کو انکار نہیں کر سکے۔

"ہوں۔" ان کا ہنکارا بھی سوچ سے بھرا ہوا محسوس ہوا۔

"ہو سکتا ہے ہم غلط ہوں، بالکل غلط۔" انہوں نے ہمت تو کر لی تھی مگر اگلے پل یقین ڈولنے لگا تھا کہ انہوں نے ہمت کو مضبوطی سے تھاما۔

"ہمیں لگتا ہے، آپ خود کو خوش ہونے سے روکتے ہیں، آپ کو لگتا ہے، آپ اچھا وقت ڈیزرو نہیں کرتے۔ آپ خوش ہو لیں یا کچھ انجوائے کر لیں تو بعد میں گلٹی فیل کرتے ہیں۔" وہ جس قدر تذبذب کے ساتھ کہہ رہی تھیں میر عثمان اسی قدر حیران ہو رہے تھے۔

"ہم معذرت خواہ ہیں اگر ہم نے آپ کو یوں فیل کروایا۔" میر عثمان کی آواز اندر کی بے چینی چھپانے میں کامیاب رہی تھی۔

کچھ دیر رک کے انہوں نے عدن کی آنکھوں میں دیکھا۔ ان کے سینے میں راز دفن سہی، مگر وہ بزدل نہیں تھے۔ وہ سب کچھ عدن سے کہہ سکتے تھے اگر ان کے مقابل محض عدن ہوتیں یا یہ جنگ سیدھی عدن سے ہوتی۔ عدن اپنی مرضی سے ان کے خلاف استعمال ہو رہی تھیں یا بے خبری میں دشمن کا ہتھیار بنی تھیں، وہ یہ معمہ حل نہیں کر پا رہے تھے تاہم کبھی مضبوط لگنے والا شک اب کمزور تھا۔ عدن کے ساتھ منافقت ان کی مجبوری اور ضرورت سہی، وہ اس منافقت سے خوش نہیں تھے۔

"ہمارے گلٹ کی وجہ آپ بالکل نہیں ہیں۔" اس ایک جملے میں کئی اعتراف تھے۔ اتنے برسوں میں انہوں نے اپنے لیے پہلا دریچہ ذرا سا وا کیا تھا۔ ایک لہر گھٹن کی اس درز سے باہر نکل گئی۔

"ہم اتنے سال ابا سے دور رہنے اور ایکسیڈنٹ کے وقت ان کے تنہا ہونے کو کیسے بھول سکتے ہیں؟ یہ وہ گلٹ ہے جو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے

Scanned with CamScanner

"مکمل سچ نہیں تھا تو غلط بھی نہیں تھا۔
"عدن!" انہوں نے پھر کچھ دیر رک کے بات شروع کی۔
"آپ خوش نہیں ہیں؟ آپ کو ہم سے کچھ اور بھی شکایت ہے؟ اس ایجنسی کو ہائر کرنے کے پیچھے کوئی اور بھی وجہ تھی؟"
"نہیں۔" خلاف امید عدن نے مسکرا کے سر نفی میں ہلایا۔ اس وقت میر عثمان عدن کا رویہ بالکل سمجھ نہیں پا رہے تھے۔
"ہم برسوں سے سنبھالا ایک راز آپ سے شیئر کرنا چاہتے ہیں۔"
میر عثمان کے لیے یہ پہیلی جان لیوا تھی۔ چند سیکنڈز میں انہوں نے نہ جانے کیا کیا سوچ لیا۔
عدن کی نظریں گود میں دھرے اپنے ہاتھوں پر تھیں۔
"ہمارے جوائنٹ فیملی فرینڈ کی شادی کی تقاریب کا ایک دن تھا اور آپ اس وقت میر انکل کے ساتھ گیٹ سے اندر آ رہے تھے۔" عدن نے سر اونچا کر کے میر عثمان کو دیکھ کر کہنا شروع کیا۔
"اس سے پہلے بھی ہم نے آپ کو کئی بار دیکھا تھا مگر اس وقت آپ ہمیں پہلی بار اچھے لگے تھے، بہت اچھے، ہم اپنی فیلنگز پر فریز ہو گئے تھے۔ اس وقت ہم نہیں جانتے تھے اس منظر کے بعد ہم پر محبت کے سب ہی منظروں کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ ہم اس منظر میں ایسے 'میر عثمان علی خان' کے اسیر ہوئے تھے کہ پھر ہمیں دنیا میں کوئی اور متاثر نہیں کر سکا۔" میر عثمان کو حیرت کا ایسا جھٹکا زندگی میں دوسری بار لگا تھا۔
"آپ کو شاید ہماری باتوں کا یقین نہ آئے لیکن یہ ہماری زندگی کا سچ ہے کہ آپ اس دن سے ہماری زندگی میں ہیں، جس دن اس تقریب میں آپ ہماری طرف مسکرا کے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔"
یہ کیوں کر ممکن تھا؟ میر عثمان اپنی بے خبری اور اس خبر پر جتنا حیران ہوتے، کم تھا۔
ان کی ملاقاتوں کا شمار ممکن نہیں تھا کہ لندن سے واپس آنے کے بعد بھی وہ اتنی دفعہ عدن سے ملے تھے۔ ان کے کئی فیشن شو کے مہمان رہے تھے مگر کبھی انہیں لگا ہی نہیں کہ عدن انہیں اس طرح پسند کرتی ہیں۔
انہوں نے تو اس دن سے پہلے کبھی عدن کو خوب صورت عورت سمجھ کر غور ہی نہیں کیا تھا جس دن بیگم عنایت جہاں نے ان کا نام لیا تھا۔ اس سے قبل وہ ان کے لیے دنیا کی دیگر خواتین میں سے ایک تھیں جن میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان کے لیے کام اور سماجی، کاروباری ذمہ داریوں کا حصہ تھیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں اور اب وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ برسوں سے ان کی محبت میں مبتلا تھیں، ان کی ملاقاتیں ان کے لیے ویسی عام نہیں تھیں جیسی ان کے لیے۔
"اس وقت ہماری ایج ہی ایسی تھی کہ سارا وقت ہمارے دل و دماغ پر آپ سوار رہتے۔ ہم نے نیا نیا کالج شروع کیا تھا، وہاں آپ ہمارے سینئر تھے۔ آپ تب ہمارے لیے کسی ہیرو یا سنگر کے کرش جیسے تھے جن کے بارے میں ہمیں علم ہوتا ہے کہ انہیں حاصل کرنا ناممکن ہے لیکن ہم پھر بھی ان کے پیچھے پاگل ہوتے ہیں۔ ہم کھل کے آپ کے سامنے آنے سے جھجکتے تھے لیکن آپ کو ہی دیکھتے رہنا چاہتے تھے۔ کالج ہوتا یا گھر یا کوئی ایونٹ، ہم ہر اس جگہ موجود ہوتے جہاں آپ کی موجودگی کا امکان ہوتا۔ اس عمر، اس دور اور نئی نئی محبت کی بے خودی میں جینا ہمیں بڑا اچھا لگ رہا تھا۔
آپ کو دیکھ لینا، آپ کی آواز سن لینا، کبھی نظریں مل جانا، کبھی آپ کا مخاطب کر لینا، کبھی آپ کا مسکرا کے دیکھ لینا، کبھی بات ہو جانا، کبھی آپ کی زبان سے ہمارا نام ادا ہونا۔
یہ ہی ہمارے دن کے ہائی لائٹس ہوتے تھے۔
ہمیں اس وقت اپنے جذبوں کی گہرائی کا احساس ہوا

Scanned with CamScanner

جب آپ ابراڈ چلے گئے۔ ہم ممی کے ساتھ آپ کے گھر آتے اور وہاں آپ کی ایک جھلک بھی نہیں ملتی، ہم بھائیوں کے ساتھ ان کی گیدرنگ میں ہوتے اور ہمیں اس جگہ کی بے رونقی اداس کرتی کہ وہاں نہ آپ کی آواز ہوتی نہ ہنسی۔ ہم اپنے سرکل کی ہر شادی، ہر فنکشن اٹینڈ کرتے۔

مگر ان میں پہلے جیسا انتظار تھا نہ لطف کہ آپ آئیں گے یا نہیں اور آگئے تو ہم سے شاید ایک آدھ جملہ کہہ ہی دیں گے یا ہماری میز پر کسی انکل آنٹی کو سلام کرنے پہنچیں گے، ہمیں کسی کا پاس کیا کولڈ ڈرنک کا گلاس تھمائیں گے، ہم سے کچھ لے کر ایک فارمل کہا تھینک یو، کبھی بے اختیاری سوری۔ تب ہم نے جانا کہ ہماری زندگی کا سارا مقصد ہی یہ ہو گیا تھا۔ ہم تو ان ہی چھوٹی چھوٹی ملاقاتوں، غیر متوقع باتوں، آپ کے دیدار کے لیے جی رہے تھے۔" وہ انھیں دیکھ کر کہہ رہی تھیں۔

"اس کے فوراً بعد ہم اسٹڈیز کے لیے انسٹیٹیوٹ چلے گئے، وہاں آپ کو یاد کرتے رہے۔"

"آپ نے ہمیں کبھی بتایا کیوں نہیں؟" میر عثمان نے درمیان میں پوچھا۔ انھیں اپنی آواز پر یقین نہیں آیا کہ وہ اس قدر حیرانی کے باوجود بول رہے تھے۔

"ہم نے بڑی مشکلوں سے آپ کا انٹرنیشنل نمبر حاصل کیا اور آپ کو ایک 'ہائے' لکھ بھیجا، مہینوں برسوں آپ کے جوابی ہائے یا کون؟ کا انتظار کرتے رہے۔ آپ کا ای میل ہمیں نہیں مل پایا۔ ان دنوں نیا نیا فیس بک ہم نے سیکھا، آپ کو ڈھونڈا مگر آپ نہیں ملے۔ ہم انسٹیٹیوٹ میں بہت بزی مگر آپ کے انتظار کے عادی ہو گئے تھے۔ آپ واپس آئے تو ایک ٹریجڈی کے بعد۔"

وہ، میر قربان علی خان کے حادثے کے بعد ملک واپس آئے تھے۔

"آپ پہلے والے میر عثمان نہیں رہے تھے، بدل گئے تھے اب کافی میچور اور ریزروڈ تھے۔ انکل کے بعد آپ نے جہاں نما سنبھالا اور ہم بھی فیملی کے شیڈو سے نکل کر تب اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ کی ممی کے بعد ہماری فیملی کے ٹرمز بھی پہلے سے نہیں تھے۔ اس وقت ہم ہی نہیں سوچتے تھے بلکہ افواہیں بھی یہ ہی تھیں کہ شاید آپ نے اتنے سالوں میں وہاں شادی کر لی ہے، شادی کے بعد طلاق بھی ہو گئی ہے، کوئی کہتا لیو ان ریلیشن تو کوئی کچھ۔ کچھ وقت بعد افواہیں دم توڑ گئیں اور ہم۔"

انہوں نے گہرا سانس لے کر اوپر دیکھا اور پھر کھڑی ہو گئیں۔

"ہم دور دور سے آپ کو دیکھتے رہے، قیاس کرتے رہیں، ڈرتے رہے۔ ہم نے اتنا وقت اکیلے آپ سے محبت کرتے گزار دیا تھا کہ اب اس احساس کو ختم کرنے یا بدلنے کا خیال بھی جان لیوا محسوس ہوتا تھا۔ آپ اب وہ میر عثمان نہیں تھے جن سے ہم بے تکلفی سے بات کرتے یا دل کی بات سناتے۔ آپ نے جو اپنے گرد ہالہ بنایا تھا وہ 'اَن ٹچ ایبل، اَن ریچ ایبل، نا قابلِ حصول' تھا۔ ہم نے اتنی ہمت کی کہ آپ کو مدعو کیا اور آپ آگئے، ہمارے لیے وہ ہی معجزہ تھا۔ ہم اب اس اسٹیج پر تھے کہ انکار سننے اور رد ہونے کے بجائے ایک امکان، ایک شاید باقی رکھنا چاہتے تھے۔ ہم ہر روز دل تھام کے نیوز پیپر اور سوشل میڈیا اوپن کرتے کہ کہیں آج آپ کی شادی کی خبر نہ ہو اور ہم پہلے ہی سوچ لیتے کہ یہ اس وجہ سے ہو گا کہ ہم نے آپ سے اظہار کیا ہی نہیں ورنہ تو آپ ہمارے ہی تھے۔" وہ ہلکے سے مسکرائیں۔

میر عثمان اپنی زندگی کی سب سے غیر متوقع اور ناقابلِ یقین سی حقیقت سے روشناس ہو رہے تھے۔ کوئی آپ کے لیے اتنے نفیس اور حسین جذبات چھپائے ایک عمر گزار دے تو یہ انکشاف حیران کن ہی نہیں، دل کی دنیا بدل دینے والا ہوتا ہے۔ میر عثمان اس وقت، سب بھول کے عدن کی ہر بات پر یقین کرنا چاہتے تھے۔

"پھر جانے کیسے نواب بیگم نے ہمارے دل تک رسائی حاصل کر لی۔ آپ اتنی ملاقاتوں کے بعد نہ ہمارا چہرہ پڑھ سکے نہ آنکھیں مگر وہ جان گئیں۔ گھر والوں کا شادی کے لیے اصرار اپنی جگہ مگر شاید ایک عمر کے بعد ہمیں جذبات اور احساسات کے ساتھ آپ کی رفاقت کی خواہش بھی ستانے لگی تھی۔ ہمارا صابر عشق مچلنے لگا تھا۔ ہم رد کیے جانے کے خوف سے شاید چپ ہی رہتے مگر نواب بیگم کا سپورٹ ہمیں ڈیوائن اشارہ لگا کہ اب بھی آگے نہ بڑھے تو خود کے ساتھ زیادتی ہو گی۔ آپ کے حصول کا راستہ ہماری کوشش کے بنا ہی ہمارے قدموں میں بچھا دیا گیا تھا۔ ہم اس پر قدم نہ دھرتے تو ناشکرے ٹھہرتے! آپ سوچیں، اتنے برسوں کی خاموش محبت کے بعد ہم آپ کو جی بھر کے دیکھنے، ہاتھ بڑھا کے چھونے، آگے بڑھ کے خود کو آپ کے سپرد کرنے کی اجازت اور استحقاق چاہتے تھے تو یہ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔" ان کی آواز بھیگنے لگی۔

"اور جب ہم نے یہ سب حاصل کر لیا تو کھلا کہ آپ سے ہم فزیکلی قریب ہوئے ہیں ورنہ فاصلہ تو اب بھی اول دن جتنا ہی ہے۔" انہوں نے ایک قدم میر عثمان کی طرف اٹھایا جو اب تک کرسی پر تھے۔

"اسی کھوج میں ہم سے وہ غلطی ہو گئی۔ ہمیں احساس ہے ہم نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے لیکن عثمان! ہم اتنے غلط تو نہیں۔ ہم ساتھ اور پاس ہوتے ہوئے بھی تشنہ کیوں ہیں؟ صرف ہم نہیں آپ بھی۔ آپ بتائیں، ہم کیا کریں کہ نیند آپ کی سہیلی بن جائے، آپ کی آنکھوں سے اداسی روٹھ جائے، سگریٹ آپ کی دشمن بن جائے اور۔" ان کے حلق میں جمع ہوئے آنسوؤں نے آواز سلب کر لی۔

ان کے سامنے ان کی حسین اور قابل بیوی تھی، جس نے اپنا دل ان کے آگے کھول کے رکھ دیا تھا۔ وہ عورت جس پر اعتبار نہ ہونے کے باوجود وہ انھیں کبھی بری نہیں لگی تھی۔ اپنی الجھنوں اور تحفظات کے باوجود انھیں جس کی قربت میں سکون ملتا تھا کہ ان کا تنہائی کے بیاباں کا سفر بھی عدن اتنا ہی طویل تھا۔ اگر عدن اس کے بعد تنہا رہنے تیار نہیں تھیں تو وہ بھی تو خود ساختہ بن باس کاٹ رہے تھے۔ اپنا محبت اور ساتھ کو ترستا دل نظر انداز کر رہے تھے۔

کئی بار کسی حسین نازک لمحے میں، قربت کے سکون میں ان کا دل چاہا تھا کہ وہ عدن سے اپنی تلاش، طویل جستجو، ملال، دکھ سب بانٹ لیں۔ سو اگر وہ اس پل پوری طرح پگھل کے عدن کے سحر میں جکڑ گئے تھے تو یہ ایسا حیرت انگیز بھی نہ تھا!

میر عثمان اپنی جگہ سے اٹھے۔ ان چند قدموں کو طے کرتے ہوئے انہوں نے اتنا کچھ سوچ لیا تھا اور اس کے بعد بھی کتنا کچھ باقی تھا۔ اتنے خیالات کے ساتھ بھی ان کے اندر اس وقت عدن کو تھام لینے کی خواہش بڑی شدید تھی۔ گہرائی میں کہیں وہ جانتے بھی تھے کہ وہ صرف عدن کو نہیں عرصے بعد خود کو بھی تھام رہے ہیں۔ عدن کو اپنے اندر سمیٹتے ہوئے، سب کچھ پیچھے دھکیل کر انہوں نے ان لمحوں میں، ان لمحوں پر یقین کو چنا تھا۔ اس لمحے ان کا دل اور دماغ، فکر، شک اور احتیاط سے خالی تھے۔

میر عثمان کی بانہوں میں سماتے ہی وہ تیزی سے رونے لگیں۔ یہ ان کی برسوں کی مسافت کے بعد پہلی حقیقی چھاؤں اور آرام گاہ تھی۔ میر عثمان بھی اس وقت سب بھول جانا چاہتے تھے۔ انھیں ان لمحوں کی دل سے قدر تھی۔ وہ اگر مگر سے اسے گہنانا نہیں چاہتے تھے۔

"عدن!" میر عثمان نے کچھ دیر بعد انھیں خود سے دور کیا۔ اپنے ہاتھوں سے عدن کے بال پیچھے کرتے ہوئے چہرہ تھام کے ان کی پیشانی سے اپنا سر لگایا۔

"ہمیں آپ کے ہر لفظ کا یقین ہے۔ آپ کی شکایت۔ اگر ہم۔ اگر ہم اس وقت کچھ نہ کہیں۔ اگر ہم ابھی۔"

Scanned with CamScanner

ان کی ٹھہری، تھمی تھی سی سرگوشی جیسی آواز میں کوئی بات مکمل نہیں ہو پارہی تھی۔ وہ ایک ساتھ کئی باتیں کہنے کی کوشش میں کچھ کہہ نہیں پا رہے تھے۔ تقریباً دہائیوں پر محیط محبت کی کہانی سنتا جس کا مرکزی کردار آپ ہو اور بے خبر بھی آپ ہو۔ یہ تجربہ میر عثمان علی خان جیسے شخص کا بھی احتیاطی اور ظاہری خول چٹخا گیا تھا۔ وہ جذبات سے اس قدر مغلوب تھے تو وہ تو پھر عدن تھیں۔

"کچھ نہ کہیں عثمان۔" انہوں نے بھیگی آواز میں انہیں اجازت دے کر مزید بولنے سے روک دیا۔

"آج ہمارا وقت تھا۔ آپ کا نہیں۔" انہوں نے اپنے دل کی بات کی تھی، کسی دن میر عثمان اپنے دل کی کہیں گے، انہوں نے خود کو یقین دلایا تھا۔

"تھینک یو۔" میر عثمان نے اپنا سر دور کیا۔

"ایک وقت میں ایک قدم!" عدن نے سوچا۔ وہ اس وقت میر عثمان کی قربت میں واقعی بھول گئی تھیں کہ سارا سچ کہنے کے بعد بھی اپنے دور رہنے کی سب سے اہم وجہ وہ پھر چھپا گئی ہیں۔

☆☆☆

شام تک صدیقی کے پاس بری خبر تھی۔

"میگزین 'نیکسس' تو موجود ہے لیکن وہاں اس نام کا کوئی جرنلسٹ یا ملازم نہیں ہے۔"

"ہوسکتا ہے پہلے ہو اور۔"

"فرسٹ ایشو سے لے کر اب تک وہاں کسی پراگ کپور نے کام نہیں کیا ہے۔" یہ انہیں 'اوک ہاؤس' کی بابت ای میل بھیجنے والے صحافی کا نام تھا۔

"کوئی 'اوک ہاؤس' کو لے کر مشکوک ہے مگر ایڈریس نہیں جانتا؟" عنایت جہاں کا انداز خود کلامی سا تھا۔

"اگر کوئی ایڈریس پتا کرنا چاہے تو مشکل نہیں ہے، نیوز پیپر آرکائیوز میں آسانی سے مل سکتا ہے۔" صدیقی نے کہا۔

"پھر اس ای میل کا مقصد؟" صدیقی کے پاس فوری جواب نہیں تھا۔ اچانک وہ ٹھٹک گئیں۔

"کوئی ہمیں آگاہ کرنا چاہتا ہے، دھمکانا چاہتا ہے کہ وہ 'اوک ہاؤس' کا راز جانتا ہے، مگر کون؟" ان کے اور صدیقی کے علاوہ جو جانتے تھے، وہ اوک ہاؤس میں تھے اور ان کے علاوہ سبیل کے وجود کا جنہیں علم تھا وہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے یا کچھ بتانے کے قابل نہیں رہے تھے۔

"کیا کوئی ہمیں فالو کر رہا ہے؟"

"نہیں۔ ہم نے پچھلے تین ماہ سے سیکیورٹی ڈبل کر دی ہے۔ جب کہ ای میل اسی دوران کا ہے۔"

"ای میل کہاں سے بھیجا گیا ہے۔ دیکھیں۔" عنایت جہاں نے نیا حکم دیا۔

"جی۔ مجھے لگتا ہے کوئی نامینیشن سے پہلے ایشو کریئٹ کرنا چاہتا تھا لیکن ہم نے بیٹ قبول نہیں کی، وہ ناکام ہو کر خاموش ہو گیا۔"

"کیسا ایشو؟ ایشو اسی وقت بنے گا جب وہ اوک ہاؤس میں بسنے والوں سے واقف ہو، محض اوک ہاؤس کیا ایشو بن سکتا ہے؟" عنایت جہاں کی بات کے بعد پھر صدیقی کے پاس جواب نہیں تھا۔

"اور اگر اس کی اہمیت سے واقف کوئی موجود ہے تو۔ آپ پہلے میل کا آئی پی ایڈریس نکالیں۔" ان کا ذہن کسی راستے پر لگ چکا تھا۔

"جی مگر وہ ضرور کسی عام سے سائبر کیفے سے بھیجا گیا ہوگا، اس سے ہمیں کچھ خاص علم نہیں ہو سکے گا۔" عنایت جہاں پرسوچ سی چپ تھیں۔

"شادی اور ایراڈ سیٹل کرنے والے معاملے کو ہنگامی سچویشن کی طرح دیکھیں۔"

اسی وقت صدیقی کا فون بجنے لگا۔ اسکرین پر نام دیکھ کر اس نے عنایت جہاں کو دیکھا۔

"تمیز الدین۔" انہوں نے ہاتھ سے فون سننے کا اشارہ کیا۔

"ہیلو۔" لہجہ یک لخت روکھا ہو گیا تھا جیسے تمیز الدین کے اختیار میں ہوتا تو وہ کبھی خود

صدیقی کو فون نہ کرتے مگر یہ ممکن بھی نہیں تھا۔ نسیم بانو کی بیماری اور ان کی باتوں نے مجبور کر دیا تھا۔

محض ہوں ہاں کرتے ہوئے چند منٹ بعد صدیقی نے فون رکھ دیا۔

"وہ آپ سے بات کرنے کی گزارش کر رہا ہے۔" عنایت جہاں نے ابرو کے اشارے سے کیوں پوچھا۔

"اپنی بیٹی کی شادی وغیرہ کے سلسلے میں، اس کی عمر ہے شادی کی اور فائنل ایگزامز کے بعد پڑھائی بھی ہو جائے گی وغیرہ۔"

عنایت جہاں نے پرسوچ انداز میں ہاتھ سے قلم میز پر رکھا اور پیچھے کرسی سے ٹیک لگایا۔

"ان سب کا اب ایک ہی حل ہے۔ اوک ہاؤس بند کر دیا جائے۔"

☆☆☆

شام میں ہی طے ہو گیا تھا کہ وہ صبح سات بجے گھر سے نکل جائیں گے۔ سمبل موقع ملتے ہی آدم کو اپنا فون نمبر دے چکی تھی کہ دادی منع کریں تو وہ وہیں سے اسے اطلاع دے دیں۔

اس رات اچانک افتاد پر، اسے اپنی جیپ نکالنا پڑی تھی تاہم وہ ایسی بے فکری سے اسے سڑکوں پر دوڑاتا تو نزاکت، صدیقی مشکوک ہو جاتے کہ جیپ اس کے نام رجسٹرڈ تھی اور پولیس اس کی تلاش میں۔ انہوں نے یہ ہی بات صدیقی سے فون پر کہی اور کچھ دیر بعد ہی وہ تمیز الدین کی اسکوٹر پہ نزاکت کے ساتھ دوسری گاڑی لینے جا رہا تھا۔

چند گھنٹے بعد نزاکت اسکوٹر اور وہ کار لیے واپس آئے۔ جیپ کے ساتھ دوسری سفید کار دیکھ کر دونوں نے تمیز الدین سے سوال کیا کہ جیپ ہے تو کار کیوں؟

"آپا کے لیے کار زیادہ آرام دہ ہے۔" اور وہ مان بھی گئیں۔

نزاکت اور تمیز الدین ان کے ساتھ گئے۔ سمبل نے اس بار بھی اصرار کیا لیکن نسیم بانو مانیں نہ تمیز الدین۔

"تم پڑھائی کرو گھر میں۔ وقت کم ہے۔"

"جیرو کو کھانا دینا ہو گا اور رات کا بھی سب کا بنا کے رکھنا۔"

دونوں نے انھیں اپنی طرف سے کام سونپ دیے تھے۔

"اچھا آپ تھوڑی تھوڑی دیر میں فون کیجیے گا۔" اس نے بھی وعدہ لینا چاہا مگر اسے "ٹھیک ہے" پر ٹرخا دیا گیا۔

سمبل، صفا کو آج بھاگنے کا موقع دیے بغیر پڑھائی کے لیے لے کر بیٹھی تھی۔ درمیان میں اس کی کوشش جاری تھی کہ کسی بہانے اٹھ سکے۔

"آج کھانے پر اہتمام کرتے ہیں۔ وہ ہسپتال کینٹین یا پھر باہر کا بدمزہ کھانا کھا کر آئیں گے، اس لیے ہم کچھ اچھا سا پکاتے ہیں جیسے بریانی یا پھر دو تین چیزیں۔" صفا نے مشورہ پیش کیا۔

"ابھی جو پتیلا بھر کے چکن شوربہ بنایا اس کا کیا؟" سمبل نے مشورہ رد کیا۔

"دادی کے روم کی چکا چک صفائی کر کے انھیں سرپرائز دیں؟" کچھ دیر بعد صفا کو پھر یاد آیا۔

"بلکہ ہم ہال کی سیٹنگ بھی بدل دیتے ہیں، خوش ہو جائیں گے سب تبدیلی دیکھ کے۔" اسے بس کتاب سے دور جانا تھا۔

"جب میں کہوں گی کہ صفا نے ایک چیپٹر مکمل کر لیا ہے تو اس تبدیلی پر ان کی خوشی آسمان چھونے لگے گی۔" سمبل نے سامنے کھلی کتاب پر اس کا ہاتھ رکھا۔

اگر صفا بار بار بہانے بنا رہی تھی تو اس کی نگاہ بھی اتنی ہی دفعہ فون کی جانب اٹھ رہی تھی۔

آدم اپنا کام کر رہا تھا کہ یہاں اس کی موجودگی کی بنیاد ہی ڈرائیور کی ضرورت تھی۔ تاہم سمبل نے آج اسے اضافی کام سونپا تھا۔ بار بار یہ خیال ستا رہا تھا کہ اس نے کسی کو 'ذمہ داری' دی ہے اور اب اس کا فرض ہے کہ 'ذمہ داری اور کام' کرنے والے کو وہ

digest library.com

Scanned with CamScanner

سراہے، کوئی انعام دے۔ حالاں کہ اس نے اب تک نہ کال کی تھی نہ کوئی پیغام بھیجا تھا۔
ذرا دیر بعد اس نے صفا سے نظر ہٹا کے دوسری کتاب کے اوراق پلٹتے ہوئے، خود کو مصروف ظاہر کرنے کے بعد بولنا شروع کیا۔
"تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ تم پڑھو، اسپیشل کھانا میں بنالیتی ہوں۔"
صفا نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔
"تمہیں بیسک چائے اور روٹی بنانی نہیں آتی اور تمہیں اسپیشل کھانا بنانا ہے؟" وہ صفا ہی کیا جو چوک جائے!
"یہ وہ موقع ہے کہ میں دل سے کچھ کرنا چاہتی ہوں اور اس 'دل سے کچھ' کی وجہ سے کام یاب ہونے کے چانسز زیادہ ہیں۔" اس نے ہاتھ روک کے سنجیدگی سے صفا کو دیکھا پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے کہا۔
"اب مالکن اور اس کے دل کے بیچ آنے والی میں کون؟" صفا نے گویا احسان کیا۔
"تم بتاتی جاؤ، میں ہدایت فالو کروں گی لیکن۔" وہ جوش میں بولتے ہوئے رک گئی اور تنبیہہ ضروری بھی۔
"تم ساتھ ساتھ پڑھتی رہو گی۔ یعنی ہم دونوں ایک دوسرے کی انسٹرکشنز فالو کریں گے، دیکھتے ہیں کون کام یاب ہوتا ہے۔" صفا اس شرط پر چند پل اسے گھورتی رہی۔
"چلو۔" آخر صفا صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی کہ کیا پکانا ہے یاد آیا۔
"لیکن سالن کا کیا کریں گے؟"
"کل اس میں آلو ڈال کے سب کو ابھی بنایا کہہ کے کھلائیں گے۔" سبیل پر اب 'اہتمام' کا بھوت سوار تھا لہٰذا اس کا بھی جگاڑ سوچ لیا۔
"تو تمہیں بریانی بنانی ہے؟" صفا بولتے ہوئے باورچی خانے کی طرف بڑھی۔
"ہاں۔" سبیل نے اس کا بازو پکڑ کے روکا اور کتاب تھماتے ہوئے آنکھوں سے جتایا کہ تمہیں یہ پڑھنا ہے۔
"ویسے جگاڑ کر کے شوربے کو بھی بریانی میں شامل کر سکتے ہیں۔"
"نہیں، مجھے سلیقے طریقے سے بریانی بنانی ہے۔" پہلی بار اس کے اندر یہ خیال اور احساس جاگا تھا اور اسی کے مطابق جوش جواں تھا۔
پھر دو لوگ اپنے پسندیدہ کام کے لیے دوسرے کو ہدایت دیتے ہوئے، ناپسندیدہ کام کرنے کی کوشش کرتے رہے۔
اس دوران تمیزالدین نے فون کر کے بتایا کہ ڈاکٹر کے بتائے سارے ٹیسٹ ہو رہے ہیں جن کے نتائج بھی آج ہی معلوم ہو جائیں گے۔
اللہ اللہ کر کے بریانی دم پر رکھی گئی اور سلاد رائتے کا انتظام شروع ہوا۔
رات نو بجے کے آس پاس وہ سب 'اوک ہاؤس' پہنچ گئے۔ تمیزالدین نے اسپتال سے نکلتے وقت انھیں فون کیا تھا۔
"فکر والی کوئی بات نہیں۔ دوائیاں دی ہیں ڈاکٹر نے۔" اس کے سوال پر تمیزالدین نے اسے تسلی دی تھی۔ نسیم بانو کا جواب بھی ایسا ہی تھا۔ وہ ان کی فائلیں دیکھنے لگی تھی کہ انہوں نے اس کے ہاتھ سے لے لیں۔
"کھانا لگاؤ۔ سب تھک گئے ہیں۔"
بقول صفا، بریانی کی رونمائی سب کے میز پر آنے کے بعد ہی ہونا تھی۔ کہ پہلے سے ڈھکن ہٹا کے ایک تو خوشبو ضائع ہو جائے گی جس کی موجودگی ابھی تو مشکوک تھی دوسرے ٹھنڈی ہو جائے گی۔
سارے تھکے ہارے منہ ہاتھ دھو کر میز پر بیٹھے اور صفا نے بریانی کا ڈھکن کھولا۔
"خوشبو تو بڑی اچھی آ رہی ہے۔" تمیزالدین نے کہا اور سبیل کی باچھیں کھل گئیں۔ صفا نے کہنی مار کے اسے متوجہ کر کے پتیلے کے اندر دیکھنے کا اشارہ کیا جہاں چاول راز و نیاز کرتے ایک دوسرے سے لپٹے

Scanned with CamScanner

جیتے جا رہے تھے۔ اس کا منہ اُتر گیا۔ سب ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔

"اب دے بھی دو، سب کو بھوک لگی ہے۔ ذائقہ اچھا ہو تو صورت بگڑ بھی جائے تو چلتا ہے۔" نسیم بانو نے ماجرا سمجھتے ہوئے تسلی دی۔

"آج نا سبیل کو شوق چڑھا تھا بریانی بنانے کا۔ کبھی کھچڑی نہیں بنائی اور اب بریانی کی شکل کھچڑی کر دی ہے۔" یہ صفا کی اسے آئندہ کے لیے ایسے 'اہتماموں' سے باز رکھنے کی کوشش تھی۔

"کوئی بات نہیں، ہو جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے ہی سب سیکھتے ہیں۔" تمیز الدین نے کہا۔

وہ شرمندہ سی سب کے ساتھ بیٹھ گئی۔

جب کھانا شروع ہوا تو تمیز الدین اور نسیم بانو کے ساتھ ساتھ صفا نے بھی اعتراف کیا کہ بس چاول نرم ہو گئے تھے، ورنہ بریانی کا ذائقہ بڑا اچھا تھا۔

نزاکت اور آدم یوں کھا رہے تھے جیسے وہ نہ کچھ سن رہے تھے نہ دیکھ رہے تھے۔ کھانے کے بعد سب کمروں میں چلے گئے کہ سونے کی جلدی تھی۔

صفا کی طرح اسے بھی نماز پڑھتے ہی سو جانا چاہیے تھا لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

"خبردار!" اس نے ڈائری اٹھائی اور صفا نے کہا۔

"لائٹ آف کرو اور سو جاؤ۔ ایک تو پڑھا پڑھا کے تھکا دیا ہے اب کیا سونے بھی نہیں دو گی؟"

"اتنی مظلوم تم!" سبیل نے ڈائری واپس رکھ دی۔

"بریانی پکا کے تم نہیں تھکیں؟" اس نے تکیہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ بھی پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"واہ!" صفا نے ہاتھ اٹھا کے ہتھیلی گھما کے 'واہ' کا اشارہ بھی کیا۔

"سیکھ ہی لو اب تم دادی سے پکانا، کچن پھر تمہارا ہوا۔" وہ لیٹ گئی۔

"دل سے اہتمام تھا یہ اس لیے ورنہ میں ابھی بے ہوش سو رہی ہوتی۔" اس نے اٹھ کے بتی بند کی اور اپنی جگہ لیٹ گئی۔

"ویسے تمہیں کیا لگتا ہے، دادی سچ کہہ رہی تھیں کہ سب ٹھیک ہے؟"

"پتا نہیں۔ کل ہم ان کی فائل دیکھیں گے تب پتا چلے گا۔" جیسے وہ تو ماہر تھیں اس میدان کی کہ فائل سے سب جان جاتیں۔

"ہمم۔"

کچھ دیر بعد ہی صفا سو گئی۔ کروٹیں بدلنے کے بجائے وہ ڈائری اور قلم لے کر کھڑکی میں آ بیٹھی۔ جانے کتنی دیر بعد جب لکھتے ہوئے جمائیاں آنے لگیں تب وہ ڈائری رکھ کے سو گئی۔

☆☆☆

اس نے صبح، صفا سے چہل قدمی کے لیے نیچے جانے کا کہا تو وہ ہاتھ ہلا کے پھر سے بستر میں گھس گئی۔ اس نے دریچے سے جھانکا اور بند دروازہ دیکھ کر جانے کیوں اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی آج اپنی صبح کی سیر ملتوی کر کے سوئے گا۔

وہ اپنی ڈائری لیے نیچے آئی اور پورچ کی دیوار پر بیٹھنے کے بجائے عقب میں چلی آئی۔ حوض کے اطراف کی جگہ مکمل طور پر جھاڑیوں اور پودوں سے صاف ہو چکی تھی۔

رات جو شما کا سفر اس نے ادھورا چھوڑ دیا تھا، وہ اسے آگے لکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد ڈائری بند کر دی۔ جھاڑیاں صاف ہونے کے بعد پچھلی دیوار زیادہ واضح تھی۔ یونہی اس کا دل کیا کہ وہاں سے پیچھے جھانک کر دیکھے۔

وہ اٹھ کے دیوار کے پاس آئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح دیوار کے دوسری جانب دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ دیوار کے ساتھ چلتے ہوئے اس میں کوئی نکلا، ٹوٹا پتھر یا پیر رکھنے کی جگہ تلاش کر رہی تھی۔

"اگر کرسی ہو تو اس پر چڑھ کے، اچک کے دیکھوں تو شاید۔" اس نے سر اونچا کر کے دیوار کی اونچائی دیکھی۔

Scanned with CamScanner

"نہیں۔ پھر بھی دوسری طرف نہیں دیکھ سکتی۔"

اسے مایوسی ہوئی۔ یکا یک نظر دیوار میں بنے بڑے سے سوراخ پر پڑی۔

"اس میں ایک پیر رکھ کے۔ دوسرا پیر یہاں لگاؤں تو۔ شاید۔" اوپر دیکھتے ہوئے وہ سوراخ کے پاس آئی جو قدرے اونچائی پر تھا۔

"لیکن اگر اس سوراخ میں۔" اس نے قریب جا کر ڈرتے ہوئے اندر دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے صفا کی خطرناک مخلوق والی بات یاد آ گئی تھی۔

"آپ کو یہاں کچھ چھپانا ہے؟" پیچھے سے آدم کی دھیمی آواز آئی اور وہ خجل ہوئی کہ وہ جانے کب سے اسے دیکھ رہا ہوگا۔

"نہیں۔" وہ شرمندہ سی پلٹی۔

"پھر؟"

ادھر ادھر کی ہانکنے کے بجائے اس سے سچ کہنا زیادہ ٹھیک لگا۔

"میں دیوار کے اس طرف دیکھنا چاہ رہی تھی۔"

آدم کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

"آپ کو بلا سوچے سمجھے، جو دل چاہے، کر گزرنے کا شوق ہے۔" آدم اس کے پچھلے کارنامے کا گواہ جو تھا۔

"اور اس میں کیا سوچنا!" اس نے ذرا سا مڑ کے دیوار کو دیکھا۔

"دیوار کے اس طرف گہرائی میں جنگل اور اس سے بہت دور بستی ہے۔" آدم نے اس کے تجسس کا جواب دیا۔

"امید ہے اب آپ دیوار پر چڑھ کے اس طرف دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیں گی۔" وہ دونوں ہی بہت دھیمی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ وہ خجل ہو کے سر جھکا گئی۔ ممکن تھا وہ وہاں سے چلی جاتی کہ دفعتاً یاد آ گیا۔

"آپ نے دادی کے ڈاکٹر سے بات کی تھی؟" اس نے سر اٹھا کے آدم کو دیکھا۔

آدم کا دل کیا پوچھے، کیا آپ نے فون کا انتظار کیا تھا اسے مسلسل خیال تھا کہ وہ منتظر ہوگی تاہم وہ صدیقی والے فون سے اسے کال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"انھیں کچھ ایشوز ہیں۔ میڈیسن کے ساتھ ساتھ کسی پروسیجر کی بھی ضرورت ہے۔" وہ فکر مند نہ ہو، اس لیے وہ جھوٹ نہیں کہہ سکتا تھا۔ آخر اس نے اس پر اعتبار کر کے ایک ذمہ داری سونپی تھی۔

"اور انہوں نے مجھ سے کہا سب ٹھیک ہے۔"

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ کچھ خفا اور پریشان سی وہ انگلیاں مروڑنے لگی تھی۔

"سب ٹھیک بھی ہے۔" آدم نے کہا اور سنبل کی نظریں شاکی ہو گئیں گویا وہ بھی نسیم بانو کی طرح اسے بہلا رہا تھا۔

"وہ برابر میڈیسنز لیتی رہیں، اسٹریس نہ لیا، بی پی کنٹرول میں رہا تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔" اس نے وضاحت دی۔

"لیکن آئندہ معمولی تکلیف پر بھی شاید پروسیجر کرنا پڑے گا۔"

"ہاں تو انتظار کس لیے؟ یہ ابھی ہو جانا چاہیے۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ ابھی جا کر نسیم بانو کو ہاتھ پکڑ کے جیپ میں بٹھا کے اسپتال کے لیے نکل جاتی۔

"آپ کی فکر اور جلد بازی ٹھیک سہی لیکن آپ اپنی دادی کا بھی سوچیں۔" سنبل نے الجھ کے اسے دیکھا۔ وہ دادی کا سوچ کر ہی تو یہ کہہ رہی تھی۔

"میرا مطلب ہے، وہ اتنے کم وقفے میں دو دفعہ ہاسپٹل گئی ہیں۔ یہاں سے ہاسپٹل اور پھر وہاں سے واپسی کا سفر ان کے لیے آسان نہیں ہوتا ہے۔ اس عمر میں کچھ لوگ ہاسپٹل کے ماحول میں اچھے ہونے کے بجائے مزید گھبرا جاتے ہیں۔ اگر انھیں آج کل میں پھر ہاسپٹل بھیجا تو وہ واپس آ کر صحت یاب ہونے کے بجائے مریض زیادہ محسوس ہوں گی۔ بہتر ہوگا آپ فوراً انھیں پھر ڈاکٹر کے پاس لے

Scanned with CamScanner

جانے کی ضد نہ کریں بلکہ ان کا خیال رکھیں، دیکھیں کہ ان کی دوائیاں مس نہ ہوں، انھیں خوش رکھیں، ساتھ ساتھ انھیں آہستہ آہستہ تیار بھی کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں پھر ہاسپٹل تک ڈرائیو نہیں کرنا چاہتا۔" آخری جملے پر وہ مسکرایا تھا۔ اس نے پہلی بار اتنی لمبی بات کی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ پرسوچ سی اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میں دادی سے فی الحال کچھ نہیں کہوں گی۔" اس کے اچھے بچوں کی طرح مان جانے پر وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

دفعتاً اسے دور سے صفا کی آواز سنائی دی۔

"تھینک یو۔" سبیل نے کہا۔

"تھینک یو۔" آدم نے جواباً وہی کہا۔ وہ نا سمجھی سے بغور اسے دیکھنے لگی کہ وہ کیوں اس کا شکریہ دہرا رہا ہے۔

"کل کی بریانی کے لیے!"

سبیل کی ایک دوسرے میں الجھی انگلیاں ایک دم رک گئیں۔ اسے لگا وہ اسے دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے اندر جھانک رہا ہے۔ یہ تو اس نے واضح لفظوں میں خود سے بھی اقرار نہیں کیا تھا کہ 'اہتمام' کی خواہش کس کے لیے جاگی تھی۔ وہ خود سے ہی جان کر انجان بننے کی کوشش میں لگی تھی اور یہاں وہ نہ صرف جانتا تھا بلکہ اسے جتا بھی رہا تھا۔ وہ گلابی ہو گئی تھی۔

ایک بار پھر صفا کی ہلکی سی آواز آئی۔

"میں بنا انعام کے بھی آپ کا کام کر سکتا ہوں۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"صفا مجھے ڈھونڈ رہی ہے۔" اس نے عمارت کی طرف اشارہ کیا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

آدم مڑ کے اسے نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتا رہا۔ اس نے کمرے سے اسے ادھر آتے دیکھا تھا۔ کچھ دیر بعد جب وہ جاگنگ کے لیے نکلا تو سوچا ایک بار قسمت آزما لے کہ وہ اب بھی ادھر ہی ہے یا نہیں۔

وہ گیٹ کی جانب چلا ہی تھا کہ حوض کی دیوار پر رکھی ڈائری پر نظر پڑ گئی۔ ڈائری اٹھانے کے بجائے وہ دیوار پر بیٹھ گیا۔

اسے شما کے کئی کارنامے پڑھنے تھے۔ صفحے پلٹتے ہوئے وہ آغاز کے کچھ صفحات کے بعد رک گیا۔

"فُما کو پہلی بار اپنا آپ اس قدر سوفٹ سوفٹ لگ رہا تھا۔ اپنے بدن کی سفیدی اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی مگر سامنے آنکھیں بند کیے لیٹی اپنی ماں کو دیکھ کر اسے احساس تھا وہ بھی دیکھنے والوں کو یونہی روئی کے گالے کی طرح سفید اور نرم محسوس ہو رہی ہوگی۔ ماں کو دیکھتے ہی اس کا دل مچلا تڑپا تھا۔ اس نے دل میں پکارا۔

"ماں!" اور دنیا نے ایک ننھے بلی کے بچے کی میاؤں سنی۔ زبان اور کانوں کو یہ نیا ذائقہ بڑا بھلا لگا تھا۔

وہ اچھل کے اس کی اگلی ٹانگوں کے قریب آئی۔ ماں نے آنکھیں کھولے بغیر ہی اسے دونوں پیروں کے بیچ دبوچ لیا۔ اسے ایسی گرم سی محبت پہلی بار محسوس ہوئی جو ماں کے لمس میں ہوتی ہے۔ اس نے اپنی دونوں اگلی ٹانگوں میں ماں کا بایاں پیر سمیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ یہ وہ نرم سی، چھوٹی سی مگر اس کے لیے ایسی وسیع پناہ گاہ تھی جہاں کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا تھا، وہ خود کو محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ مگر ماں کو اپنی نیند میں یہ مداخلت پسند نہیں آئی۔ اس نے اپنی ٹانگوں سے فُما کو خود سے دور کیا مگر وہ پھر ماں کے اندر دبک گئی۔ ماں نے آنکھیں کھول دیں کہ اب فُما جیسی اولاد نے اسے آرام نہیں کرنے دینا تھا۔

بڑے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے ماں نے اپنا سر فُما کے سر پر ٹکا دیا۔ فُما کچھ دیر اترائی لیکن جلد ہی اسے یہ بھاری سا وزن اچھا نہیں لگا اور اس نے زور زور سے گردن ہلائی۔ ماں سے اس کی شرارتیں مزید برداشت نہیں ہونا تھی لہٰذا اس نے فُما کو منہ میں دبایا اور دور لے کر دوڑ گئی۔ سامنے کیاری میں فُما کو نرمی

Scanned with CamScanner

سے چھوڑا اور پلٹ کر اپنی جگہ جا کے بیٹھ گئی۔ ظُما نے ماں کو واپس وہیں آرام سے دراز ہوتے دیکھا اور پھر اپنے پنجوں سے نرم سی مٹی اچھالنے لگی۔

اسے اس وقت دنیا کی کوئی فکر تھی نہ کسی کا ڈر تھا کہ ماں سامنے تھی۔ ظُما کو علم تھا، وہ بھلے آنکھیں بند کیے اونگھ رہی ہے مگر اسے کسی مشکل یا مصیبت میں پڑنے نہیں دے گی۔ کچھ دیر نرم مٹی میں اپنا سفید بدن رولنے کے بعد اسے پھر ماں کی آغوش کی طلب ہوئی اور وہ پھر بھاگ کے ماں کے پاس پہنچ گئی۔

اس کا دل محبت اور ایک بڑی آرام دہ، سکون آور گرم جوشی سے بھرا تھا۔ جس کی اسے آج سے پہلے حسرت ہی رہی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کی رات کو آنکھ کھلے تو ایک ممتا بھری آغوش کی تمنا ان میں آنسو بھر دے، وہ کبھی اداس ہو کے دعا کرے تو پل بھر کے لیے ماں کی بانہوں میں سمانے کے لیے عجیب عجیب سے وعدے کرے اور۔"

آدم کے حلق میں پھندا سا بن گیا تھا۔ اس نے ڈائری بند کر کے گہری سانسیں کھینچیں۔

جانے کتنے دنوں بعد وہ ایسا جذباتی ہوا تھا۔ ماں تو اس نے بھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ حسرتیں تو اس کے اندر بھی تھیں۔

کچھ دیر بعد یاد آنے پر سنبل دوڑتی آئی تھی مگر تب وہاں نہ آدم تھا نہ ڈائری۔

"اُف!" اس نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔

اس کا کمرہ باہر سے بند تھا جس کا مطلب تھا وہ جاگنگ کے لیے ہے۔

"ڈائری تو ساتھ لے کر نہیں گئے ہوں گے۔" وہ رک کے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

"میں اندر جا کر ڈائری لے لوں؟ لیکن اس طرح بنا اجازت، چھپ کے اندر جانا۔؟ کسی نے مجھے اندر جاتے یا باہر آتے دیکھ لیا تو۔؟" اس نے بند دروازے کو دیکھا پھر گیٹ کی جانب اور پھر پورچ کی طرف۔ کچھ دیر کشمکش دیکھ میں گزار کے وہ آخر اندر چلی گئی۔

دادی کو مکمل آرام دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے تینوں وقت باورچی خانہ دونوں نے سنبھال تھا۔ لہٰذا صفا کی 'ماتحت' بنے اس کے احکام بجالاتے ہوئے وہ دعا کر رہی تھی کہ آدم ناشتے کے لیے آتے ہوئے ڈائری ساتھ نہ لے آئے ورنہ صفا کو ٹالنا سمجھانا مشکل ہوگا۔

اور اس کی دعائیں قبول ہوئیں۔ آدم خالی ہاتھ آیا تھا۔ سب کی موجودگی میں وہ خود اتنی محتاط ہوتی تھی کہ اس نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ آدم نزاکت کی موجودگی میں غلطی سے بھی اس کی سمت دیکھتا نہیں تھا۔ اب جب وہ ڈائری کے بغیر موجود تھا تو اگلی فکر دامن گیر ہوئی کہ وہ کب اس سے مانگے؟ کب موقع ملے گا اور تب تک وہ کیا کچھ پڑھ لے گا۔

ان سب کے جانے کے بعد وہ دادی کے ساتھ ان کے کمرے تک گئی۔ انھیں اپنے ہاتھوں سے دوائیاں دیں۔

"آپ کچھ دیر باہر بیٹھیں گی؟" اس نے پانی کا گلاس واپس لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں چلو۔ نزاکت سے کہو، وہ پلنگ کھول دے گا" وہ تیار ہو گئیں۔ وہ ان کے ساتھ باہر آئی۔ نزاکت بھی ادھر ہی تھا۔

"دادی کے لیے پلنگ بچھا دیں۔" اس نے تیز قدموں سے نزاکت کے پاس جا کے کہا جو احاطے میں جھاڑو لگاتے ہوئے اب گیٹ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے جھاڑو وہیں چھوڑی اور پلنگ کی جانب چل دیا۔

"آپ لیٹ جائیں۔ تکیہ لا دوں؟"

"نہیں، میں کچھ دیر ٹہلوں گی۔ تھک گئی تو بیٹھ جاؤں گی۔ تم ناشتہ کر و جاؤ۔" انہوں نے اسے جانے کو کہا۔ اندر جاتے ہوئے اس نے کھلے دروازے کو دیکھا جہاں سے آدم باہر آ رہا تھا۔ چند سیکنڈ کے فاصلے پر دونوں نے دنیا سے نظر بچا کے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

ناشتہ کرتے ہوئے وہ صفا کی کلاس لے رہی تھی۔

"تم انگلیوں پر گن لو دن اور پھر کتنا پڑھنا باقی ہے تمہارا وہ میں بتاتی ہوں۔" وہ اسے بھی بتانا چاہتی تھی جو آدم نے کہا تھا لیکن پھر اسے اگلا پچھلا سب بتانا پڑتا جو وہ نہیں بتا سکتی تھی۔ یہ بھی پہلی کشمکش تھی کہ صفا سے چھپانا بھی تھا اور رازداری کا بوجھ بھی دل پر تھا۔

جب صفا کے ساتھ نسیم بانو سے پوچھنے آئی کہ دوپہر کے لیے کیا پکائے تب انہوں نے بتایا کہ آدم اور تمیز الدین باہر گئے ہیں جو بتانا ہو، ان کو فون کر کے لانے کا کہہ دو۔ صفا فون لینے اوپر گئی اور وہ وہیں بیٹھ گئی۔

"لیکن شاید انہیں دیر ہو جائے۔" انہیں یاد آیا۔

"وہ شاید شہر کے بازار جانے کی بات کر رہے تھے۔ دال چاول بنالو، صفا سے کہنا۔"

"جی۔ لیکن شہر کیوں؟" روز کے سودا سلف کے لیے وہ نیچے کے قصبے تک ہی جاتے تھے۔

"پیچھے کے لیے کچھ سامان لینا ہے کہہ رہے تھے۔ کار سے گئے ہیں، نزاکت بھی ساتھ ہے دونوں کے۔" اس نے تب غور کیا کار نہیں تھی، جیپ اپنی جگہ کھڑی تھی۔

اس نے اندر جا کر صفا کو اطلاع دی۔

"رات کے اور کل کے لیے تو کہہ دیتی ہوں [illegible] تمیز الدین کو کہ جو کھانا ہو وہ لے آ[illegible]یں۔" [illegible] فون لگاتے ہوئے کہا۔

کام سے فراغت پاتے ہی وہ اسے لے کر پڑھنے بیٹھ گئی۔ صفا آنکھیں بند کیے، ذرا دیر پہلے یاد کیا ٹوٹا پھوٹا جواب سنا رہی تھی اور وہ اسے سنتے ہوئے یکایک اس کی ذہنی رو بھٹک کے حال سے کٹ گئی۔ جواب ختم کر کے صفا کچھ دیر آنکھیں بند کیے اس کی تنقید کی منتظر رہی لیکن جب کوئی آواز نہیں آئی تو پہلے دائیں آنکھ کھول کے دیکھا کہ کہیں وہ غصے میں لال پیلی تو نہیں ہو رہی ہے، مگر اسے سامنے دیوار کو ٹکٹکی باندھے دیکھ کر اس نے جھٹ دوسری آنکھ بھی کھول دی۔

"اتنا پرفیکٹ سنایا کہ تم خوشی سے پتھر ہو گئیں؟" صفا نے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"اونہوں۔" سبیل نے انکار میں ذرا سی گردن کو جنبش دی۔

"پھر؟"

"مجھے بہت دنوں سے اپنی پچونشنو، پر کوئی فلمی سین یاد نہیں آیا۔" اس نے صدمے کی وجہ بتائی۔

"وہی تو!" صفا نے پورے جوش سے سامنے رکھی کتاب بند کی۔

"اتنا تم نے امتحان کو سر پر سوار کر لیا ہے۔" اس نے بازو میں رکھا ریموٹ اٹھایا۔

"اپنی یادداشت کو زنگ لگے اس سے پہلے ریویجن کر لیتے ہیں۔" صفا نے ریموٹ کا بٹن دبایا اور ٹی وی اسکرین روشن ہو گئی۔ سبیل نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر ٹی وی بند کیا۔

"تمہارے حافظے کا زنگ دور کرنا زیادہ ضروری ہے۔" ریموٹ اپنے پیر کے نیچے دبا کر اس نے کتاب دوبارہ کھولی۔

"اور اب ہم فلمیں نہیں دیکھیں گے ورنہ یاد رکھو مجھے یہاں سے کیمپو میں جانے کا آئیڈیا 'تیمو' سے ملا تھا پھر کوئی انسپریشن مل گئی تو؟" صفا نے یوں منہ بنایا جیسے کڑوا بادام دانتوں تلے آ گیا ہو۔ ابھی تو اصل [illegible] کون سی فلم وجہ معلوم نہیں تھی کہ [illegible] شروع ہے جس نے اسے ان فلموں سے دور کر دیا ہے ورنہ وہاں ایکشن فلم کا کوئی منظر دکھائی دینے لگتا تھا۔

"واپس سناؤ یہی جواب۔" سبیل نے سخت مزاج استانی کی طرح کہا۔

"آدھے سے زیادہ پوائنٹس تو کھا گئیں تم۔"

وہ تینوں بہت دیر سے لوٹتے تھے۔ گاڑی کی

آواز پر سبیل اور صفا دونوں نیچے دیکھنے کے لیے دریچے کے پاس آ گئیں۔

''اوہ تو میرے مشورے پر کام ہو رہا ہے۔'' نزاکت کو پچھلے حصے سے پودے باہر نکال کر رکھتے دیکھ کر صفا نے مسرت سے کہا۔

''یعنی جو نکال پھینکا پھر وہ ہی لگانے کا مشورہ؟'' اس کے تصور میں پھر ایک مشقت تھی۔

''وہ جنگلی خودرو جھاڑیاں تھیں، ایسے پیارے پیارے خوب صورت پودے نہیں۔'' صفا نے جتایا۔

''چلو اب کچن میں۔'' اس نے سبیل کا ہاتھ کھینچا۔

کھانے کے دوران بھی اس کے ذہن پر ڈائری سوار تھی، جس کے واپس مانگنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

''اللہ کرے صفا کچھ دیر سو جائے۔'' دوپہر میں سب قیلولہ فرماتے تب ہی وہ جا کر اس سے مانگ سکتی تھی۔

کھانے کے بعد نسیم بانو کو دوا دے کر وہ باورچی خانے میں جاتے ہوئے رک گئی۔

''اگر میں ابھی جا کے لے لوں؟'' وہ نسیم بانو کی خواب گاہ اور باورچی خانے کے درمیان تھی۔

''سبیل آ بھی جاؤ۔'' اندر سے صفا اسے پکارتی باہر آ رہی تھی۔

''اتنی بھوک لگ گئی تمہیں؟'' اس نے دروازے میں ہی اسے روک لیا۔

صفا کو نہ سونا تھا نہ وہ سوئی۔ سارا [illegible] شام آئی تو اب وہ سب باہر اکٹھا چائے پینے لگے تھے جب آدم بھی اپنا کام سمیٹ لیتا تھا۔ نسیم بانو اور تمیز الدین اس کی کام سے کام رکھنے کی عادت، کام کی لگن، ذمہ داری اور اخلاق سے متاثر تھے۔ سب کے درمیان بات کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

عدن اور میر عثمان واپس کوٹھی خیاباں پہنچے۔ اس وقت رات ہو چکی تھی۔ بیگم عنایت جہاں نے کئی بار ثروت خاتون سے دریافت کیا تھا کہ وہ آئے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے اپنی منزل تک پہنچنے کا راستہ بدل لیا تھا، پھر بھی نا چاہتے ہوئے بھی انہیں ان دونوں کا ایک ساتھ خوش ہونا بے چین کر رہا تھا۔ انہوں نے شام کی چائے اس امید پر باغ میں پی تھی کہ وہ دونوں اس وقت آ جائیں تو انہیں بھی وہاں روک کر گہرائی سے ان کی 'کیمسٹری' کا جائزہ لیں گی تاہم وہ نہیں آئے تھے۔ انہیں اپنے بھائی سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اپنے ماضی کی تلخ یادوں سے پیچھا چھڑا لیں گے۔

کھانے کی میز پر، وہ ان دونوں سے پہلے موجود تھیں۔ پہلی بار زینے اتر کر نیچے آتے ہوئے یا طعام خانے کے باہر سے ہی انہیں عدن کی ہنسی سنائی دی تھی، ورنہ وہ دونوں بات بھی کرتے تو آوازیں اتنی ہی بلند ہوتی تھیں کہ دونوں سن لیں بس۔

انہیں دیکھتے ہی میر عثمان نے ادب سے سلام کیا اور عدن نے بھی تقلید کی۔

''لگتا ہے، بہت اچھا دن گزار کر لوٹے ہیں آپ دونوں۔'' سلام کا جواب دے کر انہوں نے پیار سے دونوں کو دیکھا۔ میر عثمان نے خفیف سا مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''جی نواب بیگم۔'' جواب عدن نے دیا۔

''ماشاء اللہ۔ یونہی خوش رہیں۔'' انہوں نے ثروت خاتون کو 'سروس' شروع کرنے کا اشارہ دیا۔

''ہم بہت خوش ہیں کہ ہمارا انتخاب اور فیصلہ بالکل درست تھا۔ کیوں عثمان؟''

''جی آپا بیگم۔'' میر عثمان نے ایک نظر عدن کے سپرد کرنے کے بعد انہیں دیکھا۔

اس سعادت مندی اور عاجزی کے پیچھے میر عثمان کے دل میں کیا چل رہا ہے، انہیں اس کی تلاش تھی۔

عدن اپنی مسرت اور ایک خوب صورت دن

نے چہرے اور آواز کو جو چمک اور کھنک بخشی تھی، چھپانے میں ناکام تھیں تاہم میر عثمان نے آج جو قدم واقعی عدن کی سمت اٹھائے تھے، اسے خود تک رکھنے میں کامیاب تھے۔

☆☆☆

رات میں وہ پھر سب کے سونے کا انتظار کر رہی تھی۔ سب سے آخر میں ویسے بھی وہ دونوں سوتی تھیں۔ صفا نے جب جمائیوں کے بیچ کتابیں بند کر کے سونے کا اعلان کرتے ہوئے بتی بجھائی تو وہ بھی اس کے بازو میں لیٹ کر سوتی بن گئی تھی۔

جب یقین ہو گیا کہ وہ سو گئی ہے تو وہ دبے قدموں کمرے سے نکل کر نیچے آئی اور دروازہ کھول کے پورچ کی دیوار پر بیٹھ گئی۔ وہ اتنا ہی کر سکتی تھی۔ اس کے آگے دروازے تک جانے کی نہ ہمت ہو رہی تھی نہ دل مان رہا تھا۔

''اللہ کرے وہ باہر آ ئیں۔'' دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

''کیا پتا وہ اندر ڈائری ہی پڑھ رہے ہوں۔'' نئے امکان نے اسے بے اختیار کھڑا کر دیا۔

''کیا کروں؟'' کھڑکی سے ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی جس سے اسے امید بندھی تھی کہ وہ سویا نہیں ہوگا۔

''کھڑکی سے ہی بات کرلوں۔؟ نہیں۔ دروازے پر دستک دے آؤں۔؟'' وہ ٹہلنے لگی تھی۔

''میں نے ان کا فون نمبر کیوں نہیں لیا؟ میسج بھیج کر آرام سے کام ہو سکتا تھا۔'' وہ دیوار پر بیٹھ گئی۔

وہ آدم کے دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی ایسے ہی الٹی سیدھی باتیں سوچتی اور رد کرتی جا رہی تھی۔ آدم دروازہ کھول کے باہر نکلا اور پہلے اس نے اوپر دریچے کو دیکھا پھر اس کی نظر پورچ پر پڑی تھی جہاں وہ اس کے اچانک نظر آنے پر دم سادھے کھڑی ... ایسے ... کچھ پل اسے دیکھنے کے بعد وہ ...

اندر چلا گیا۔ دروازہ کھلا ہی تھا۔

''کیا میں جاؤں وہاں تک؟'' وہ کھڑی ہوئی مگر آگے بڑھی نہیں۔ وہ کوئی فیصلہ کرتی اس سے پہلے آدم کمرے سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ڈائری تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ اس کی سمت بڑھا۔

اس کے ذہن میں ثمامہ کے کارنامے کسی فلم کی طرح چلنے لگے۔

''پتا نہیں کیا کیا پڑھ لیا!'' کچھ کارنامے اس کا دل دھڑکا رہے تھے کہ اس کے بعد آدم سے نظر ملانا بڑا مشکل امر تھا۔

''آپ شاید صبح سے اس کے لیے پریشان ہیں۔'' آدم نے ڈائری والا ہاتھ اوپر کیا۔

سبیل نے کچھ بولے بنا ڈائری تھام لی۔ آدم نے فوراً اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں پڑھا سوائے۔'' اس نے ہاتھ ہٹا لیا مگر اب وہ اپنا ہاتھ نیچے کرنے کے بجائے اس کے رک جانے پر بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔

''جب آپ کی ثمامہ ایک کٹن تھی۔'' سبیل کی کیفیت ایک دم بدل گئی اور وہ ڈائری لے کر پیچھے دیوار پر بیٹھ گئی۔

وہ سامنے والی دیوار پر بیٹھ گیا۔ ڈائری سبیل کی گود میں تھی، جسے اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا مانو وہ اتنی دور سے بھی بند ڈائری پڑھ نہ لے۔ آدم کے لیے پہلا موقع تھا کہ وہ اسے کچھ بولنے سے پہلے جھجک رہا تھا۔ اس نے یونہی گلا صاف کیا۔

''پہلی بار میں نے سوچا کاش کچھ دیر کے لیے میں ثمامہ کی جگہ لے سکتا!'' رات کی خاموشی میں اس کی دھیمی آواز اور اس سے چھلکتی حسرت، سبیل کے دل میں مانوس سی لہر اٹھی۔ اس کے لب ایک دوسرے سے دور ہوئے لیکن کوئی لفظ زبان سے ادا نہ ہو سکا۔

Scanned with CamScanner

"آپ نے کب۔" ہمیشہ اس سے بات کرتے ہوئے جو جھجک سبیل کے انداز میں ہوتی تھی، آج اس طرف تھی۔

وہ جملہ مکمل نہیں کر سکا مگر سبیل جانتی تھی وہ کیا پوچھ رہا ہے۔

"میں نے اپنے پیرنٹس کو نہیں دیکھا۔ میں چند مہینے کی تھی تب ایک ایکسیڈنٹ میں ان کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔" وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو اب ڈائری پر اس طرح دھرے تھے کہ اسے چھپا نہیں پا رہے تھے۔ اس کا دل کہہ رہا تھا اسے بتائے کہ سال کا وہ بد نصیب دن کل پھر آئے گا لیکن کہہ نہیں سکی۔

"مجھے اپنے آس پاس کے لوگوں سے بھرپور توجہ اور پیار ملا ہے لیکن ان کی کمی میری زندگی کی وہ حسرت ہے، جو میں اپنے پیاروں سے کہہ بھی نہیں سکتی۔"

"میری پیدائش کے وقت میری ماں فوت ہوگئی تھیں۔ میں اپنی نانی کے ساتھ رہتا تھا۔ جب میں چھ سال کا تھا تو ابا کا انتقال ہوگیا اور پھر اسی سال نانی کا بھی۔" اسے یاد نہیں تھا کب اس نے ایک سانس میں یوں اپنے حالات بیان کیے تھے۔

"پھر آپ کس کے ساتھ تھے؟" اسے آدم خود سے بڑا قریب محسوس ہوا۔

"یتیم خانے میں۔" آدم کے جواب میں طنز، شرمندگی، دکھ یا افسوس نہیں تھا۔ یہ اس نے ایسے ہی کہا جیسے 'ددھیال میں، ننھیال میں یا چاچا ماموں کے ساتھ' کہتا۔

"آپ ہمیشہ سے یہیں 'اوک ہاؤس' میں ہیں؟" آدم نے پوچھا۔

"جی۔ دادی، میں، نزاکت اور تمیز چاچا تھے پھر صفا بھی آگئی۔ تب سے ہم سب ساتھ ہیں۔" اسے اس وقت ایک دم یاد آگیا۔

"آپ کہاں جا رہے تھے۔ میرا مطلب ہے جب میں آپ کی جیپ کے سامنے آگئی تھی اس وقت۔" اب اس کے اندر آدم کے متعلق جاننے کا شوق اور تجسس تھا۔

آدم اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ وہ اس سے جھوٹ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اتنے کم وقت میں یہ تبدیلی اس نے بھی نہیں سوچی تھی کہ یہاں اس کا دل کسی سے، دروغ گوئی کے لیے آمادہ نہیں ہوگا مگر ابھی سارا سچ کہنے کا بھی وقت نہیں تھا۔

"آپ نہیں بتانا چاہتے تو بھی ٹھیک ہے۔" اس کی خاموشی کا مطلب سمجھتے ہوئے سبیل نے کہا۔

"میں کہیں نہیں جا رہا تھا۔" آدم کی پراسرار آواز ابھری۔

"شاید قسمت کو مجھے 'اوک ہاؤس' پہنچانا تھا، اس لیے میں اس وقت وہاں تھا جہاں آپ تھیں۔" سبیل کا دل پھر ڈولنے لگا۔ اب اسے یہاں سے جانا چاہیے تھا۔ مزید باتیں چلیں تو جانے وہ کیا کہہ بیٹھے یا ممکن تھا بنا الفاظ کے یہ سارے راز کھل جائیں۔ وہ کھڑی ہوگئی۔ آدم بھی اٹھ گیا۔

"گڈ نائٹ۔" آدم نے کہا اور وہ کچھ بولے بغیر اندر جانے لگی تھی یکا یک یاد آیا۔

"تو پھر وہ۔" ابھی ہی وہ رک گئی۔

"وہ جو بیمار ہیں، جنہیں آپ بابا کہتے ہیں وہ کون ہیں؟"

"وہ میرے لیے سب کچھ ہیں مگر میرا ان سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔" آدم نے خود کو اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا جتنا اس وقت کہ وہ اس سے کوئی جھوٹ کہنے جا رہا تھا مگر زبان سے سچ نکلا تھا۔

سبیل سر ہلا کر اندر چلی گئی۔ آدم وہیں بیٹھا رہا۔

"کاش بابا آپ نے مجھے کچھ تو تفصیل بتائی ہوتی کاش میں ہی پوچھ لیتا!!"

وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بابا کا مقصد کیا

تھا۔ ان کا ہدف عنایت جہاں کی کمزوری تھا یا ان کی کمزوری یہاں موجود تھی۔ ان کا تعلق عنایت جہاں سے تھا یا اوک ہاؤس کے مکینوں سے، اور سب سے اہم تمبیل ان کے لیے کیا تھی، کون تھی۔ سارے جواب اسے بابا سے ہی ملنا تھے۔ ان میں سے کسی کو ان سے سوال کی عادت نہیں تھی، وہ بلا چوں چرا ان کی بات پر عمل کرتے تھے اور پہلی بار وہ اس عادت پر پچھتا رہا تھا۔

تمبیل بستر پر لیٹی تو ذہن آدم کی باتیں سوچ رہی تھی۔

"ہم میں کتنی یکسانیت ہے۔ ویسے مجھ سے زیادہ اکیلے وہ ہوں گے کہ یتیم خانے میں تھے۔" سوچتے ہوئے اس نے کروٹ لی اور آنکھیں صفا کے چہرے میں الجھ گئیں۔ دفعتاً اسے جو آدم سے انسیت اور اپنائیت محسوس ہو رہی تھی وہ احساس جرم میں ڈھل گئی۔

"صفا کی بھی تو امی نہیں تھیں۔ کچھ دنوں کی جان پہچان میں، ان کے ساتھ شیئر کر کے میں خوش کیوں ہو رہی ہوں؟" اس کے اندر اچانک ہی ایک سی کمی، تشنگی کی وجہ سے آدم سے قربت کا جو احساس تھا وہ صفا سے دھوکا اور غداری لگنے لگا۔

"مجھے یہ سب صفا کو بتا دینا چاہیے۔ لیکن اسے تو آدم پسند ہی نہیں ہے۔" ساری عمر سب کچھ اس کے ساتھ سانجھا کرنے کی عادت تھی جو اس وقت راز داری کو بھاری بوجھ بنا رہی تھی۔

"سوری صفا!" اس نے نیند میں ڈوبی صفا کے گال پر دھیرے سے ہاتھ رکھا۔

"جس دن تمھاری ناپسندیدگی ختم ہو گی اسی دن بتا دوں گی۔"

☆☆☆

عنایت جہاں کے مقابل انتخاب لڑ رہے نمائندے کی کار سڑک پر حادثے کا شکار ہو گئی تھی اور چند گھنٹوں میں ہی اس کی موت نے سارا سیاسی منظر نامہ بدل ڈالا۔ الزامات اور سازشوں کی سرگوشیوں کے درمیان الیکشن کمیشن نے اپنے خاص اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اس حلقے کے انتخاب غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیے۔ ان کی انتخابی مہم بڑی کامیاب تھی۔ اعداد و شمار کے مطابق فوری ووٹنگ انھیں با آسانی فاتح بنا سکتی تھی لیکن آنے والے چند دنوں میں زمینی سطح پر حالات کون سی کروٹ لیتے، کہا نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا عنایت جہاں خوش نہیں تھیں۔

"ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھیں گے۔" اپنے کارکنان کے لیے ایک حوصلہ بخش اور جوش سے بھری تقریر کر کے اندر آنے کے بعد انھوں نے صدیقی سے کہا۔

"ہمیں جو وقت ملا ہے اس میں ہم اوک ہاؤس اور عدن کا قصہ ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک بار ہم دہلی میں مصروف ہو جائیں تو پھر ان باتوں کے لیے وقت نکالنا بھی مشکل ہو گا۔" انھیں اپنے دہلی پہنچنے کا ایسا ہی یقین تھا۔

"تمبیل کو نکاح کے بعد ابراڈ بھیج کر اوک ہاؤس بند کریں اور عدن۔" وہ رک گئیں۔ صدیقی منتظر تھا۔ ان کے پاس کئی طریقے تھے۔

"عدن کا رول یہیں تک تھا۔ اب ان کے منظر سے غائب ہونے کا وقت ہو گیا ہے۔"

☆☆☆

اسپتال کے اسی وارڈ میں مشینوں سے گھرے ساکت 'وسیم علوی' کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے دوسری جانب سے موصول ہوا پیغام پڑھا اور اس کی پیشانی پر سوچ لکیروں سے بھر گئی۔

"بابا کو کوئی ڈر تھا جو انھوں نے میرے علاوہ کسی سے کچھ شیئر نہیں کیا لیکن اب آگے میں کیا کروں، اس کے لیے بابا کا ہوش میں آنا ضروری ہے اور۔ آئی ڈاؤٹ کہ بابا کا ایکسیڈنٹ ایکسیڈنٹ ہی تھا۔"

آدم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسپتال پہنچ کے خود کسی طرح انھیں ہوش میں لے آتا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

Scanned with CamScanner

نعیمہ ناز سلطان

گنگا کنارے

تقسیم ہند سے پہلے کی کہانی ہے۔ جہاں دلی کی قدیم حویلی میں فتح محمد صاحب اپنی بیٹی ذہین آرا اور والدہ فضیلت بیگم کے ہمراہ رہتے ہیں وہ مسلم لیگ کے متحرک کارہنما ہیں ان کے ہمراہ ان کا بھانجا کبیر بھی ماں باپ کے مرنے کے بعد رہتا ہے۔ کبیر اور ذہین آرا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں فضیلت بیگم یہ بھانپ جاتی ہیں۔ کبیر کا باپ بدقماش آدمی تھا جس کی وجہ سے ان کی بیٹی جواں مرگی کا شکار ہوئی تھی فضیلت بیگم نہیں چاہتیں کہ کبیر اور ذہین آرا کی شادی ہو، وہ بیٹے سے ذہین آرا کا رشتہ کہیں اور کرنے کا کہتی ہیں فتح محمد کو کبیر پسند ہے۔ وہ اسے غازہ پور بھیج دیتے ہیں۔

آزاد اپنی ماں امیر بیگم اور چھوٹے بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔ بوا اسے آپا کے گھر لحاف اور سوغات دے کر بھیجتی ہیں۔ آزاد بھی تحریک پاکستان کے نعرے لگاتا ہے 'لے کے رہیں گے پاکستان بٹ کے رہے گا ہندوستان۔

فرخ پردیس سے آئے ہیں سعادت کے رشتہ دار ہیں جو لکھنؤ میں ان کا استقبال کرتے ہیں فرخ کا یہ سفر دراصل سلسلہ جینالی سے جڑا ہے۔

ذہین کبیر کی آمد کی دعائیں کرتی ہے۔ طلعت فتح ہاشمی سے کبیر اور ذہین کے رشتے کی بات کرتی ہیں لیکن ان کا جواب انہیں مایوس کر دیتا ہے۔ ذہین ٹوٹ جاتی ہے۔

چوتھی قسط

کبیر بے اختیار پیچھے مڑا۔ جان اچھل کر حلق میں آ گئی تھی۔ اس کی نگاہیں اپنے سامنے کھڑے رئیس الزماں بدایونی پر تھیں۔ کھچڑی داڑھی والے متوسط قدوقامت کے مالک الزماں کی آنکھوں میں محبت اور شفقت کے کوندے لپک رہے تھے۔ وہ مسلم لیگی رہنما تھے۔ فتح ہاشمی کے قریبی دوست اور ساتھی۔

کبیر نے ایک گہری سانس لی۔ گڑبڑا کر انہیں سلام کیا۔ جو گھبراہٹ میں بھول گیا تھا۔

"ارے میاں، تمہارے ماموں جان نے بتایا تھا کہ تم غازی آباد میں ہو۔ میری مصروفیات ایسی رہیں کہ ملاقات نہ ہو سکی۔" وہ اپنی نشست پر براجمان ہو گئے۔

"ہاشمی نے تار بھیج دیا تمہیں کہ اس بڈھے کو اپنی نگرانی میں لے آؤ؟" وہ باغ و بہار اور بذلہ سنج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی گفتگو میں بے تکلفی اور بے ساختگی کے ساتھ ساتھ سادگی بھی نمایاں تھی۔

"جج...... جی!" کبیر ابھی تک بوکھلایا ہوا کھڑا تھا۔

"بزرگوں کا ادب اچھی چیز ہے کبیر میاں! مگر اب بیٹھ جاؤ اور یہ بتاؤ۔ مجھے ڈھونڈا کیسے تم نے؟"

digest library.com

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

''قسمت......'' کبیر کے الفاظ بھی کہیں گم ہو گئے تھے۔ ریل اپنی پوری رفتار کے ساتھ پٹڑی پر بھاگ رہی تھی۔ بالکل جیسے کبیر کا دل۔

رئیس الزماں صاحب، سننے سے زیادہ بولنے میں دلچسپی اور کمال رکھتے تھے۔ اور ان کی یہ عادت اس وقت کبیر کے بہت کام آ رہی تھی۔

digest library.com

☆☆☆

شادی کے چہچہے اور ہنگامے عروج پر تھے۔ کوٹھی کے زنان خانے میں رنگین آنچلوں کی بہار تھی۔ لڑکیوں کی ہنسی، قل قل کرتی ہنسی کی پھوار بس مستقل ہی تھی۔ مائیں آنکھیں دکھا رہی تھیں مگر شادی کے گھر میں بھی لڑکیاں نہ ہنسیں تو پھر کب ہنسیں؟

دو چار عمر رسیدہ تھیں جو چیں بہ چیں ہو رہی تھیں۔

''اتنا کون ہنستا ہے؟ ہنسی ہے کہ جمعرات کی جھڑی؟ ایک بار شروع ہو جائے تو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔''

''یہ نئی ناتی، کیا کہیں دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے، بڑوں کا لحاظ، شرم، سب ناپید ہو رہا ہے۔ ہم بھی گزرے ہیں اس عمر سے، یوں رہتے تھے کہ معلوم بھی نہیں ہوتا تھا۔ اور اب ذرا انہیں دیکھیں، ہر وقت کی ٹھی ٹھی ٹھی، باتیں ختم ہوتی ہیں نہ کھی کھی۔''

''نانی حضور! آپ ہنستی نہیں تھیں۔ بولتی نہیں تھیں تو زندہ کیسے رہتی تھیں؟'' نیلوفر نے فاطمہ کے کان میں سرگوشی کی کہ با آواز بلند یہ سوال کرنے کی جسارت کرتی تو قیامت ہی آ جاتی۔

''کیا قینچی کی طرح کترنی زبان ہے، نیلوفر بی بی، حیا ڈھل گیا ہے آپ کا، بخدا یہ زبان لے کر سسرال گئیں تو خاندان بھر کی ناک ہی کٹوائیں گی۔'' فاطمہ نے نانی حضور کی نقل اتارتے ہوئے پوپلے لب و لہجے میں نیلوفر کو تاڑا اور وہ ہنستے ہنستے دہری ہو گئیں۔

''توبہ ہے۔ چکنے گھڑے کی ذات، کچھ بھی کہہ لو۔ کوئی اثر نہیں، بھلے گھوڑے کو ایک چابک اور بھلے انسان کو ایک بات کافی ہوتی ہے۔ مگر یہ تو ہیں ہی سدا کی بے کہنی۔'' نانی نے ناگواری سے انہیں دیکھا بلکہ گھورا۔

''ذہین آرا بھی تو ہے، ماشاءاللہ، کیسی خاموش طبع، فرماں بردار بچی ہے۔''

ذہین کی تحسین با آواز بلند کی گئی، جسے سن کر وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ طلعت آپا کے سمجھانے بجھانے پر سب کے درمیان بیٹھ رہی تھی۔ اس وقت بھی زبردستی مسکرا دی۔

لڑکیاں بالیاں، ہنس رہی تھیں۔ بول رہی تھیں۔ گیت گا رہی تھیں پہلا سا وقت اور حالات ہوتے تو ذہین بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان کا حصہ بنی ہوتی۔ وہ تو اتنا ہنستی تھی کہ ہنستے ہنستے آنکھ میں آنسو آ جاتے تھے...... اتنا بولتی تھی کہ کبیر بھی تو ہاتھ جوڑ دیتا تھا۔

''رحم کرو۔ ہمارے پاس فقط دو ہی کان ہیں۔''

اور اسے گیت گانے کا بھی شوق تھا۔ کبھی چھپ کے گنگنا لیتی، شادی بیاہ کے موقعوں پہ بھی یہ آزادی کم ہی ملتی تھی۔ گیت گانا، میراثیوں [illegible] شادی میں بھی گیت گانے کے لیے میراثنوں کی خاص ٹولی کو بلایا گیا تھا۔ پھر بھی لڑکیوں نے ڈھولک پہ اپنے شوق پورے کیے اور بڑی بوڑھیوں سے میرا [illegible] پاٹ دار۔ آوازوں والی عورتوں کی ٹولی ڈھولک کی تھاپ پہ گیت گانا شروع ہو گئیں۔

پھولوں کا گجرا لاؤ ری سکھی

بنو کی زلفیں سجاؤ ری سکھی

باہر سرد ہوا ان گیتوں کو سمیٹتی ہوئی آگے کی طرف بہتی جا رہی تھی، ذہین کا دل ان لفظوں میں اٹک رہا تھا۔

Scanned with CamScanner

بودل کی زمین پہ نقش ہو گئے تھے۔

ہم آ رہے ہیں۔

تم کہاں ہو کبیر؟ کب آؤ گے؟

☆☆☆

گھر میں رونق ہو گئی تھی۔ چھوٹے سے بچے نے سناٹے اور خاموشی کی دیواریں توڑ کر ہر طرف آوازیں بکھیر دی تھیں۔ سب کو ایک کھلونا مل گیا تھا۔ جس سے کھیل کھیل کر دل نہیں بھر رہا تھا۔ بہزاد نے تو مدرسے کی چھٹی کر لی تھی۔ مگر آزاد کے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ دواخانے کی چھٹی تو وہ بیماری کی حالت میں بھی نہیں کرتا تھا۔

''دوا لینے بھی تو وہیں جاؤں گا۔ سارا دن خالی رہ کے کیا کروں گا۔''

جیا ناشتہ کر رہی تھی۔ بچے کو بوا نے سنبھالا ہوا تھا۔ جو نانی کی گود میں بہت بے چین ہو رہا تھا۔

''اچھا آپا! میں جا رہا ہوں، کچھ منگوانا ہے تو بتا دو۔ کوئی خمیرہ، مربہ، صحت بنانے کا نسخہ!'' آزاد نے بوا کی گود سے بھانجے کو نکالا، حسب عادت اچھالا۔

بچے نے کی قلقاریاں خوشی کی تھیں اور جیا کی چیخ ڈر کی۔

''ادھر دے اسے۔'' بوا نے نواسے کو اپنی گود میں دبوچا۔

''ہڑ آنولے کا مربہ بنوا دے حکیم صاحب سے۔''

''ٹھیک ہے۔'' آزاد باہر نکل گیا۔

آج حکیم صاحب کے ساتھ باہر کا دورہ تھا۔

قبرستان اور جنگل ساتھ ساتھ تھے۔

''گوار پھٹا (گھیکوار) خودرو تھا۔ جگہ جگہ گھنے جھاڑ موجود تھے۔ ویسے لوگ حد بندی کے لیے جانوروں کا راستہ روکنے کے لیے بھی اسے لگاتے تھے۔ اس کے کانٹے جانوروں کو دور رکھتے تھے۔

آزاد نے بڑی تعداد میں اسے کاٹ کاٹ کے ٹوکرا بھر لیا۔

حکیم صاحب اس کے گودے سے حلوہ بناتے تھے۔ گھٹیا (جوڑوں کا درد) کی تکلیف میں فائدہ دیتا تھا۔

یہاں ''ٹیل'' نام کا ایک درخت تھا۔ جس میں سرسوں کے بیج جیسی پھلیاں لگتی تھیں۔ اسے بکریاں کھاتی تھیں۔ برسات کے بعد خودرو پودوں کی طرح جگہ جگہ اُگ جاتا تھا۔ لوگ اس کی شاخیں کاٹ کر سکھا لیتے۔ اور اسے ایندھن کے طور پہ استعمال کرتے تھے۔ ایندھن کے لیے ''جھاؤ'' کی لکڑی بھی استعمال ہوتی تھی۔ ''جھاؤ'' گنگا کنارے، ریت میں ہوتا تھا۔ اس کی چھوٹی اور پتلی لکڑی سے ٹوکریاں بنائی جاتی تھیں۔ یہ لکڑی گیلی بھی جل جاتی تھی۔ اسی میں قدرتی تیل ہوتا تھا۔ پھٹ پھٹ خوب جلتی تھی۔

دریا کنارے ''کچری'' بھی ہوتی تھی۔ جسے سبزی کی طرح پکاتے تھے۔ اس میں کھٹاس ہوتی تھی۔ یہ ترکاری۔ مختلف سائزوں میں ہوتی تھی۔ بیر سے لے کر کیری تک کا سائز سکھانے کے لیے ترپال پہ ڈھیر لگا کر بھاٹے کی دھوپ میں سکھاتے تھے۔

جنگل سے گنگا کنارے آئے۔ ''جھاؤ'' کی شاخیں کاٹ کے ٹوکرے میں ڈالیں۔

دوپہر کی نرم گرم دھوپ جسم و جاں کو بھلی لگ رہی تھی۔ آزاد کا دل چاہا، یہاں کچھ دیر اور ٹھہر جائے، مگر حکیم صاحب نے واپس [illegible] کہا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

[illegible] آنکھیں [illegible] صورت، نورن ن۔

جوڑا خوب بھاری تھا، زری گوٹا، لگا دوپٹہ اس سے بھی زیادہ بھاری اور خوب

پھٹ گئیں۔

''جوڑا تو بہت خوب ہے بوا، کہاں سے آیا؟''

''دلہن کی ماں نے بانٹے ہیں۔'' مغلانی بوا نے فخریہ بتایا۔

''اور میرا؟ میرا جوڑا نہیں دیا؟''

''یہ رہا، دم نہ نکال، پکڑ اپنا جوڑا۔'' بوا نے جوڑا نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

''اوئی اللہ، اتا بھاری؟ کیسے خوب صورت ستارے لگے ہیں بوا!''

نورن نے جگر جگر کرتے جوڑے پہ ہاتھ پھیرا۔

''ہلکے لوگ تھوڑی ہیں جو ہلکی چیز دیں گے۔'' بولتے بولتے اچانک بوا کو کچھ یاد آیا۔

''انہیں سنبھال کے رکھ دے۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

''کہاں جا رہی ہو؟''

''کام سے جا رہی ہوں۔''

''یہاں کون سے کام تمہارے پلے پڑ گئے؟''

''کوتوالی میں بھرتی ہو گئی ہے جو جرح پہ جرح کیے جا رہی ہے؟ اپنے کام سے کام رکھ۔ آتی ہوں ابھی۔'' بوا جھنجلائیں۔

''اچھا بھئی جاؤ، ہمیں کیا۔'' نورن اپنے جوڑے کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

مغلانی بوا چپکے سے نکل پڑیں۔

کوٹھی سے باہر لمبی، ہموار سڑک تھی۔ جو اس وقت سنسان اور خاموش تھی۔ سڑک کی پرلی طرف درختوں کے گھنے جھنڈ میں وہ کھڑا تھا۔ چمکتی آنکھوں میں اضطراب تھا اور وجیہہ چہرے پہ انتظار۔

مغلانی بوا کو دیکھتے ہی وہ کھل پڑا۔

''بہت انتظار کروایا خالہ جان نے۔''

''ارے بیٹا، بس کیا بتاؤں، وہ جو لڑکی ہے نا، میری جان کو لگی رہتی ہے۔ آزاری کہیں کی۔ ابھی بھی جرح کر رہی تھی۔ کہاں جا رہی ہو؟ کیوں جا رہی ہو؟''

مغلانی بوا شروع ہو گئیں۔ فرخ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔

''ذرا دم لیجیے، یہ بتائیے کہ ہمارے کام کا کیا ہوا؟''

''بڑے امتحان میں ڈال دیا گیا۔ ہم کیا کریں؟ کیسے کریں؟ ذہین بیٹا اپنی مرضی کی مالک ہیں۔ انہیں کون حکم دے سکتا ہے؟ ہماری لاکھ عزت کریں پھر بھی رہیں گے تو ان کی کھلائی۔ کس منہ سے فرمائش کریں کہ ذری، باغیچے میں ٹہل لگانے ہمارے ساتھ چلیں، اور پھر جو بات کھل گئی بعد میں کہ یہ سب ہمارا کیا دھرا ہے تو؟......

اس عمر میں سفید چونڈے میں کالک لگانے کی ہمت نہیں ہو رہی۔''

''تو یہ ہے خالہ، آپ کو دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ اتنی ڈرپوک ہوں گی۔ آپ؟'' فرخ کی مسکراہٹ میں بڑی بہادری تھی۔

''سب کچھ آپ کو بتا چکے ہیں دوسرے ذرائع سے بھی آگاہ ہیں آپ۔ کہ ہم اس گھرانے کے ہونے والے داماد ہیں۔''

''یہی تو بات ہے بیٹا، خدانخواستہ کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ بنتی [illegible] آپ کے بارے میں کیا رائے قائم ہو گی؟'' بوا [illegible] بہجت آیا ہے اور [illegible] بھانے کی [illegible] [illegible] سے سن چکے تھے۔ انہیں [illegible] میں اس [illegible] کی باتیں تو وہ ''دیکھیے [illegible] چاہیے تھا۔ کوئی چارہ ساز، غم گسار مطلوب تھا۔

[illegible] جان! آپ ہماری بات غور سے سنیں اور سمجھیں، آج شام کی گاڑی سے ہاشمی چچا کے مہمان

آرہے ہیں، عصر پڑھ کے وہ اسٹیشن کے لیے نکل جائیں گے۔ کل بارات آرہی ہے۔ ہمارے پاس بس آج کا دن اور شام کا وقت ہے۔ عصر کے بعد کسی بھی طرح انہیں پائیں باغ لے آئیں۔ جو جگہ آپ کو دکھائی تھی، وہاں کوئی نہیں آتا، وہ گوشہ عموماً سنسان پڑا رہتا ہے۔

اور ہاں...... "فرخ نے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"یہ آپ کے لیے خریدے تھے۔ نجانے کے آپ ...

مگر قبول

digest library.com

"سونے کے جھالے!" بوا کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

"بیٹا، بہت زیادہ زیر بار کر دیا، ہم تو......"

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، پلکیں، آنکھوں پہ بوجھ نہیں ہوتیں۔ آپ کو خالہ زبان سے نہیں دل سے کہا ہے۔ انہیں قبول کریں اور رہی میری عرضداشت، تو دوپٹے کے پلو میں باندھ لیں۔ یاد رہے تو گرہ کھول دیجیے گا نہ بھی ہوا تو شکایت نہیں ہوگی۔"

فرخ میاں آداب کر کے چل دیے۔

مغلانی بوا کے لیے واپسی کا سفر کٹھن تھا۔

یہ آج کل کے جوان، انوکھے لاڈلے کھیلن کو مانگیں چاند، دو چار۔ حروف پڑھ کے انگریز بن جاوے ہیں، ایک ہمارا دور تھا۔ گھونگھٹ اٹھانے پر ہی ایک دوسرے کی شکل پتا چلتی تھی کہ اچھا...... یہ ہے جو ہمارے پلے بندھا ہے مگر اب تو پہلے سے پہلے دیکھنا بھی ہے۔ اور آگے بڑھ کے بات بھی کرنا ہے توبہ توبہ کیا زمانہ آگیا ہے۔ ٹھیک کہتے ہیں بزرگ، چودھویں صدی قیامت کی صدی ہے۔ خدا جانے ان آنکھوں کو اور کیا کیا دیکھنا ہے ان کانوں کو اور کیا کیا سننا ہے؟

☆☆☆

صحن میں نرم گرم دھوپ پھیلی ہوئی تھی، چار پائیوں پر مہمان، میزبان سب براجمان تھے۔ ایک چارپائی پر جیا بیٹھی تھی۔ بیٹا گود میں تھا جسے انڈا کھلا رہی تھی۔

امین نانا اور بندو ممانی لاہور سے آئے ہوئے تھے۔ بیٹی ساتھ آئی تھی۔ سیدھی سادی شریف الطبع بچی۔ بہزاد سے تھوڑی ہی بڑی ہوگی۔ نام تھا۔ "ماشاء اللہ" پلنگ پہ بیٹھی بڑے انہماک سے کبھی انڈا کھاتے علی کو دیکھ کر مسکراتی، کبھی صحن میں چگتی پھرتی مرغیوں پہ توجہ ہو جاتی۔

بڑے اپنی باتوں میں مگن تھے۔ بہزاد "آپا" کی جان کھا رہا تھا۔

"بوا امین نانا کو ماموں کیوں کہتی ہیں؟"

"کیوں کہ وہ بوا کے ماموں ہیں۔ ہمارے نانا ہیں۔"

"اور عمر ماموں؟"

"وہ ہمارے ماموں ہیں۔ بوا کے بھائی ہیں۔"

"اور میں...... علی کا ماموں ہوں۔"

"سولہ آنے درست۔" آپا نے بیٹے کا منہ صاف کیا۔ "ماشاء اللہ" نے اسے آگے بڑھ کر گود میں لے لیا۔

"بال بچوں کو لے کر لاہور کا چکر لگاؤ کبھی۔ اپنے شہر کی سیر کرائیں گے۔ بہت اچھی اچھی جگہیں ہیں دیکھنے کی۔" امین نانا اپنی بھانجی سے مخاطب تھے۔

"اللہ نے چاہا تو ضرور آئیں گے۔" امیر بیگم یونہی گول مول جواب دے کر مسکرا دیتی تھیں۔

"اگلی بار میں ٹکٹ لے کر آؤں گا اور سب کو لے جاؤں گا۔" نانا نے اعلان کیا۔

Scanned with CamScanner

”ہیں نانا!“ بہزاد پرجوش ہوگیا۔

”لاہور میں کیا کیا ہے؟“

”بہت کچھ ہے بیٹے، تم آؤ تو سہی۔ ہم تمہیں راوی کی سیر کرائیں گے۔ انارکلی گھمائیں گے۔ شالامار باغ، جہانگیر کا مقبرہ اور بارہ دری شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد، داتا دربار، بھاٹی گیٹ، مستی گیٹ...... بہزاد نانی بولتی رہیں، میزبان دلچسپی سے سن رہے تھے اور حیرت سے مرعوب ہو رہے تھے۔

”ایک دنیا آباد ہے وہاں، بالکل جیسے دل۔“ نانا نے لقمہ دیتے ہوئے مثال دی۔

”میں نے تو دلی بھی نہیں دیکھی۔“ بہزاد نے منہ بسورا۔

”اللہ بخشے تمہارے بابا کام کرتے تھے وہاں، آج ہوتا تو تم سب کو دلی بھی گھما دیتا۔ لاہور بھی لے آتا۔“

”جوانی ہی میں چلا گیا بے چارہ۔“ نانی نے ایک آہ بھری۔

”یہی خدا کو منظور تھا۔“ امیر بیگم کے انداز میں بردباری تھی۔

”بہزاد نے تو باپ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ انتقال کے تین ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ جیا کو باپ کا چہرہ اور شفقت یاد تھی۔ اس کا دل بھاری ہونے لگا۔ ماحول میں یک دم ہی خاموشی اور افسردگی چھا گئی۔

صحن میں اچانک ہی دو بلیاں ایک ساتھ وارد ہوئیں، گھر کے کواڑ عموماً ادھ کھلے ہی رہتے تھے۔ مرغیوں میں سراسیمگی پھیل گئی وہ ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ کٹ کھنا مرغا۔ غرا کے بلیوں کی طرف لپکا۔ ان میں سے ایک پلنگ کے نیچے گھس گئی۔ دوسری بہادر تھی، تن کر مرغے کے سامنے کھڑی ہو گئی اور جواباً غرائی۔

صحن میں عجب ایک شور اور ہنگامہ مچ گیا۔ مرغیاں چیں چیں کرتی ادھر ادھر بھاگ رہی تھیں۔ پلنگ کے نیچے بلی میاؤں میاؤں اور دوسری بلی کے سامنے کھڑے مرغے نے اچانک ہی آسمان کی طرف منہ کر کے زوردار بانگ دی۔

بلی نے نیم وا آنکھوں میں بے نیازی بھری اور بڑے اطمینان سے بہزاد کی گود میں رینگ گئی۔ قصبے کے سارے جانور اور بچے ایک دوسرے سے واقف تھے۔

سب سے پہلے علی محظوظ ہوتے ہوئے کھلکھلایا۔ آگے پیچھے بہزاد اور ”ماشاء اللہ“ ہنس پڑے اور پلنگوں پہ براجمان سارے بڑے مسکرا دیے۔

☆☆☆

باغیچے کی اپنی ایک الگ دنیا میں جہاں بلند و بالا شجر سر اٹھائے کھڑے تھے، سورج کی نرم گرم کرنوں میں نہا گئے۔ دھوپ میں ڈوبی شاخوں پہ پرندوں کے مستقل آشیانے بھی تھے اور عارضی ٹھکانے بھی۔ اس وقت امرود کے پیڑ کی شاخوں پہ جو طوطے بیٹھے تھے وہ عارضی ٹھکانے والے تھے۔ ان میں سے چند۔ امرودوں کو کتر کتر کے کھانے میں معروف تھے۔ اور کچھ خاموشی کے عالم میں شاید دنیا کی بے ثباتی کا جائزہ لے رہے تھے۔ قریب ہی بڑ کے درخت کے تنے پر کھٹ کھٹ بڑھئی نے شور مچایا ہوا تھا۔ املی کے پیڑ پہ بیٹھی فاختہ نے منہ بنایا۔ ایک تو کھٹ کھٹ بڑھئی کا شور۔ اوپر سے شاخوں اور پتوں سے آتی کھٹی کھٹی سی مہک، نازک مزاج فاختہ کو طوطوں کی ٹیں ٹیں بھی گراں گزر رہی تھی۔

”توبہ ہے، اس دنیا میں کہیں سکون بھی ہے یا نہیں؟“ فاختہ بی نے اپنے پر پھڑ پھڑائے اور قدرے دور کونے میں سیمل کے درخت پہ جا بیٹھی دھوپ چھن کر آ رہی تھی۔ اچھی لگ رہی تھی۔ مگر یہ سکون عارضی تھا۔ کوؤں کی ایک ٹولی جانے کہاں سے سرگشت کرتی ہوئی آئی اور پھر جو کائیں کائیں کا طوفان برپا ہوا بی فاختہ نے اپنے کان ہی دبا لیے۔

”کم بختی مارے جنے کہاں سے آ جاوے ہیں۔ اپنی منحوس کائیں کائیں کرنے۔ فاختہ بی کو رسولن دادی کا کوسنا یاد آ گیا۔ پرلی طرف کی کوٹھی شاگرد پیشہ میں قیام تھا ان کا، فاختہ بی اکثر ان کے آنگن میں لگے جامن کے

وقت پر اپنی سہیلی چڑیوں کے ساتھ پھدکتی تھیں۔ ان کوؤں نے یہاں آسمان سر پہ اٹھایا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ بہتر یہی تھا کہ یہاں سے پرواز کر کے رسولن دادی کے آنگن میں جایا جائے۔

کبھی کبھار بہت بڑے بڑے عالیشان باغ باغیچوں میں وہ سکون نہیں ملتا جو چھوٹی سی انگنائی میں لگے ایک پیڑ پر مل جاتا ہے۔ پرواز کے لیے پر تولتی فاختہ بی پہ زندگی کا ایک اور فلسفہ عیاں ہوا تھا۔

☆☆☆

کوٹھی کے ہال نما بڑے کمرے میں لڑکیوں بالیوں کا ہجوم اکٹھا تھا۔ کل دو پہر بارات کی آمد تھی۔ اور تیاریاں......؟ وہ تیاریاں جو کئی مہینوں سے ہو رہی تھیں۔ ابھی تک نامکمل تھیں۔

''آپا! یہ زری سی کرن رہ گئی، اللہ لگا دیجیے۔ احسان ہوگا ہم پر۔''

''دیکھو، چمن! تم عین وقت پہ کام لیے دوڑی چلی آتی ہو۔ پھر منتیں کرتی ہو۔ للہ ہم تمہارے آگے ہاتھ جوڑ رہے ہیں۔ ہمیں معاف کرو۔ پھوپھو بیگم کے پاس جاؤ وہ کر دیں گی۔''

ادھر ذہین آرا، طلعت آپا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سامنے پیازی رنگ کی خوب صورت ساڑھی پھیلی تھی۔ بنارسی سنہری و نقرئی ساڑھی کا بارڈر فیروزی تھا۔ اس کے ساتھ سرخ رنگ کا مخملیں ڈبا تھا۔ انہوں نے ڈبا کھولا۔ اندر فیروزے کا سیٹ جگمگا رہا تھا۔

''بہت حسین ہے۔ لاجواب۔'' ذہین کی توصیفی نگاہیں پہلے سیٹ پر، پھر طلعت آپا پہ مرکوز ہو گئیں۔

مہناز سٹر پٹر بار بار اندر باہر ہو رہی تھی، جھومر کے چند موتی نکلے ہوئے تھے۔ ساس نے پہلے ڈانٹ پلائی پھر جھومر ٹھیک کروانے سنار کے ہاں بھیجا۔

''سہرے، تہنیتی پیغامات اور قصائد کا اہتمام مردانے ہی میں نہیں زنان خانے میں بھی تھا، باذوق اور باصلاحیت خواتین لڑکیاں اپنے لکھے ہوئے کی نوک پلک سنوار رہی تھیں۔ رات میں خاندان بھر کا زنانہ مشاعرہ تھا۔

تم نے کچھ لکھا ذہین؟''

''جی، لکھا تو تھا۔ ایک نظر دیکھ لیجیے گا ذرا۔''

''دیکھ لیں گے۔ ویسے تمہارے مصرعے خاصے چست ہوتے ہیں۔ شاید ہی اصلاح کی ضرورت پڑے۔ لیکن اگر دکھانا ہے تو ابھی لے آؤ۔ اس کے بعد فراغت نہیں ملے گی۔ اپنی تائی ساس کی عیادت کے لیے جانا ہے'' طلعت آپا نے ساڑھی تہہ کرنا شروع کی۔

''میں ابھی لے کر آتی ہوں۔'' ذہین اٹھ کھڑی ہوئی۔

کمرہ ابھی تک بھانت بھانت کی بولیوں سے گونج رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی، راہ میں صولت مل گئی۔

''اچھا ہوا آپ یہیں مل گئیں، ہم آپ کو ہی تلاش کر رہے تھے۔''

''خیریت''

''جی بالکل خیریت ہے، بس فیروزہ ممانی آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔''

''اُفوہ......!'' ذہین کراہ کر رہ گئی۔ فیروزہ بھابھی نے تہنیتی پیغام لکھا تھا۔ کل سے اب تک وہ مطمئن نہیں ہو رہی تھی بلکہ کہا ہے، کرا بیٹھ کر بھی مغز ماری کی گئی مگر ان کی مرضی کا نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔ اب پھر ذہین کو یاد فرمایا تھا انہوں نے۔

''کہاں ہیں وہ؟''

''ادھر، باغیچے میں۔'' صولت نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ جہاں ٹوٹا ہوا تنا پڑا ہے۔

''ٹھیک ہے۔ ہم چلے جاتے ہیں۔'' ذہین نے سر ہلایا۔

Scanned with CamScanner

صولت مطمئن ہو کر چل دی۔ اس نے فیروزہ ممانی کا پیغام ذہین آرا تک پہنچا دیا تھا۔ ہاں بس وہ یہ تمام
بھول گئی تھی کہ فیروزہ ممانی کا یہ پیغام مغلانی بوانے دیا تھا۔

☆☆☆

آنگن میں چھالیہ اور لیچی کے درختوں تلے بطخیں قیں قیں کرتی پھر رہی تھیں۔ بیشتر کی رفتار سستی کاہلی سے عبارت تھی۔

"ہش ہش...... قیں قیں......" ننھی لیلیٰ انہیں دوڑنے پر اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ کاہل بطخیں ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ رحیمہ خاتون نے سل پہ ایک ایک کر کے چیزیں پیسنا شروع کیں۔

لہسن، ادرک، پیاز، گرم مسالہ، مرچیں، دھنیا خوب باریک کر کے انگلی کی مدد سے مسالہ اتار کر پیالی میں رکھا۔ فٹافٹ سرسوں کا تیل گرم کر کے مسالہ بھونا اور مچھلی کے قتلے اس میں چھوڑ دیے۔ جب تک ہنڈیا تیار ہوئی۔ لیلیٰ اور اس کا بھائی حسن بطخوں کے ساتھ کھیلتے رہے۔

رحیمہ خاتون نے مٹی کی ہنڈیا میں چاول پکنے رکھ دیے۔ قدرے موٹا جوشی چاول اچھی طرح ابل گیا تو اس کی پیچ پھینک دی۔ چاولوں میں نمک بھی ڈالا تھا۔ پلیٹ کے کنارے نمک رکھ کر چاول کھانے کا رواج تھا۔

رحیمہ خاتون گھر کے عقب میں واقع مشترکہ تالاب میں نہانے چلی گئیں۔ یہ خواتین کے نہانے کی مخصوص جگہ تھی۔

صحن میں حسن چھالیہ کے درخت پہ چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیلیٰ ماں کے پاس آ گئی۔ رحیمہ خاتون بیٹی کو ڈبکی لگانا سکھا رہی تھیں۔ اس خطے کے بچے اپنے بچپن میں تیراک بن جاتے ہیں۔ پھر ماہر بھی ہو جاتے ہیں۔ لیلیٰ ناک بند کر کے ڈبکیاں لگا رہی تھی۔ ماں کے ہاتھوں نے اسے سنبھالا ہوا تھا۔

کھیتوں میں کام کر کے لیلیٰ کے والد بھی گھر آ گئے تھے۔ رحیمہ خاتون نے سب کو کھانا دیا۔ لیلیٰ باپ کے کندھے پہ چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ انہوں نے پکڑ کے گود میں بٹھا لیا۔

بھو کستم نا پرتی بھاتی کم چت (بھوکے کو کوئی شے اچھی نہیں لگتی)

انہوں نے نوالہ بنا کر پہلے بیٹی کے پھر اپنے منہ میں ڈالا۔

☆☆☆

ریل گاڑی کا انجن دھواں چھوڑتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا جا رہا تھا اور کبیر کا دل اتھاہ گہرائی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

خدا جانے وہاں جا کر کیا حال ہوگا؟ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ہم سفر بے حد اطمینان سے بیٹھے بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ کبیر اب تک سینکڑوں باتیں سوچ چکا تھا جو ماموں جان کے سامنے کہہ سکتا مگر ہر بات پر جب بھی تھوڑی دیر تک غور کرتا وہ بودی اور کمزور محسوس ہوتی۔

بھاگتی ہوئی ریل کی کھڑکی سے نظر آتے مناظر چند لمحوں کے لیے نگاہوں میں سماتے اور ماضی بن جاتے ہر لمحے ہر منظر کو ماضی بنا دینے کا یہ سفر کبیر کے لیے بہت دشوار ہو رہا تھا۔ دل اور دماغ دونوں پہلے ہی الجھن اور تضاد کا شکار تھے۔ دل کا کہنا کچھ اور تھا۔ دماغ کا سمجھانا کچھ اور دل کی مرضی کچھ اور تھی اور ضمیر کی نصیحت اس کے برعکس اور وہ دل کی انگلی تھامے اس سفر پر چل نکلا، جہاں گہری ہوتی شام شدید تاریکی میں ڈھل گئی تھی۔

اس نے وہ دلنواز چہرہ تصور میں لا کر اجالے کے حصول کی کوشش کی۔

سوچ سوچ کے خود کو پریشان کرنے اور تھکانے سے کیا حاصل؟ جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ منزل پر پہنچنے تک خود کو سنبھالو تا کہ آگے کے حالات بھی سنبھال سکو۔ دل نے چپکے سے صلاح دی۔

کبیر کی نگاہیں قدوائی صاحب پہ ٹک گئیں۔ اونگھتے اونگھتے جھٹکا سا لگا تھا۔

"کیا ہوا میاں صاحبزادے! اسٹیشن آ گیا کیا!" انہوں نے اپنی مندی مندی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

"جی نہیں ابھی وقت ہے اسٹیشن آنے میں آپ آرام فرمایئے۔"
"اس عمر میں کاہے کا آرام۔" انہوں نے جمائی لیتے ہوئے منہ پہ ہاتھ رکھا۔
"آرام تو بس ایک ہی بار ملے گا۔" وہ سیدھے ہو کر لیٹ گئے۔
"میاں آپ بھی آرام کرلیں کچھ دیر۔ وہاں تو شادی کا گھر ہے۔ شور شرابے اور گہما گہمی میں آرام کا موقع ملے گا نہ نیند کا۔"
"جی......!" کبیر نے ایک گہری سانس لی۔
"حالات تو سانس لینے کا بھی موقع نہیں دے رہے تھے۔

☆☆☆

digest library.com

دیوان خانے میں محفل جمی تھی۔ ہاشمی صاحب کے علاوہ چھ، سات مہمان اور بھی موجود تھے۔
"ارے صاحب اب اس خطۂ ہندوستان میں نہ اردو کا مستقبل محفوظ ہے نہ مسلمانوں کا، نہ ہی اسلام کا۔" بریلی والے مظفر چچا نے قطعیت سے رائے دی۔
"سارے مسلم لیگیوں کو دن رات یہی اوہام ستاتے رہتے ہیں۔" اعجاز ماموں کا لہجہ طنزیہ تھا۔
"یہ اوہام نہیں ہیں بھائی اعجاز! حقائق ہیں۔ یہ آنے والے دور کی جھلک ہے۔ اس پر غور کرنا چاہیے۔ ذرا ٹھہر کر سوچنا چاہیے۔" ہاشمی صاحب نے اپنے مخصوص سنجیدہ اور بردبار انداز میں رائے دی۔
"الگ ملک بنانے سے مسلمانوں کی طاقت تقسیم نہیں ہوگی؟ یہاں رہ کر بھی تو الگ الگ خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ذات برادریاں مسلک، عقیدے، ہر طرح سے خود کو تقسیم کیا ہوا ہے۔ یہاں کون سے طاقت ور ہیں ہم؟ بالادست تو ہندو ہی ہے۔"
"اچھا! تو علیحدہ ملک لے کر آپ یہ تفرقات ختم کردیں گے؟ ایک ہو جائیں گے؟" اعجاز ماموں کا انداز مذاق اُڑانے والا تھا۔
"کوشش کریں گے میاں! سر دست جو مسئلہ ہے مسلمانوں کی بقا کا ہے وُجود کا ہے تشخص کا ہے۔ پھر ہمارا تو نعرہ یہی ہے پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ ایک کلمے کی تسبیح کے دانے ہیں ہم جس دن آنکھوں سے تعصب کی پٹی ہٹا کر دیکھیں گے ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جائیں گے۔" مظفر چچا کا لہجہ دھیما تھا، اعجاز ماموں ذرا تن کر بیٹھ گئے۔
"خیالی پلاؤ بنانے سے پیٹ نہیں بھرتا بھائی صاحب! ہوائی قلعوں میں رہائش ممکن نہیں حقائق کو نظر انداز نہ کریں۔ اس خطے پہ ہم نے ہزار برس حکومت کی ہے۔ آگے بھی کر سکتے ہیں۔ آپ علیحدہ ریاست کی بات کرکے مسلمانوں کی طاقت تقسیم کردیں گے۔ یہاں کے مسلمان بھی برباد ہوں گے اور پاکستان کے مسلمانوں کے لیے بھی تباہی ہوگی۔"
"آپ کچھ کر نہیں سکتے تو بددعائیں بھی نہ دیں۔" مظفر چچا تلخ ہو گئے۔
"میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا میں تو اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ مزاج پہ گراں گزرا تو معذرت خواہ ہوں۔" وہ خفیف ہو گئے۔
سید ہاشمی صاحب خلاف معمول خاموش بیٹھے تھے۔ بظاہر پرسکون چہرے سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اندر ہی اندر کیا جوار بھاٹا مچل رہا ہے۔
مظفر چچا نے ان پہ نگاہ کی۔
"اسٹیشن چلیے گا کیا؟"
جی ضرور......ان شاء اللہ۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

پائیں باغ میں گھنے درختوں کے اوپر نیلا آسمان یوں جھکا ہوا تھا گویا کہ بس ابھی سب کو اپنی آغوش میں لے لے گا۔ یہ ایک قدرے اندر اور خاموش گوشہ تھا۔ یہاں پھولوں کی مہک تھی اور مختلف پرندوں کی بولیاں۔

بے چینی سے ٹہلتے ہوئے فرخ میاں کچھ دیر کے لیے تھم گئے اور بڑ کے درخت سے ٹیک لگالی۔

"ٹھیک کہہ گئے ہیں بڑے بوڑھے۔ الانتظار اشد من الموت (انتظار موت سے زیادہ برا ہے)"

"بڑے تو اور بھی بہت کچھ کہتے ہیں۔ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔" ضمیر نے لتاڑا۔ کل رات ہی بہجت آپا نے ایک مختصر مگر جامع گوش مالی کی تھی ان کی......

"فرخ اپنی نہیں تو ہماری اور خاندان کی عزت کا ہی کچھ خیال کرلو۔"

"مجھے بالکل خیال ہے آپا، بس تھوڑی سی فکر اپنے دل کی بھی کر لیتا ہوں۔" اگلا فقرہ اتنی دھیمی آواز میں کہا تھا کہ خود اپنے سوا کوئی اور نہ سن پائے۔

"ویسے یہ خانہ خراب دل انسان کو خوار کرنے میں ماہر ہے۔" وہاں کھڑے کھڑے فرخ نے اعتراف کیا۔

بہجت آپا کے بقول ان کے بھائی کی کوئی کل سیدھی نہیں تھی۔

دوستوں کے بقول فرخ میاں میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ ہر آن مضطرب، سیماب پا، بے چین و بے قرار جو دل میں سما جائے اسے پورا کرنے کی دھن اور یہ دھن آج یہاں کھڑا کیے ہوئے تھی۔

بہجت آپا سے اکثر اسی بات پہ ڈانٹ پڑتی تھی۔

"آپ کے اندر صبر نام کی کوئی شے ہے یا نہیں؟"

"تحمل بھی کوئی خوبی ہوتی ہے۔ بردباری بھی ایک صفت ہے۔"

"اس عمر میں یہ سب؟"

"آغا جان تک تمہاری حرکتیں اور خیالات پہنچا دیے نا۔ بے موت مارے جاؤ گے۔ پتا نہیں کیوں ہر بار ترس آجاتا ہے۔"

"اب کسی اور کو بھی آجائے۔" فرخ نے ایک آہ بھری۔

جوانی کی شوخی دل کے شوق انسان کو کہاں سے کہاں لے آتے ہیں۔

"آپ کو ڈر نہیں لگتا؟" سعادت نے سوال کیا تھا۔

"کبھی سوچا نہیں اس بارے میں۔" فرخ نے بڑی معصومیت سے اعتراف کیا تھا۔

اور پھر یکدم ہی وہ چونک پڑے۔

یوں لگا جیسے قدموں کی چاپ سنی ہو۔ کوئی آہٹ محسوس ہوئی ہے۔ ساری حسیات چوکنا ہوگئیں۔ وہ سراپا مجسم سماعت بن گئے۔ مجسم شوق بن گئے۔ اور نگاہیں اس سمت پہ لگادیں جہاں سے آہٹ سنائی دی تھی۔

☆☆☆

ذہین کمرے میں کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔ طلعت آپا سے تو کہہ آئی تھی کہ ممانی کے بلاوے پر وہاں جارہی ہے مگر یہاں تک آتے آتے اک دم ہی دل اُچاٹ ہوگیا تھا۔

بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کر مسکرا رہی تھی۔ مگر اس مسکراہٹ کے پیچھے جو قیامت چھپی تھی۔ اس کا اندازہ ذہین کے علاوہ اور کون کرسکتا تھا۔

کل رات ابا جان آئے تھے۔ اس کی طبیعت اور حال احوال دریافت کرنے، ان کے چہرے پہ اتنی شفقت اور لہجے میں اتنی محبت تھی کہ ذہین کو رونا آرہا تھا بڑے جتن سے خود پہ قابو پایا تھا۔ مگر اب بار بار کبیر کا خیال آرہا تھا۔

"اللہ کرے کہ وہ آج آجائے۔" دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی۔

"وہ آ بھی جائے تو کیا کرلے گا؟ تقدیر کے تیروں کا رخ موڑ سکتا ہے کیا؟"

چھپر کھٹ پہ بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کی رنگت سفید ہونے لگی۔ اندیشوں کے ناگ سرسراتے ہوئے بدن وجاں سے لپٹ رہے تھے۔ فاطمہ اندر آئی تھی کسی کام سے، اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گئی۔

"ذہین آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"سر میں درد ہے۔" ذہین نے بہانا بنایا۔

"صندل لگوا دیں؟"

"نہیں نہیں اتنے جتن کی ضرورت نہیں تھوڑی دیر سوئیں گے تو ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اچھا تو پھر آپ آرام کریں۔"

"ایک کام کرو گی ہمارا؟" ذہین کو اچانک ہی یاد آیا۔

"جی کہیے۔"

"باغیچے میں فیروزہ ممانی انتظار کر رہی ہیں ہمارا ذرا وہاں جا کر اطلاع کر دو انہیں۔"

"ضرور بے فکر ہو جائیں۔ آپ کا کام ہو جائے گا۔" فاطمہ باہر نکل گئی۔ ذہین بیٹھی رہی۔ دل کی بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

شام گہری اور سرد تھی۔ مٹی کے لپے پتے چولہے کے گرد دونوں ماں بیٹی بیٹھی تھیں۔ جلتی لکڑیوں کا کڑوا دھواں فضا میں پھیل رہا تھا۔ ساتھ ساتھ گرمائش اور حرارت بھی، بچہ اندر سو رہا تھا۔ جیا گرم شال میں خود کو لپیٹے ہوئے تھی۔

بوا نے بیسن کی روٹی اور لہسن مرچ کی چٹنی بنائی تھی اگرچہ ایسی چیزیں دن میں بنائی تھیں مگر بیٹی کا دل چاہ رہا تھا ابھی کھانے کو پھر آزاد بھی شوقین تھا سو وہ آٹا گوندھ کر روٹی بنانے بیٹھ گئیں۔ چٹنی پہلے ہی پیس کر بگھار لگا دیا تھا۔ مغرب کی اذان سے پہلے پہلے دن کی روشنی میں روٹی ہنڈیا کا کام ختم کر لیتی تھیں۔

روٹی سینک کر اس پہ اصلی گھی لگایا۔ چنگیر بیٹی کے آگے رکھ دی ایک کٹوری میں چٹنی ایک میں اچار سرکہ بھی گھر کا تھا جو انہوں نے گنے کے رس سے بنایا تھا۔

جیا بڑے شوق سے کھا رہی تھی۔

"بہت دنوں سے جی چاہ رہا تھا بیسن کی روٹی چٹنی کھانے کو۔" اس نے اچار کا چٹخارہ بھرا۔

"دو جے جی سے ہوتو یہی ہوتا ہے۔" بوا نے دوسرا پیڑہ بنایا اتنے میں آزاد آ گیا۔

"آہا...... بیسن کی روٹی چٹنی۔" آزاد نے گھستے ہی نعرہ لگایا۔

"ابھی آتے ہوئے راستے میں یہی سوچ رہا تھا کہ بیسن کی روٹی پکواؤں بوا سے۔" آزاد کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا مرتبان جیا کے آگے رکھا۔

"یہ لو آپا تمہارے لیے سیب کا مربہ بنوایا ہے حکیم صاحب سے کھاؤ اور جان بناؤ۔"

"اندر رکھ دے گھر جائے گی تو لے جائے گی۔" بوا نے ہدایت کی۔

"جب تک یہاں ہو روز کھاؤ، اور اپنے گھر بھی روز کھانا۔" آزاد نے تاکید کی۔

"یہ تو اک دم ہی بڑا اور ذمے دار ہو گیا ہے۔" جیا نے اپنے چھوٹے بھائی پہ فخر کی نگاہ ڈالی۔

آزاد ہاتھ منہ دھو کر آ گیا۔ عموماً مغرب کی نماز پڑھ کر کھانا کھاتا تھا۔ مگر آج بیسن کی روٹی چٹنی نے مغرب کے پہلے ہی دستر خوان پہ بٹھا دیا۔

"سبحان اللہ بہشت کی نعمت ہے۔" آزاد رغبت سے کھا رہا تھا۔ لہسن، مرچ، زیرے کا تیکھا ذائقہ، اصلی گھی

کی مہک، سرکے اور اچار کی کھٹاس، مولی کے ٹکڑے واقعی جنت کے ذائقے تھے۔
امین نانا اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ حسن پور میں موجود دوسرے رشتے داروں سے ملنے گئے تھے۔
"کل چقندر گوشت پکالوں ہیں؟" بوا نے شائقین سے رائے مانگی۔
"لوگوں کا پلاؤ بنالینا ہوا۔ امین نانا بھی شوق سے کھاتے ہیں۔"
"ٹھنڈ ہو رہی ہے خدا جانے چاول کھائیں نہ کھائیں۔" بوا متذبذب تھیں۔
"ان سے پوچھ کے پکالینا۔" جیا نے معاملہ نپٹا دیا۔

☆☆☆

ذہین دریچے میں کھڑی تھی۔ بائیں باغ کی سمت جاتی فاطمہ کی پشت اسے دکھائی دے رہی تھی۔ جو چند لمحوں بعد نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔
نگاہوں سے اوجھل کبھی زندگی بھی ہو جاتی ہے۔ اسے کہاں ڈھونڈیں۔ گم شدہ راستوں کو کیسے تلاش کریں؟ خالی الذہنی کی کیفیت میں وہ باہر دیکھ رہی تھی۔
"ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ تم یہاں کھڑی خلاؤں میں گھور رہی ہو؟" طلعت آپا کی آواز اسے دوسری دنیا سے واپس کھینچ لائی۔
"بھول گئی۔" ذہین کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔
"آج کل تو تم خود کو بھولی بیٹھی ہو۔" طلعت آپا اس کے ساتھ کھڑے ہو کر دریچے سے باہر دیکھنے لگی۔ جہاں بڑی اچھی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔
ذہین خاموش تھی فضا میں پرندوں کی چہکار تھی جو اسے کسی اور ہی دنیا میں لے جا رہی تھیں۔
"پرندوں کی آواز سن کر مجھے ہمیشہ تمہارا خیال آتا ہے۔" کبیر نے ایک بار اس سے کہا تھا۔
"کائیں کائیں سن کر!" ذہین کی نگاہیں تیکھی تھیں۔ لہجہ نگاہوں سے کہیں زیادہ تیکھا۔
"دنیا میں ایک ہی پرندہ ہے کیا؟"
"پھر کسے سن کر میرا خیال آتا ہے؟ غٹرغوں غٹرغوں سن کر؟"
"تم تو بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔" وہ جھنجلایا ذہین ہنسی۔
"ذہین۔" طلعت آپا نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا۔
"جی!" وہ مڑی ماضی کی ہنسی کی گونج۔ مسکان بن کر اس کے چہرے پہ بکھری تھی۔
"شکر ہے تم مسکرائیں تو سہی۔"
"یہ ماضی کی مسکراہٹ ہے۔" ذہین نے لب بھینچ لیے۔
"میں نے اس لیے نہیں کہا کہ تم پھر اپنے چہرے پہ بارہ بجالو۔" طلعت آپا نے اس کا سر پکڑ کر ہلایا۔
"کبیر آ رہا ہے۔" ذہین نے اچانک ہی کہا۔
"کبیر؟ یہاں؟" طلعت آپا بھونچکارہ گئیں۔
"جی یہاں میں نے سوچا آپ کو اطلاع دے دوں۔" ذہین کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔ بے بسی تکلیف اور موہوم سی امید۔
"اچھا۔" طلعت آپا نے ایک گہری سی سانس لی۔
"پھر ایک خبر میں بھی دے دوں تمہیں۔"
"کیسی خبر؟" ذہین کے چہرے پہ استعجاب ابھر آیا۔ طلعت آپا نے چند لمحے سوچا پھر گویا ہوئیں۔

Scanned with CamScanner

"وہ صاحب زادے یہاں آئے ہوئے ہیں جنہیں تمہارے لیے منتخب کیا گیا ہے۔"
"جی؟" ذہین کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

☆☆☆

"جی؟ کیا فرمایا؟" اپنے خیالات میں مگن کبیر ہڑبڑا گیا۔ قبلہ رئیس الزماں نے کچھ کہا تھا مگر کیا کہا تھا؟ وہ بہت تیزی کے ساتھ قیاس کے گھوڑے دوڑا رہا تھا۔
"میں نے کہا میاں، اسٹیشن آنے والا ہے۔ اترنے کی تیاری کر لیجیے۔"
"جی......" کبیر نے ایک گہری سانس لی۔
"میں تیار ہوں۔"
"سامان نہیں لائے اپنے ساتھ؟ زادِ راہ لیے بغیر ہی چل پڑے؟"
"زادِ راہ تو ہے مگر دیکھنے والی نگاہوں سے اوجھل ہے۔" کبیر زیرِ لب بڑبڑایا۔
"کسی کی یاد، چند خواب، ہنسی کے جگنو، امید کی تتلی بس یہی ساتھ ہیں۔"
اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ہر منظر بہت تیزی کے ساتھ نگاہوں سے اوجھل ہو رہا تھا یہ دور ہوتے مناظر اشارہ کر رہے تھے کہ اس کی منزل قریب ہے۔
"کیا واقعی؟ منزل قریب ہے؟" وہ مضطرب ہو گیا۔ یہ زندگی کا عجیب لمحہ تھا۔ منزل قریب آتی بھی محسوس ہو رہی تھی اور دور ہوتی بھی۔
"کیا ہے قسمت میں؟" وہ یکا یک ہی خوف زدہ ہو گیا۔
رئیس الزماں جھکے ہوئے اپنے سامان میں جانے کیا ٹٹول رہے تھے۔ اسٹیشن پر ماموں جان سے سامنا یقینی تھا۔
"وہ کیا کہے گا؟ آخر وہ کیا کہہ سکتا ہے؟"
"اور ماموں ...... وہ کیا کہیں گے؟" وہ سارے خدشات جو وہ راستے بھر سوچتا چلا آیا تھا۔ ایک بار پھر اکٹھے ہو کر اس پر حملہ آور ہو گئے۔
"اتنے پریشان کیوں ہو میاں؟" رئیس چچا اب سیدھے ہو بیٹھے تھے اور بغور اسے دیکھ رہے تھے۔
"سفر کے آغاز میں پریشان ہوا جاتا ہے اختتام پر نہیں۔" بڑے بوڑھوں کی طرح وہ مائل بہ نصیحت تھے۔
"اور جب اختتام ہی کسی انجانے سفر کا آغاز ہو تو انسان کیا کرے؟"
کبیر کھڑکی کے باہر بے مقصد دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

درخت خاموش تھے مگر اتنے بھی نہیں تھے کہ بالکل ہی گونگے بن کر کھڑے ہو جائیں۔ مگر اس وقت آس پاس کے پیڑ بھی گنگ ہو گئے تھے۔ جیسے فرخ ہو گیا تھا۔
بس ایک دبی دبی سی چیخ فاطمہ کی نکلی تھی۔
فرخ نے اضطراری کیفیت میں اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر گویا اسے خاموش کرنے کی کوشش کی تھی۔
"ڈریں مت ہم کوئی جن بھوت نہیں ہیں۔" فرخ نے ملائمت سے وضاحت کی۔ مگر فاطمہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ابھی تک اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے سچ مچ کوئی جن بھوت اس کے سامنے کھڑا ہو۔
"مہمان ہیں غلطی سے یہاں آ گئے تھے۔"
فرخ نے مزید صفائی پیش کی مگر فاطمہ نامی مجسمے میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی نہ کوئی حرکت۔

Scanned with CamScanner

''ہم معافی چاہتے ہیں۔ لیکن اگر آپ یونہی مجسمہ بنی رہیں تو سچ مچ ہمیں خود پہ شک ہونے لگے گا۔''
''ہم جا رہے ہیں۔'' فاطمہ کو یکدم ہی ہوش آیا تھا۔
''آپ چاہیں تو بخوشی یہاں تشریف رکھیں جانا تو ہمیں چاہیے اور ہم جا رہے ہیں۔''
فاطمہ جھٹکے سے مڑی اور بھاگنے کے انداز میں وہاں سے نکلی۔
فرخ نے سر پہ ہاتھ پھیرا۔
''گڑبڑ ہو گئی ہے۔ مگر کہیں زیادہ نہ ہو جائے۔ پتا نہیں کون محترمہ ہیں، کہیں کوتوالی نہ بٹھا دیں۔''

☆☆☆

''ہمیں کیا پتا کون تھا؟ مگر خود کو مہمان بتا رہے تھے۔'' فاطمہ کے حواس ابھی تک قابو سے باہر تھے جب وہ طلعت آپا اور ذہین کے سامنے بیان کر رہی تھی کہ ممانی کی جگہ ایک نوجوان لڑکے کو دیکھ کر وہ کیسی اور کتنی خوف زدہ ہو گئی تھی۔
''مہمان خانے سے غلطی سے اس طرف کوئی آ گیا ہو گا تم اتنی حواس باختہ کیوں ہو رہی ہو۔'' طلعت آپا نے تسلی دی۔ ذہین لاتعلق تھی۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ باغ میں فاطمہ کا سامنا کس سے ہوا تھا؟
''بہت ہی باتونی قسم کے تھے بجائے اس کے کہ غلطی کا احساس ہوتے ہی خاموشی سے چلے جاتے وہ تو وہیں کھڑے کھڑے وضاحتیں کرنے لگ گئے۔'' فاطمہ کا دھڑ دھڑ کرتا دل اب ذرا قابو میں آ رہا تھا۔
''تم اندر دیکھو شاید ممانی وہاں ہوں۔ انہیں میرا پیغام دے کر معذرت کر لینا۔''
''جی اچھا۔'' فاطمہ نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔
''تم نے نام نہیں پوچھا؟ کون تھے موصوف؟'' طلعت آپا نے سوال کیا۔
''ہم؟ نام پوچھتے؟'' فاطمہ کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابل پڑیں۔
''ہم تو خود اتنے گھبرا گئے تھے کہ کیا بتائیں۔ شکر ہے بے ہوش نہیں ہوئے۔''
''ایک تو تم بات بات پہ بے ہوش ہونے کے لیے تیار رہتی ہو۔ چوہا نظر آ جائے تو بے ہوش، کتا آگے سے گزر جائے تو بے ہوش، کسی اجنبی سے سامنا ہو جائے تو چکرا جاتی ہو۔ اتنی حواس باختہ کیوں رہتی ہو۔'' طلعت آپا نے اسے تقریباً ڈانٹ ہی دیا۔ انہیں ایسی چھوٹی موٹی لڑکیاں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ اور خاندان بھر میں انہی کی اکثریت تھی۔
''ہر کوئی تو آپ کی طرح بہادر نہیں ہوتا نا آپا!'' فاطمہ نے دانتوں کی نمائش کی۔
''ہر لڑکی کو بہادر ہونا چاہیے۔ بات بات پہ ہائے اللہ، اوئی اللہ کی گردان اب ختم کر دو تو بہتر ہے۔''
''بڑی دادی جان ٹھیک کہتی ہیں آپ کے متعلق۔''
''کیا؟''
''نئی نانی کو بگاڑنے والی ہیں طلعت خاتون۔'' فاطمہ نے پوپلے لہجے میں اتنے مزے سے نقل اتاری کہ ذہین بھی اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکی۔
''تم لوگ لاعلاج ہو۔'' طلعت آپا نے جیسے ہار مان لی۔
''آداب عرض ہے۔''

☆☆☆

کپڑے میں روئی بھر کے بوانے صدری تیار کی تھی۔ امین نانا کے لیے تحفہ ماشاءاللہ کے لیے لیڈی کریپ کا جوڑا سیا تھا۔ بندو نانی کو دوپٹہ دیا تھا جس کے چاروں طرف کروشیے سے چوڑا چوڑا جال بنایا تھا۔

Scanned with CamScanner

امین نانا اور نانی بھی کبھی خالی ہاتھ نہیں آتے تھے۔ اس بار وہ کھڈی پہ ہاتھوں سے بنا کھیس لائے تھے سفید اور لال خانوں کا گرم کھیس، جو پنجاب کی خاص سوغات تھا ڈھیروں خشک میوہ اور ساتھ وہ اپنائیت، خلوص اور محبت جو اس وقت رشتوں اور لوگوں کے درمیان بہت عام تھے۔

آج گھر میں خاصی چہل پہل تھی، بوا کی بہن اور بھانجی حنیفہ آئی ہوئی تھیں۔ جیا سے اور لاہور والے مہمانوں سے ملاقات کے لیے وہ آج پھر آئی تھیں۔

بچے صحن میں کوڑا جمال شاہی کھیل رہے تھے۔ صحن میں پھرتی مرغیاں بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتیں۔

جیا کا بیٹا بندو نانی کی گود میں تھا۔ انہوں نے بچے کو سامنے لٹایا۔ سرسوں کے نیم گرم تیل سے خوب اچھی طرح مالش کی۔

"روزانہ بچوں کی مالش کرو تو ہاتھ پیر مضبوط ہوتے ہیں۔" مالش کے بعد بچے کو کچھ دیر کے لیے دھوپ میں لٹا دیا۔

بڑوں کی محفل جمی تھی گپ شپ ہو رہی تھی۔ ماضی کی یادوں اور باتوں کو دہرایا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ امیر بیگم کے بھائی عمر بھی محفل میں چار چاند لگانے آ گئے۔ ہاتھ میں کپڑے کا تھیلا تھا۔ وہ جیا کے حوالے کیا کینو اور موسمبیوں سے بھرا ہوا۔ بہن بھانجی کے گھر کبھی خالی ہاتھ نہیں جاتے تھے۔

محفل کے درمیان موسمبیوں کا ڈھیر لگ گیا۔ باتوں کے ساتھ ساتھ یہ شغل بھی چلتا رہا۔ کسی نے ماضی کی شان و شوکت کا ذکر چھیڑ دیا۔

پرکھوں کی حویلیاں، زمینیں، دروازوں پہ جھولتے ہاتھی، سونا اگلتے کھیتوں میں کام کرتے کارندے۔

"بس اب تو باتیں ہی باتیں رہ گئی ہیں۔" عمر ماموں نے ایک آہ بھری۔ "ہاں میاں کبھی ہم بھی یونہی کہانی بن کر رہ جائیں گے۔ ہمارے بچے ان کے بچے ان کہانیوں کو دہرائیں گے۔" امین نانا نے زندگی کا فلسفہ بیان کیا۔

"کون جانے کل کون کہاں ہو۔" بندو نانی گویا ہوئیں۔ "پاکستان بننے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ دیکھو کل کیا ہو۔"

"کیا سچ مچ بن رہا ہے پاکستان؟" امیر بیگم کی بہن نے بھولپن اور سادگی کے ساتھ سوال کیا۔

"نہیں جھوٹ موٹ بن رہا ہے۔ مذاق ہی مذاق میں۔" بھائی عمر نے جیسے بہن کا مذاق اڑایا۔

"تو کیا ہم سب پاکستان چلے جائیں گے؟ ہیں آپا؟"

"ناں یہیں گڑی ہے، کون جائے گا اپنا گھر بار چھوڑ کے؟"

عمر جیسے، قائداعظم اور مسلم لیگ کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے مگر اپنا گھر گاؤں چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا ان کا۔ بڑوں کے اندیشوں اور فلسفوں سے بے نیاز بچے صحن میں اپنے کھیل کود میں مگن تھے۔ زندگی کی اس پہیلی سے بے خبر کہ بھی پیدائش کا مقام، زندگی گزارنے کی جگہ اور ابدی قیام گاہ ایک دوسرے سے طویل فاصلے پر ہوتے ہیں اور برصغیر کے لاکھوں عوام زندگی کی اس پہیلی کا حصہ بننے والے تھے۔

☆☆☆

وقت کے تھال سے انتظار کے سارے سکے ایک ایک کر کے گرتے چلے گئے، تھال خالی ہو گیا اور ریل گاڑی لکھنو چار باغ ریلوے اسٹیشن پر کھڑی ہو گئی۔

مسافر جلدی جلدی اپنے اسباب کے ساتھ ڈبے خالی کر رہے تھے، منزل پہ پہنچنے کی خوشی اکثر چہروں سے عیاں تھی جس نے طویل سفر کی تھکن کو دھندلا دیا تھا۔ شاید کبیر واحد انسان تھا۔ جس کا چہرہ کئی جذبات کا عکس لیے ہوئے تھا۔ خوف، گھبراہٹ اور موہوم سی امید۔

Scanned with CamScanner

رئیس الزماں کا اسباب قلی نے سر پہ اٹھایا ہوا تھا۔ تیز تیز قدموں سے وہ لوگ چلتے جا رہے تھے۔
سامنے سے عبادالرحمٰن ٹہلتے ہوئے آ رہے تھے۔
"کہاں تھے آپ کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔" معانقے اور علیک سلیک کے بعد عبادالرحمٰن نے شکوہ کیا۔
"جہاں ٹرین رکی، وہیں اترے ہیں۔ اسٹیشن سے باہر تو اترنے سے رہے۔" رئیس الزماں نے ترنت جواب دیا عبدالرحمٰن سے بے تکلف دوستی تھی ہاشمی صاحب سے یہ بے تکلفی عزت واحترام کے اندر تھی۔
"ہاشمی صاحب؟"
"باہر موٹر میں بیٹھے ہیں۔ طبیعت ذرا ناساز تھی۔ میں نے اصرار کیا کہ آپ بیٹھیں رہیے میں اندر جا کر مہمانوں کو لے آؤں گا۔"
"معزز مہمانوں کو۔" رئیس الزماں صاحب نے گویا تصحیح کی" بجا فرمایا" عبادالرحمٰن نے سر تسلیم خم کیا۔
اسی نوک جھونک کے دوران وہ تینوں اسٹیشن سے باہر آ گئے۔
کبیر خاموش تھا۔ بالکل خاموش جیسے زندگی میں ایک چپ سی ٹھہر گئی تھی۔
موٹر سامنے ہی کھڑی تھی۔ ہاشمی صاحب باہر نکل کر کھڑے تھے۔ رئیس الزماں کو دیکھ کر ان کے چہرے پہ خیر مقدمی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اگلے ہی لمحے جب ان کے عقب سے کبیر نمودار ہوا مسکراہٹ کی جگہ استعجاب نے لے لی۔
"کبیر میاں...... آپ؟"

☆☆☆

مہمان خانے میں ایسی گہما گہمی تھی کہ جیسے بارات آ گئی ہو مگر فی الحال تو رشتے داروں کی ایک کھیپ آئی تھی۔ جنہیں بارات کا استقبال کرنا تھا۔
"اس شور شرابے میں تو نہ کچھ کہا جائے گا نہ سنا جائے گا۔ باہر چلیں؟" فرخ کی سنجیدگی اب بے زاری میں بدل رہی تھی۔
"آ جاؤ۔" یارغار سعادت نے آمنا و صدقنا کہا اور دونوں ذرا دیر بعد کوٹھی سے باہر تھے۔
صاف ستھری سڑک کے دونوں طرف درخت ایستادہ تھے، جیسے محافظ جو سڑک کی حفاظت کر رہے ہوں۔
یہاں اکا دکا افراد تھے مگر ایسا ہجوم نہیں تھا جو شاہانہ منزل کے اندر تھا۔
"کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں۔"
"مطلب؟"
"مطلب یہ کہ کچھ نہیں ہوا۔ انتظار لا حاصل ساری سعی، کاوش بے سود۔"
"یعنی ملاقات نہیں ہو سکی؟"
"جی ملاقات تو نہیں ہوئی ہاں کسی اور سے آمنا سامنا ہو گیا۔ ایک گھبرائی ہوئی حواس باختہ بی بی مجھے دیکھ کر یوں ڈر گئیں جیسے کسی جن بھوت کو دیکھ لیا ہو۔"
چہل قدمی کرتے ہوئے دونوں کی باتیں جاری تھیں۔
"ناچیز نے پہلے بھی سمجھایا تھا آپ کو، مگر آپ تو پھر آپ ہیں کرنا وہی ہے جو دماغ میں سما جائے۔"
"دل میں...... کرنا وہی ہے جو دل میں سما جائے۔" فرخ نے گویا تصحیح کی۔
"کب سدھریں گے آپ؟"

digest library.com

Scanned with CamScanner

"ہم ایسے ہی ہیں اور جیسے ہیں۔ ویسے ہی رہنا پسند کریں گے۔" ایک شان بے نیازی کے ساتھ جواب دیا گیا۔

"یہ روش ٹھیک نہیں کسی روز نقصان اٹھائیں گے۔" سعادت نے خبردار کیا۔

"وہ زندگی ہی کیا جو سود و زیاں کے خوف سے ڈر ڈر کے گزاری جائے۔"

"ماشاءاللہ کیا کہنے آپ کے زریں خیالات کے تو پھر اب کیا کیجیے گا؟"

"کچھ نہ کچھ تو کریں گے۔ اتنا طویل سفر کر کے یونہی تو نہیں آئے کہ نا کام و نامراد واپس لوٹ جائیں۔" نرخ کا لہجہ اٹل تھا۔

"تو.....کیا کریں گے آپ؟ کل بارات ہے۔ دلہن کی رخصتی کے اگلے روز ہمیں بھی رخصت سفر باندھنا ہے۔ اس عجلت اور کم وقت میں کیا ہو سکتا ہے؟" بھائی سعادت نے بہت پریشان ہو کر دیکھا تھا۔ پھر مزید گویا ہوئے۔

"بہجت آپا ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ سرکش گھوڑے کو لگام ڈالنے کے لیے کوئی ماہر شہسوار ہونا چاہیے اور میرا قیاس یہ ہے کہ۔"

"آپ اپنی قیاس آرائیاں چھوڑیں جی اداس ہے۔ کوئی اچھی سی شاعری سنائیں۔"

"اداسیوں کے شاعر تو میری تقی میر ہیں۔"

"کسی کو بھی سنا دیں بس الفاظ ایسے ہوں کہ دل میں اتر جائیں۔"

"بے فکر ہو جائیں ایسا کلام سنائیں گے کہ ہر مصرعے پہ واہ واہ کریں گے آپ۔" بھائی سعادت نے دعویٰ کیا اور شروع ہو گئے۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

☆☆☆

دھوپ سارے آنگن میں پھیل گئی تھی۔ مہمان جا چکے تھے۔ لاہور والے مہمان بھی روانہ ہو گئے۔ جیا بھی سسرال چلی گئی۔

صبح ناشتے پہ بوا اور آزاد یہ ہی باتیں کر رہے تھے۔ "گھر کی رونق تو انسانوں کے دم سے ہے۔ سب تھے تو کیسی رونق لگی رہتی تھی۔ شور شرابا ہنگامہ اب دوبارہ خاموشی چھا گئی۔" بوا نے ایک آہ بھری۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو بوا، گھر میں اک دم سناٹا چھا گیا۔" آزاد نے پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"رحمت نانی کہہ رہی تھیں کہ لونڈے کا بیاہ کر دو گھر میں بہو آئے گی تو رونق ہو جائے گی۔"

"کون سے لونڈے کا؟" آزاد اک دم چونک اٹھا۔

"یہ لو۔" بوا ہنسیں "کتنے لونڈے ہیں میرے؟ تو ہی ہے بیاہ کے قابل خیر سے چار پیسے بھی کمانے لگا ہے۔"

"ابھی سوچنا بھی نہیں پہلے مجھے کسی قابل تو ہونے دو۔ چار دن حکیم صاحب کے ساتھ رہ کر کوئی حکمت تھوڑی آ جاتی ہے۔ ایک عمر لگتی ہے۔"

"تو کیا بڑھاپے میں بیاہ کرے گا؟ میں نے تو لڑکی بھی سوچ لی۔"

"لڑکی؟ کون لڑکی؟" آزاد بری طرح گڑبڑا گیا۔ نوالے حلق میں پھنسنے لگے تھے۔

Scanned with CamScanner

’’گھر کی بچی ہے میری بھانجی۔‘‘
’’کون حنیفہ؟ میں نہیں کروں گا ابھی کوئی شادی وادی۔‘‘ آزاد بوکھلا کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے بوا ابھی ابھی ہاتھ پکڑ کے قاضی کے سامنے کھڑا کر دیں گی۔
’’اچھا ناشتہ تو ٹھیک سے کر لے۔ میں کون سا ابھی پیغام لے کر جا رہی ہوں۔‘‘
’’بس میں نے ناشتہ کر لیا۔ میں جا رہا ہوں۔‘‘ آزاد نے پھرتی دکھائی اور فوراً ہی گھر سے باہر نکل گیا۔
پیچھے بوا ناشتہ سمیٹتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔
’’ان کے باوا کا تو اس عمر میں بیاہ ہو گیا تھا۔ مگر یہ نئی تانتی؟ الگ ہی مزاج اور نخرے ہیں ان کے۔‘‘

☆☆☆

کبیر کے کچھ کہنے سے قبل مولانا رئیس الزماں آگے بڑھ کے گویا ہوئے۔
’’ارے بھئی یہ باتیں تو راستے میں بھی ہو سکتی ہیں۔ ہم آپ کو ساری تفصیلات بتائے دیتے ہیں۔‘‘
معانقے اور مصافحے سے فارغ ہو کر سب موٹر میں بیٹھ گئے۔ ہاشمی صاحب اور مولانا رئیس الزماں آپس کی گفتگو میں مشغول تھے۔ کبیر کے چہرے پہ سنجیدگی کے ساتھ ساتھ ایک غیر محسوس سا تناؤ تھا۔ جو بہت غور کرنے پر ہی نظر آ سکتا تھا۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ ہاشمی صاحب گاہے گاہے اس پہ نگاہ ڈالتے مگر ابھی تک باقاعدہ کوئی بات نہیں کی تھی یا شاید رئیس الزماں نے اب تک موقع نہیں دیا تھا۔ وہ اپنے سفر کی روداد سنا رہے تھے۔
’’میں تو فکرمند تھا کہ اتنے اسباب کے ساتھ سفر کیسے کروں گا۔ اللہ نے ایک فرشتہ بھیج دیا مدد کے لیے کبیر میاں نے بہت خیال رکھا۔‘‘
’’ہوں۔‘‘ ہاشمی صاحب نے ہنکارہ بھرا۔
کبیر نے اب تک ان سے نگاہ نہیں ملائی تھی۔ جرات ہی نہیں ہوئی۔ مگر ہاشمی صاحب نے اسے مخاطب کیا۔
’’غازی پور کے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟‘‘
’’جی بہت بہتر ہیں۔‘‘
’’کس کے سپرد کر کے آئے ہیں آپ؟‘‘
’’کامل بھائی اور لڈن بھائی ہیں وہاں۔‘‘
’’ٹھیک ہے۔ پھر واپسی پر ہمارے ساتھ دلی چلیے گا۔ باقی معاملات وہیں دیکھ لیں گے۔‘‘
’’جی بہتر۔‘‘ کبیر نے اب تک ان سے نگاہیں ملانے کی جرات نہیں کی تھی۔ تمام راستے وہ سر جھکائے ہی بیٹھا رہا۔

☆☆☆

’’شاہانہ منزل‘‘ میں شور شرابا، ہنگامہ اور گہما گہمی اپنے عروج پر تھی۔ نئے مہمانوں کی آمد نے شور ہنگامے میں اضافہ تو نہیں کیا مگر ایک ہلچل ضرور مچ گئی تھی۔
مغلانی بوا خود کو گھسیٹتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ چہرے پہ مایوسی تھی جسے بڑی محنت سے چھپایا ہوا تھا۔ فرخ میاں کی آرزو پوری نہ کر سکنے کا ملال ان کے چہرے پر بھی تھا۔
ذہین اور طلعت آپا باتیں کر رہی تھیں۔ مغلانی بوا کی آمد پر ان کی آوازیں اور بھی دھیمی ہو گئیں اور ذرا دیر بعد بالکل خاموشی پھر طلعت آپا اٹھ کھڑی ہوئیں۔
’’ہم جا رہے ہیں۔ بعد میں ملاقات ہو گی۔‘‘
ان کے جانے کے بعد ذہین مغلانی بوا کی طرف متوجہ ہوئی۔

Scanned with CamScanner

"کل کے لیے ہمارا جوڑا اور زیور نکال دیجیے گا۔"
"ابھی نکال دوں؟" وہ مستعد ہوئیں۔
"نہیں نہیں اتنی عجلت کی کوئی ضرورت نہیں صبح نکال دیجیے گا۔ اور یہ نورن کہاں ہیں؟ ہمیں کام تھا ان سے، کب سے راہ دیکھ رہے ہیں۔ مگر کوئی خیر خبر ہی نہیں موصوفہ کی۔" ذہین کے انداز میں خفیف سی جھنجلاہٹ تھی۔
"میں دیکھ کر آتی ہوں اس چھلاوا کو۔" مغلانی بوا نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ذہین نے روک دیا۔
"آپ رہنے دیں۔ یہیں کہیں ہوں گی محترمہ، آ جائیں گی۔ یہاں بھی سہیلیاں بھنڈلیاں جوڑ لی ہیں۔ ان ہی کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ آ جائے ذرا یہ "قطامہ" مغلانی بوا کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ قطامہ سچ مچ حاضر ہو گئی۔ چہرے پہ جوش و خروش اور انداز میں ایسی بے تابی کہ صبر کرنا مشکل۔
"کہاں تھی؟ اور اب کیا نئی خبر لے کر آئی ہے؟" مغلانی بوا تو اس کا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ گئیں۔
"کبیر بھائی آئے ہیں۔"
"ہیں ں ں......؟" مغلانی بوا کے ہاتھ سے سروتہ چھوٹ کر نیچے گر پڑا اور ذہین کے ہونٹ بے آواز ہلے تھے۔
"کبیر......!"

☆☆☆

digest library.com

"جی جی...... یہ میرے بھانجے ہیں کبیر چغتائی۔"
ہاشمی صاحب کسی سے اس کا تعارف کرا رہے تھے۔ اور جب سے وہ آیا تھا یہاں یعنی پچھلے آدھ گھنٹے میں بلا مبالغہ درجنوں افراد سے مل چکا تھا۔
"ارے میاں، اب آرام کروا تنا لمبا سفر طے کر کے آئے ہو۔ بعد میں ہو جائے گا یہ ملنا ملانا۔"
ایک مہربان نے مشورہ دیا۔ کبیر نے ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ وہ واقعی تھک کر چور ہو چکا تھا۔ اور یہ تھکن جسمانی سے زیادہ ذہنی تھی۔ وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ہاشمی صاحب چلے گئے تھے۔ کہاں گئے تھے۔ کیوں گئے تھے۔ کب آئیں گے۔ کبیر ہر سوال کے جواب سے لاعلم تھا۔
اف...... کبیر نے سہولت سے پیر پھیلا کر آنکھیں موند لیں اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا۔
"وہ یہیں ہے، قریب، بہت قریب۔" کبیر نے آنکھیں بند کیے کیے ایک خوب صورت احساس کو پوری شدت کے ساتھ محسوس کرنے کی کوشش کی۔
ایک آہٹ ہوئی۔ کبیر نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔
ہاشمی صاحب ایک نوجوان کے ہمراہ کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ کبیر نے جھٹ سے پیر سمیٹ لیے، بڑوں کی موجودگی میں یوں پیر پھیلا کر بیٹھنا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔
"یہ میرے بھانجے ہیں کبیر چغتائی۔"
ہاشمی صاحب نے اس نوجوان کو مخاطب کیا۔
"سارے خاندان سے آج ہی تعارف ہوگا۔" کبیر نے ایک نظر اس خوش شکل اور پُراعتماد نوجوان کو دیکھا اور چہرے پہ مسکراہٹ سجا کر مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ مگر ماموں جان کے اگلے جملے نے اس کے پرخچے اُڑا دیے۔
"اور کبیر یہ فرخ ہین۔ جن سے ذہین کی نسبت طے ہوئی ہے۔"

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Scanned with CamScanner

ام اقصیٰ

مسکراہٹ عید

digest.library.com

"کاش عیدیں اور تہوار کبھی نہ آیا کریں۔" عدینہ نے آنکھیں زور سے میچیں دو آنسو پلکوں کی باڑ سے رخساروں پر پھسلے۔ اسے یاد آیا یہ فقرہ اس نے پہلے بھی بارہا سوچا تھا پچھلی عید پر بھی تو سوچا تھا اور وہ اس فقرے سمیت حیرت کا دن بن گیا تھا۔ اس نے عریشہ کی ننھی سی ہتھیلی کھولی جو مہندی سے سجی تھی۔

وہ گہری نیند میں تھی اور عدینہ کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ نیند نہ ہو خواب ہو تب بھی رات سہل ہو جاتی ہے مگر یہاں تو نہ نیند تھی نہ خواب بس یاد ماضی کا عذاب تھا۔ ناکردہ گناہ کی سزا تھی اور محاسبہ بھی۔

وہ کہاں غلط تھی؟ وہ کہاں صحیح ہوتے ہوئے بھی غلط تھی۔

وہ پوری رات سوچ سوچ کر کسی نتیجے پر پہنچی اور نتیجہ پھر اسے سوچ کے سرے تک لے آتا۔ عدینہ سمجھ نہ پائی اسے حیرت زیادہ تھی یا دکھ۔ اندر ٹھہری بے یقینی جو کبھی بھی یقین کے سرے تک نہ پہنچی تھی۔ اور کل پھر عید تھی۔ کاش عیدیں اور تہوار...... سوچ جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں آٹھہری تھی۔

☆☆☆

دیا آپی کی شادی کے بعد سے عدینہ خود کو زیادہ ہی تنہا محسوس کرتی تھی اب وہ بھی تنہا ہی گئی تھی۔ اماں تو اپنے سوشل ورک، رشتہ مہم اور کسی نہ کسی کے کام آنے میں وقت گزار دیتیں بچی عدینہ تو کالج کا سارا وقت تو اچھا گزرتا مگر گھر آکر بولائی بولائی پھرتی ایسے میں دیا آپی ملنے آتیں تو عدینہ کا اصرار بڑھ جاتا کچھ دن رک جائیں ناں۔

"علی رکنے کی نہیں اجازت دیتے۔" وہ بے بس دکھائی دیتیں۔

"شادی سے پہلے چوبیس سال علی بھائی صاحب کی اجازت کے بغیر رہی ہو ناں۔" عدینہ چڑ جاتی۔

دیا مسکرا دیں۔ "تمہاری بات میں ہی اس بات کا جواب ہے شادی سے پہلے۔"

"تم اپنے لیے کوئی مصروفیت کوئی ایکٹیویٹی ڈھونڈو۔"

"اب پڑھائی کے ساتھ اور کیا ایکٹیویٹی ڈھونڈوں؟"

"کوئی اسکل (ہنر) سیکھ لو یا کوکنگ کورس یا بیوٹیشن وغیرہ۔" دیا آپی کے پاس وافر مشورے تھے۔

"فائنلز کے بعد ہی کچھ کروں گی اپنا۔ یاسر بھی سارا وقت باہر ہوتا ہے دوستوں میں۔ بابا رات گئے آتے ہیں۔ اماں اپنے گھٹنوں کا درد بہلاتی رہتی ہیں۔ اور میں میرے پاس بس دو ہی آپشن ہوتے ہیں یا تو پڑھ لو یا تو بور ہو جاؤں۔" عدینہ روہانسی ہوئی۔

"تمہاری اسٹڈیز ٹھیک جا رہی ہے۔"

"اسٹڈی تو ٹھیک ہی جاتی ہے۔" عدینہ نے برا سا منہ بنایا تب ہی ڈلیوری بوائے کی کال آئی۔ عدینہ نے پیزا آرڈر کیا تھا۔

دیا آپی کی شادی سے پہلے دونوں بہنیں یونہی دوستوں کی طرح رہتیں، اکٹھے بازار جانا، ڈریس ڈیزائننگ کرتیں، کوئی نئی مووی دیکھ لی۔ پرانی دیکھی موویز پہ بات کرلی ایئر پوڈ لگا کر واک کرتے ہوئے گانے سن لیے۔

دیا آپی کی شادی نے تو عدینہ کو بہت ہی تنہا اور بور کر دیا تھا۔

☆☆☆

ناولٹ

Scanned with CamScanner

دیا آپی کی شادی کو سال سے اوپر کا وقت ہو رہا تھا مگر عدینہ کی ابھی تک کوئی دوست نہ بن پائی تھی۔ البتہ اسے معروفیت مل گئی تھی۔ اس کی کلاس کے جی آر نے میٹرک تک کے بچوں کو ٹیوشن دینے کے لیے اکیڈمی بنائی تھی اور عدینہ کو بھی پڑھانے کی آفر دی تھی، فی الحال تو معاوضہ مناسب سا ہی تھا اگر اکیڈمی چل جاتی یقیناً سر عازم معاوضہ دیتے۔

وہ ٹوٹل سات اساتذہ تھے اکیڈمی کے، عدینہ کی کلاس سے تو ان کا جی آر عازم اور وہ تھے باقی دوسرے ڈیپارٹمنٹس سے عازم کے دوست تھے۔ وہ یونی سے آکر تھوڑا ریسٹ کرتی اور پھر اکیڈمی پڑھانے چلی جاتی۔ واپسی پہ اماں کے ساتھ کھانے میں ہاتھ بٹا دیتی۔

فائنل سمسٹر ہونے کی وجہ سے پڑھائی توجہ مانگتی تھی۔ رات دیر تک وہ پڑھتی رہتی۔ یا واٹس ایپ گروپ میں اکیڈمی کے معاملات ڈسکس ہوتے رہتے۔

اس بار دیا آپی ملنے آئیں تو چڑ گئیں۔

"اب تمہارے پاس دو گھڑی بیٹھنے کی بھی فرصت نہیں ہے؟"

"آپ نے ہی کہا تھا معروفیت ڈھونڈو اب ڈھونڈ لی ناں۔" عدینہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ہاتھ میں اکیڈمی کے بچوں کے چیک کرنے والے ٹیسٹ تھے، سامنے لیپ ٹاپ آن تھا، اسائنمنٹس کے پوائنٹس بھی ساتھ ساتھ لکھے جا رہے تھے۔

دیا اٹھیں اور دونوں کے لیے کافی بنا لائیں۔

"اس حالت میں اچھی ہے آپ کے لیے۔"

عدینہ نے سارے ٹیسٹ لیپ ٹاپ ایک طرف رکھ کر دیا آپی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اس حالت میں تو اور بھی بہت کچھ اچھا نہیں ہوتا جو میں کر رہی ہوں۔" دیا اداسی سے مسکرائیں۔

"مثلاً؟" کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے عدینہ نے پوچھا۔

"بہت سارے کام۔ ساس سسر کی خدمت...... دیور نند کے نخرے۔" "کیا بہت کام کرتے پڑتے ہیں آپ کو؟"

"مجھے ہی نہیں سب ہی لڑکیوں۔ آئی مین سبھی شادی شدہ لڑکیوں کو، عدینہ! شادی کنواری لڑکیوں کے خوابوں اور خواہشوں سے الگ ہی چیز ہوتی ہے۔"

"چیز؟" عدینہ کھلکھلائی۔

"مطلب جیسا ہم شادی سے پہلے سوچ رہے ہوتے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

"شادی سے پہلے ہم کیا سوچتے ہیں؟" عدینہ نے جاننا چاہا۔

"تم مذاق اڑا رہی ہو؟" دیا مشکوک ہوئیں۔

"نہیں میں صرف جاننا چاہتی ہوں ظاہر ہے ہر کوئی الگ الگ سوچتا ہوگا نا" اس نے تاویل دی۔

"شادی کا کنسیپٹ سب لڑکیوں کے دلوں میں یہی ہوتا ہے کہ گھومیں پھریں گے، نت نئے کپڑے پہنیں گے۔ گفٹس ملیں گے۔ لانگ ڈرائیو، ہاتھوں میں ہاتھ دے کر واک، رات گئے تک باتیں۔ اپنی مرضی...... مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شادی اپنی "میں" کی مرگ ہوتی ہے۔"

"آپ اتنی مایوس ہیں۔" عدینہ نے ان کے ہاتھ تھامے۔

"مایوس نہیں ہوں۔ حقیقت کا سامنا کر رہی ہوں۔" دیا آپی نے سچ بولا۔

"تو کیا یہ حقیقت تلخ ہے۔"

"تلخ تو نہیں کہہ سکتے البتہ مشکل ضرور ہے۔ زندگی کو صفر سے شروع کرنا مشکل ہی لگے گا۔"

"اور میری بہادر، عقل مند، سگھڑ، سمجھ دار بہن یقیناً جلد ہی اس مشکل پر قابو پا لے گی۔"

"جی بالکل...... بس تمہارے لیے ایک نصیحت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اپنی خواہشیں، خواب، ساتھ ساتھ پورے کرتی رہو۔ شادی کے بعد یہ کچھ نہ چھوڑنا۔"

"اوکے جی۔ آپ کی نصیحت پلو سے باندھ لی ہے۔" عدینہ نے دوپٹے کو گرہ لگائی۔ دونوں کھلکھلائیں۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

سب کے فائنلز اسٹارٹ ہو رہے تھے۔ عازم نے کہا تھا آپس میں ایسے مینیج کرلو کہ کسی کا بھی حرج نہ ہو۔
آمنہ اور عفیفہ نے آپس میں کرلیا تھا۔ واصف اور عتیق نے آپس میں مینیج کرلیا تھا۔
اب بچے عازم، عدینہ اور صفی بچے تھے عازم اور عدینہ ایک ڈیپارٹمنٹ، ایک ہی کلاس میں ہونے کے سبب آپس میں تعاون تو کر نہ سکتے تھے۔ سو عدینہ صفی کے پاس جا پہنچی تھی۔
"چار دن میرے لیے اکیڈمی آنا پاسبل نہ ہوگا۔ آپ کلاسس پڑھا دیں گے؟" عدینہ ڈیٹ شیٹ کو مارک کر کے لائی تھی۔
"زیادہ ایشو نہیں ہے میں ایگزامز کے ساتھ اکیڈمی مینیج کرلوں گا۔" صفی نے کہا۔
"آپ بتا دیجیے جن دنوں نہیں آسکتے؟" عدینہ کو ایسے اچھا نہ لگا کہ وہ اس کی جگہ چار دن پڑھائے اور عدینہ اس کے کسی بھی کام ہی نہ آسکے۔
"ارے نہیں میں نے کہا ناں میں مینیج کرلوں گا بس ایگزامز کے بعد میرا ایک ٹیسٹ ہے شاید اسلام آباد جانا پڑے ان دنوں آپ دیکھ لینا۔"
"اوکے تھینک یو۔ ویسے ٹیسٹ کس سلسلے میں ہے؟" اٹھتے ہوئے عدینہ نے یونہی پوچھا۔
"باہر کی یونیورسٹی میں اسکالرشپ کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے اسی سلسلے میں ہے۔"
"اللہ کریم آپ کو کامیاب کرے۔" دعا دیتی عدینہ باہر نکلی۔
"یہ یاسر بھی بہت ہی لاپرواہ ہے۔" یونی گیٹ کے باہر کھڑی عدینہ بڑبڑائی۔
اچھی بھلی وہ اوبر کروا کے چلی جایا کرتی تھی جب سے بابا نے یاسر کی ڈیوٹی لگائی تھی اسے یونیورسٹی سے پک کرنے کی، اچھا خاصا تنگ ہو رہی تھی کبھی بھی وہ وقت پر موجود نہ ہوتا۔
کافی دیر انتظار کے بعد اس نے یاسر کو کال کی تھی وہ جہاں تھا۔ اس تک آنے میں ایک گھنٹہ لگتا۔ عدینہ نے اوبر کروانے کا کہہ کر اسے آنے سے منع کر دیا۔ دماغ اتنا گرم ہوا کہ بجائے کوئی رائڈ لینے کے وہ پیدل ہی چل پڑی۔
"آئیں میں چھوڑ دیتا ہوں؟" صفی نے اس کے پاس بائیک روکی۔
"کوئی بات نہیں، چلی جاؤں گی۔" عدینہ نے اپنے لہجے کو گرم ہونے سے روکا۔
"میں بھی اکیڈمی ہی جا رہا ہوں۔ آجایئے۔" صفی کے اصرار پر عدینہ سمٹ کر اس کے پیچھے بیٹھی۔ آج یاسر کو تو خوب ڈانٹ پڑواؤں گی۔ دل ہی دل میں وہ مصمم ارادے باندھ رہی تھی۔ میٹرک کلاس کے ایگزامز قریب تھے سو وہ سب یونیورسٹی سے سیدھا اکیڈمی آرہے تھے۔

☆☆☆

یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی عدینہ نے کوکنگ کلاسز میں ایڈمیشن لے لیا بابا تو خوب ہی خوش ہوگئے تھے۔ روز نت نئے کھانے کھانے کو ملتے۔ اماں البتہ ہولتی رہتیں۔ عدینہ اتنی مہنگی چیزیں؟؟
یاسر ہر چار دن بعد دوستوں کو گھر کھانے پر بلانے لگا تھا۔
"اب عدینہ کا کوئی رشتہ وغیرہ دیکھیں۔ پڑھائی مکمل ہوگئی ہے۔ گھرداری سیکھ رہی ہے۔" رات اماں نے بابا سے کہا۔
"اتنی بھی کیا جلدی ہے یاسر کسی کام دھندے سے لگے تو دونوں کا اکٹھا ہی کر دیں گے؟"
"یاسر تو مرد ذات ہے اس کا کیا مسئلہ عدینہ کی بھی مناسب عمر ہے میں دیا کو کال کرتی ہوں۔ رشتے والی کو بھی بلا لیتی ہوں آپ بھی اپنے حلقہ احباب میں دیکھیں۔"
"چلیں پھر جیسے اور جہاں نصیب ہوا۔"
رات دیا آپی آئیں تو کھانا کھا کر بہت ہی خوش ہوئیں۔
"عدینہ یہ سب وہ کھانے تھے جو ویڈیوز میں دیکھتے تھے اور اب کھا رہی ہوں ماشاء اللہ بہت ہی ذائقہ ہے تمہارے ہاتھ میں۔"
"بس آپی کچھ اچھا بنانے کا شوق تھا۔ کچھ کوشش اور کچھ پیسے جو فیس کی صورت اور اجزا کی

صورت لگ رہے۔"
"کتنی دیر کا رہ گیا ہے کورس؟" دونوں بیڈ پہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔
"نیکسٹ ویک ٹیسٹ ہے پھر سرٹیفکیٹ مل جائے گا۔"
"اکیڈمی بھی جا رہی ہو؟"
"نہیں۔ چھوڑ دی تھی۔"
"اچھا کیا...... اب تم اپنے گھر جانے کی تیاری پکڑو۔" دیا نے بتایا۔
"اپنا گھر؟"
"جی اپنا گھر جس کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔" دیا آپی نے چھیڑا تو عدینہ بھی ہنس دی۔
"بابا اماں نے مجھے بھی تمہاری رشتہ ڈھونڈو مہم میں شامل کیا ہوا ہے۔ اب یہ نیا پار لگنے ہی لگے۔"
"آپ تو شادی کے اتنا خلاف ہیں پھر بھی میری کروا رہی ہیں۔"
"خلاف تو خیر میں نہیں ہوں۔"
"جی خلاف نہیں ہیں برائیاں کرتی ہیں۔"
"برائیاں بھی نہیں کرتی ہوں۔ بس یہ کہتی ہوں لڑکیاں جو شادی کے بارے میں سوچتی ہیں ویسا کچھ نہیں ہوتا۔"
"تو شادی درحقیقت ہے کیا؟"
"شادی کا دوسرا نام ذمہ داری ہے اور ذمہ داری جب اٹھائی جاتی ہے تب اصل پتا لگتا ہے ذمہ داری ہوتی کیا ہے؟"
"پھر تو مجھے بھی لگ پتا جائے گا۔" عدینہ نے دیا آپی کی گود میں سر رکھتے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی۔
"بالکل۔" دیا آپی بھی کھلکھلا دیں۔

☆☆☆

خوب صورت عنابی رنگ کے سلک کے ڈریس میں عدینہ خوب ہی جچ رہی تھی۔ آج اس کی بات پکی کی رسم تھی۔ زبانی کلامی ہونے والی رسمیں، تو میک اپ لک کے ساتھ کرن لگے دوپٹوں پہ تحریری صورت آٹھہری تھیں۔ شرمیلی سی مسکان کے ساتھ وہ سب کے بیچ بیٹھی تھی۔ گھر کے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بچے ہونے کی وجہ سے عباس کی ہر رسم میں سب بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ عباس کا ایک بڑا بھائی بھابھی تھے جو الگ رہتے تھے۔ تین شادی شدہ بہنیں تھیں اور والدہ بھی۔ ابھی اس کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو رہی تھی اور عباس کے علاوہ سب موجود تھے۔ سب کا جوش وخروش دیدنی تھا۔
عدینہ نے کن اکھیوں سے دیا آپی کی طرف دیکھا وہ اس کی طرف آئیں۔
"میں جاؤں!" اس نے اشارے سے پوچھا۔
"بیٹھی تحفے وصول رہی ہو اور کیا چاہیے؟" دیا آپی نے سرگوشی کی۔
عدینہ کے ہونٹ پھیلے چھوٹے بڑے سب اس کے لیے گفٹس لے کر آئے ہوئے تھے۔ دو نندیں مختلف شہروں سے آئی ہوئی تھیں جب کہ ایک ان ہی کے شہر میں رہتی تھیں۔ وہ اکیلی ہی تھیں بچے میاں نہیں ساتھ آئے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے جانے کے لیے بھی وہی اٹھی تھیں پھر سب کھڑے ہوئے اور رخصت کی اجازت لینے لگے۔
ان کے جانے کے بعد عدینہ نے سب سے پہلے تو نیٹ کا دوپٹا اتارا پھر سامنے رکھے تحائف اور فروٹ مٹھائی کی ٹوکریوں کو دیکھا۔
"یہ سب کون کرے گا؟" سب پھیلاوے کی طرف دیکھتے اس نے دیا آپی کو دیکھا۔
"ظاہر سی بات ہے جس کے لیے یہ سب آیا ہے۔" کندھے اچکاتے ہوئے انہوں نے کہا۔
"میں تو پہلے ہی بہت تھک چکی ہوں۔"
"فارغ بیٹھ بیٹھ کے۔"
"نئے کپڑے، میک اپ اور مصنوعی پن کر کر کے،" وہ صوفے پر ڈھیر ہوئی۔
"تمہاری یہ حالت اور کلام، عباس کو بھیجتی ہوں۔" دیا آپی نے کیمرہ آن کیا۔
"نہیں نہیں، عدینہ فوراً اٹھی اور دیا مسکرا دی۔
"تمہاری جیٹھانی مجھے تھوڑی تیز لگی ہے۔" دیا

Scanned with CamScanner

آپی نے تبصرہ کیا۔
"اس دور میں بھولا کون ہے؟" عدینہ سارے گلاس اکٹھے کرنے لگی۔
"چھوٹی نند تو بڑی لاڈو رانی بن رہی تھی۔ امی زویا کو دیکھیے گا۔ ابو زیان کو پکڑ لیں اور خود میاں صاحب کے ساتھ سیلفیاں۔" دیا نے آواز باریک نکال کر اس کی نقل اتاری۔
"چھوڑیں آپی! وقت سے پہلے کیا گمان رکھنا۔" عدینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"وقت سے پہلے گمان کر لیں تو بہتی ناؤ کو بچایا بھی جا سکتا ہے۔"
"استغفر اللہ آپی۔" عدینہ نے افسوس سے کانوں کو ہاتھ لگائے۔
"میں جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتی ہوں مجھے اندازہ ہے ان سسرالی رشتہ داریوں کا۔"
"میرا بہرحال جوائنٹ فیملی تو نہیں ہے صرف انکل، آنٹی ہوں گے، ساتھ آنٹی کافی ایکٹو لگ رہی ہیں۔"
"آنٹیاں ایکٹو ہی ہوتی ہیں، بہو آنے کے بعد ان کے جوڑ دکھنے لگتے ہیں۔" دیا نے بے لاگ تبصرہ کیا۔
"شرم کریں آپی۔ ہماری اماں کے بارے میں بھی کوئی ایسا ہی سوچتا ہوگا پھر۔" عدینہ نے کفگیر کے ڈبے اٹھائے اور کمرے میں رکھنے گئی۔
دیا آپی بھی اٹھیں اور اس کی مدد کروانے لگیں۔
☆☆☆
عدینہ کو اس کی چھوٹی نند فارینہ اور جیٹھانی شازمہ نے حجلہ عروسی میں لا کر بٹھایا تھا۔ حجلہ عروسی حقیقتاً حجلہ عروسی تھا سرخ جالی اور گلابوں سے خوب صورتی سے سجا ہوا پھولوں کے اوپر سنہری بتیاں جلتی تھیں۔
ابھی وہ بیٹھی ہی تھی کہ کمرے میں بہت سے لوگوں نے دھاوا بول دیا۔
چھوٹے بڑے سب کسی کے ہاتھ میں موبائل تھا کیمرے آن تھے۔ مختلف پوز کے لیے ہدایات جاری تھیں۔
"آپا گود بٹھائی کی رسم بھی کر لیں پھر عدینہ کو ریلیکس کرنے دیتے ہیں؟" شازمہ بھابھی نے کہا۔
"ہاں ذرا صفی کو بلاؤ۔ وصی تم اٹھو یہاں سے۔" بڑی آپا کی آواز آئی۔
"کیوں بھئی میری بھی تو ممانی ہے میں بھی بارات کے ساتھ گیا تھا، مجھے بھی دو منٹ بیٹھ لینے دیا جائے۔"
"بارات کے ساتھ ہم بھی گئے تھے۔ تم ایسے اترا رہے ہو جیسے دولہا کی گاڑی چلا رہے تھے۔" جواب دینا تو گویا ہر کسی پر فرض تھا۔
"صفی آ گیا۔ ممانی کا پرس ہلکا ہوگا۔" کمرے کے ایک کونے سے تان اٹھی تھی۔
"یہ دلہن اتنی جانی پہچانی سی کیوں لگ رہی ہیں۔" کوئی اس کے قریب بیٹھا عدینہ نے نگاہیں اٹھائیں اور مسکرائی یہ تو صفی تھا۔
"ارے یہ تو عدینہ ہیں۔ ہم اکٹھے اکیڈمی میں پڑھاتے رہے ہیں۔" صفی اونچی آواز میں بولا۔
"تمہاری کلاس فیلو ہے؟"
"صفی بھائی آپ کی دوست ہیں کیا؟"
"تمہارے ڈیپارٹمنٹ کی ہیں؟" کتنے سالوں سے جانتے ہو؟" بھانت بھانت کی بولیاں۔
"عازم کی اکیڈمی میں تین ماہ اکٹھے پڑھاتے رہیں میں اور عدینہ۔"
"عدینہ......ممانی بولو۔" شازمہ بھابھی نے ٹوکا۔
"میں تو عدینہ ہی کہوں گا۔" صفی نے ہاتھ اٹھا کر علی الاعلان کہا۔
"عدینہ کوئی اور ہوتا تو میں اپنی ڈیمانڈ بتاتا مگر آپ چونکہ عدینہ ہیں تو اس رسم کے جتنے بھی عنایت کر دیں گی میں شکر گزار رہوں گا۔"
صفی اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے سر جھکائے نہایت ادب سے گوش گزار تھا۔ عدینہ نے کلچ کھولا اور دو پانچ پانچ ہزار کے نوٹ مٹھی میں نکال کے اس کی مٹھی میں منتقل کیے صفی نے کسی راز کی طرح پکڑے۔ ذرا سی انگلیاں کھول کے دیکھا دونوں ہاتھ باندھ کے آداب بجا لایا۔

"کتنے دیے؟ کتنے ملے؟" ایک شور اٹھا تھا مگر وہ ہاتھ ماتھے پر رکھے باہر نکل گیا تھا۔
شازمہ بھابھی نے فروٹ باسکٹ ٹیبل پر رکھی اور سارے بچوں کو باہر نکالا۔
"میں عباس کو بھیجتی ہوں۔" سارے بچوں بڑوں کو نکالتی وہ باہر نکلیں باہر ایک شور بپا ہوا تھا۔
عدینہ نے ٹھیک ہو کر بیٹھتے کمرے کا از سر نو جائزہ لیا۔
عباس اندر آیا۔ شیروانی اتار کر صوفے پر رکھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہوا۔
"سب سے تعارف ہو گیا ہوگا آپ کا؟"
"جی۔" عدینہ نے سر بھی ہلایا۔
"یہ بچے کیا ذکر کر رہے تھے صفی اور تم کلاس فیلو رہے ہو؟" انداز نارمل تھا۔
"ہم اکیڈمی میں اکٹھے پڑھاتے رہے ہیں تین ماہ تک۔"
"مجھ سے صرف پانچ سال چھوٹا ہے۔ صفی۔" عباس مسکراتے ہوئے بیڈ پر آ کر بیٹھا۔
"تم تو اتنے شور شرابے کی عادی نہیں ہو گی؟" عباس کا اشارہ باہر لاؤنج سے آتے شور کی طرف تھا۔
"نہیں......" اس نے سر ہلایا۔ "لیکن بہت اچھا لگ رہا ہے۔" ساتھ ہی اضافہ کیا۔
"یہ......" عباس نے سیاہ ویلویٹ کیس کھولا۔
"آپ کی رونمائی۔"
عدینہ نے دیکھا گولڈ کا بریسلٹ تھا۔ خود عباس آپ اور تم کے بیچ پھنسا ہوا تھا۔
عدینہ نے داہنا بازو آگے کیا۔
"بچہ پارٹی کہہ رہی تھی منہ دھلوا کے منہ دکھائی دینا۔" عباس بریسلٹ پہناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
عدینہ مسکرا دی۔

☆☆☆

ناشتے پہ خوب ہی گہما گہمی تھی۔ چار میزیں جوڑ کر ایک بڑے ڈائننگ ٹیبل کی شکل دے دی گئی تھی۔ چھوٹے بڑے سب ہی موجود تھے اور خوب ہی انجوائے کر رہے تھے۔
شازمہ بھابھی اپنی پلیٹ ہاتھ میں لیے ٹہل رہی تھیں۔
"ثمینہ آپی، پوری اور دوں؟"
"روزینہ آپی پراٹھا چائے کے ساتھ کیوں کھا رہی ہیں۔ آملیٹ لیجیے ناں۔"
"قارینہ...... موسیٰ کو مجھے پکڑا دیں۔ آپ اچھی طرح ناشتا کریں۔"
"امی جی! ابو جی کچھ اور چاہیے؟"
"عدینہ! یہ آملیٹ لیجیے۔" صفی کے کہنے پر کئی گردنیں مڑی تھیں۔
"لے لیجیے عدینہ ممانی! صفی بھائی نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔" روزینہ آپی کی بیٹی آیت بولی تھی۔
"ضرورت پڑنے پر اپنے ہاتھوں سے بھی بنا لوں گا تمہاری طرح نکھٹو تھوڑی ہوں۔" صفی نے منہ چڑایا تھا۔
"شازمہ بھابھی! آپ عدینہ کو پارلر لے جائیں گی؟" روزینہ آپی نے پوچھا۔
"لے جاتی میری طرف سے تو انکار نہیں ہے لیکن اپنے بھائی جان کا نہیں پتا ہے۔ بچوں کی طرح ہر چیز ان کے آگے رکھنا ہوتی ہے پھر فاطمہ کو بھی رات بخار ہو گیا بہت چڑ چڑی ہو رہی ہے اسی لیے تو اٹھایا نہیں اسے ناشتے کے لیے بھی۔"
"قارینہ کا موسیٰ گود سے اترے تو اسے کوئی کام کہیں۔" روزینہ آپی بولیں۔
"لے دے کر ثمینہ باجی آپ ہی بچتی ہیں۔ صفی تم اپنے ماموں اور ممانی کو پارلر چھوڑ آنا۔ میں ان بچیوں کے ساتھ مل کر گھر سمیٹتی ہوں۔ قارینہ تم اور شازمہ بھابھی میڈ سے کچن صاف کروا دینا۔ امی ابو اپنے کمرے میں چلے جائیں گے بچہ پارٹی اوپر چلے جانا۔" روزینہ نے سب میں ان کی ڈیوٹیز بانٹیں۔
"اوپر اللہ میاں پاس؟" آیت کی زبان پھسلی تھی۔
"اوپر والے پورشن میں۔" روزینہ نے بیٹی کو گھورا۔
عدینہ نے مسکراتے ہوئے سب کو دیکھا۔ تقریباً سب ناشتا کر چکے تھے۔ وہ بھی عباس کے ہمراہ اپنے

digestlibrary.com

بیڈروم میں آگیا۔

"لڑکیاں جوائنٹ فیملی سسٹم سے بہت گھبراتی ہیں لیکن تم دیکھو، مزا بھی تو جوائنٹ فیملی میں ہی آتا ہے۔" صوفے پر عدینہ کے سامنے بیٹھتا عباس کہہ رہا تھا۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔"

"دو تین روز تک سب چلے جائیں گے پھر تم میں اور امی ابو ہی رہ جائیں گے۔" عباس کو سب کے جانے کی اداسی ابھی سے ہونا شروع ہوگئی تھی۔

"بہت دور تو کوئی بھی نہیں رہتا۔ آتے جاتے ہی رہیں گے۔" عدینہ نے تسلی دی۔

"ہاں یہ بھی ہے۔ تم ریسٹ کرلو تھوڑی دیر میں ذرا باہر کے انتظامات دیکھ لوں۔"

عباس اٹھا اور باہر چلا گیا۔

☆☆☆

دیا آپی کی کچھ کچھ باتیں عدینہ کی اب سمجھ میں آرہی تھیں۔ شادی سے پہلے وہ بھی سب کام اپنی مرضی اور خوشی سے کرتی تھی اب ذمہ داری سے کرنے پڑرہے تھے۔ اسے ایک اچھی جاب آفر ہوئی تھی۔

عباس سے مشورے کے بعد اس نے آفس جوائن کرلیا تھا۔ صفی کے آفس میں ہی ایک پوسٹ خالی تھی۔ اسی نے اس کو سی وی بھجوانے کا مشورہ دیا تھا۔ بطور تجربہ اس نے آفس جوائن کرلیا۔ پیکج اچھا تھا۔ صفی باہر جانے کی تگ ودو میں تھا، آفس کے بعد یونی ورسٹی چلا جاتا اس کی زندگی اچھی خاصی مصروف تھی۔

مصروف تو عدینہ بھی بہت تھی۔

صبح کوشش کے باوجود لیٹ ہوجاتی۔ رات کو سوتے سوتے ہی بارہ ایک بج جاتے جس کی وجہ سے صبح لیٹ ہی آنکھ کھلتی امی ابو کو ناشتا بنا کے دینا ہوتا۔ عباس کو آفس کے لیے ریڈی کرنا ہوتا خود کی تیاری۔ ناشتا اور بیڈروم کی صفائی، عدینہ اور عباس کا آفس مختلف سائیڈ پر تھا سو عدینہ نے آفس کے لیے وین لگوائی ہوئی تھی۔

وین کا ہارن بجتے ہی وہ بھاگم بھاگ باہر نکلتی۔

میڈ سب کام کرکے امی ابو کو ہلکا پھلکا کچھ بنا دیتی۔ عدینہ آتے ہی چینج کرتی اور سیدھا کچن میں گھستی۔ جب تک کھانا تیار ہوتا عباس بھی آجاتا کھانا کھانے کے بعد وہ تھوڑی دیر ریسٹ کرتی، کبھی عباس واک یا اسٹریٹ فوڈ کی آفر کردیتا۔

"آج نہیں، بہت تھک گئی ہوں۔" عدینہ کبھی چلی جاتی اور کبھی انکار کردیتی۔

"عباس اس ویک اینڈ امی کی طرف چلتے ہیں۔" کپڑے پریس کرتی عدینہ نے کہا۔

"خیریت ہے؟"

"خیریت ہی ہے، بہت دن ہوگئے۔"

"نیکسٹ ویک اینڈ چلیں گے۔" عباس موبائل میں گم مصروف انداز میں گویا ہوا۔

"اس ویک اینڈ کیا ہے؟"

"امی بتا رہی تھیں اس ویک اینڈ ریاض بھائی بھابھی آئیں گے شاید کوئی ایک آدھ باجی بھی، تو ادھر بھی خوب رونق ہوگی تو مزہ آئے گا۔"

"اچھا۔" عدینہ نے ڈھیلے سے انداز سے کہا۔

کہہ نہ سکی مجھے تو اپنے اماں بابا کے گھر کی رونق مزہ دے گی، یہاں تو ذمہ داریاں ہی ہوں گی۔

ہفتے کی شام عدینہ نے اپنی طرف سے کھانا بنالیا تھا مگر شازمہ بھابھی نے آنے سے پہلے ہی رشین سلاد کی فرمائش کردی تھی۔

عدینہ کچن میں گھسی ابھی سلاد اختتامی مراحل میں ہی تھا جب وہ لوگ آپہنچے تھے۔ عدینہ اپنے کمرے کی جانب بھاگی اس نے گھر والے رف کپڑے ہی پہنے ہوئے تھے۔ تیار ہوکے وہ سیدھی امی ابو کے کمرے میں ان سے ملنے آگئی تھی۔

"عدینہ! یہ تمہارے لیے۔" شازمہ بھابھی نے ایک پیکٹ آگے کیا۔

"یہ کیا ہے؟" عدینہ نے تھامتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میرے بھائی کی پوسٹنگ ہے چکوال میں۔ وہ ریوڑیاں لے کر آئے تھے میں ابو کے لیے لائی تھی ساتھ میں تمہارا اور عباس کا حصہ بھی ہے۔"

"تھینک یو بھابھی! کھانا لگائی ہوں۔"

Scanned with CamScanner

"جگ جگ جیو شازمہ! امو کی سوغاتیں تمہارے ہاتھوں ہی چکھتے ہیں۔" وہ واپس نکل رہی تھی جب امی کی آواز کانوں میں پڑی۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ خوش گپیوں کی آوازیں کچن تک آ رہی تھیں۔ عدینہ برتنوں کا ڈھیر دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی کل میڈ کی چھٹی تھی اور اسی کو یہ سب دھونا تھا۔ ویک اینڈ تو مصروف تھا ہی سنڈے بھی مصروف ترین ہونے والا تھا۔

"اور سنائیں کوئی سین شروع ہوا؟" صفی کے کپ پکڑنے کے بعد رازدارانہ مگر اونچی آواز میں پوچھا تھا عدینہ کا دل دھک سے رہ گیا وہ سب کے بیچ کس سین کی بات کر رہا تھا؟

"کیا سین؟" عدینہ نے لہجے کی لرزش پہ قابو پایا سب ہی متوجہ تھے۔

"لڑائی والا سین، ساس، بہو، چپقلش سازش؟"

"تمہیں مایوسی ہوگی لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔" عباس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دراصل آپ صحیح کردار نہیں نبھا رہے۔ نہ بیوی کے پیچھے لگتے ہیں نہ ماں کی باتوں میں آتے ہیں چہ چہ چہ......" صفی نے اکسایا۔

"تمہیں اس سب سے کیا ملے گا؟" نانی نے ہنستے ہوئے پوچھا تھا۔

"کبھی صلح کروانے آئیں ہم، کبھی نانی کی سنیں کبھی عدینہ کو حق بجانب کہیں۔" صفی نے مقصد جتایا۔

"یہ تو تمہارا خواب ہی رہے گا۔ دن بھر تو عدینہ جاب پہ ہوتی ہے۔ شام میں کام کرے یا لڑائی؟" شازمہ نے کہا تھا۔

"ویسے عدینہ! آپ لوگوں کی اگر آپس میں نہیں بنتی تو سیدھا حل ہے..." صفی نے آفر کی۔

"ویسے ہماری آپس میں اچھی خاصی بن رہی ہے لیکن تم پھر بھی حل بتاؤ۔" عباس نے پوچھا۔

"لاؤنج میں دیوار بھی نہیں کرنا پڑے گی بس آپ لوگوں نے اپنے بیڈروم کو پچھلے صحن کی جانب کھولنا ہے اور پورشن علیحدہ ہو جانا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے......" عباس نے سر ہلایا۔

"حل موجود ہے اور مسئلہ ہے ہی نہیں۔" شازیہ بھابھی ہنسی تھیں۔ تائید میں سب نے سر ہلائے تھے۔

☆☆☆

رمضان میں روٹین بہت اچھی رہی تھی۔ صبح سحری کروا کے عدینہ نماز پڑھتی اور پھر آفس کی تیاری میں لگ جاتی۔ آفس کی ٹائمنگز بھی کم ہوگئی تھیں۔ واپسی پر ایک دو گھنٹے ریسٹ کرتی اور پھر افطار کی تیاری شروع کر دیتی۔

"ایسی روکھی سوکھی افطاری کا تو مزہ ہی نہیں آتا۔ سب لوگ ہوں تو برکت ہوتی ہے۔ اس جمعے کو روزینہ فاریہ کو افطاری پہ بلا لیتے ہیں۔" عدینہ کی ساس فرزانہ نے سب کو تائیدی انداز سے دیکھا ان کا لہجہ مشورہ لینے والا نہیں بلکہ فیصلہ کن تھا۔

"جی امی!" عباس نے عدینہ سے نگاہیں چراتے کہا تھا۔

عباس تراویح پڑھ کر آیا تو عدینہ بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ عباس بھی دوسرے طرف آ کر بیٹھا۔

"تم میڈ سے کہنا، اپنی بیٹی کو لے آئے۔ کٹنگ وغیرہ وہ کروا دے گی۔ میں کچھ فروزن آئٹم لے آؤں گا۔ کوئی اور میڈ وغیرہ نظر میں ہو تو اسے بھی بلوا لینا۔" عباس نے اسے بہلانے کی سعی کی۔

"اگر آپ کو احساس ہے اور اندازہ بھی ہے کہ یہ سب میرے لیے کتنا مشکل ہے تو تب امی کو منع کیوں نہ کر دیا۔" عدینہ نے لہجے کو نارمل کیا۔

"کیسے منع کرتا؟ انہوں نے کوئی غلط بات نہیں کی نہ ان کی نیت بری ہے۔"

"تو پھر مجھے کیوں بہلا رہے ہیں؟"

"مجھے تمہارا احساس ہے تمہارے اوپر برڈن ہوگا۔ بہت کام ہوں گے۔"

"میں کرتی آئی ہوں اور کر بھی لوں گی۔" عدینہ کمبل تان کر لیٹی۔

"ہفتے کو تمہارے میکے چلیں گے؟"

Scanned with CamScanner

عباس نے کمبل کا کونا کھینچا۔
"گروسری کی لسٹ صبح بنادوں گی۔" عدینہ نے کروٹ بدلی۔
عباس کچھ دیر کچھ لفظ جوڑتا رہا پھر تھک ہار کر سو رہا۔

☆☆☆

دیا آپی بھی اپنے ننھے آئد کے ساتھ رہنے آئی ہوئی تھیں۔
"آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا آپی!" عدینہ کی آواز میں یاسیت گھلی۔
"کیا کہا تھا؟" آئد کی ننھی سی مٹھی کھول کر دیا نے اپنی انگلی گھمائی۔
"جب میں نے کوکنگ سیکھی تھی تو آپ نے کہا تھا۔ ہنر کا خراج بھی چکانا پڑتا ہے۔"
"میں تو ہمیشہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔" انہوں نے آئد کو گدگدایا۔
"بالکل ٹھیک کہتی تھیں، شادی ذمہ داری کے سوا کچھ نہیں۔"
"اور اتنی خوب صورت ذمہ داری بھلا کون نہیں لینا چاہے گا؟" دیا آپی نے آئد کو گود میں بھرا۔ "میں ذرا چینج کروادوں اس کو۔"
عدینہ نے صوفے سے ٹیک لگائی۔ "یہ شادی سے پہلے اس کا کمرہ ہوتا تھا۔ اب کتنا پرایا پرایا سا لگتا ہے۔"
"اماں، یاسر کے لیے بھی اب کوئی رشتہ ڈھونڈیں۔ کوئی رونق ہو۔ کوئی خدمت ہو۔" عدینہ باہر آئی اور اماں کو اکیلے کچن میں مصروف دیکھ کر بولی۔
"تمہارے بابا سے کہا ہے۔ جاب تو شروع کرلی ہے یاسر نے مگر اس کی لاابالی طبیعت سے ڈررہتا ہے اسی، لیے تمہارے بابا کہتے ہیں سال بھر دیکھ لو۔"
"دیا کو تو آئد سے ہی فرصت نہیں، تم بھی اتنے دنوں بعد آئی ہو، میں نے کچھ لڑکیاں دیکھی ہیں میرا مطلب ہے میری نظر میں ہیں۔ آج رات فرصت سے ڈسکس کرتے ہیں۔"
"جی کیا کام رہ گیا ہے۔ لائیں میں ہیلپ کروں۔" تھکی ہوئی عدینہ بھی تھی مگر ماں کو اکیلے کام کرتے دیکھ کر رہا نہیں گیا۔
"نہیں ہو گیا ہے سب۔ آؤ تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں ابھی تو افطاری میں خاصا وقت ہے۔"
عدینہ نے ایک لیموں پکڑا اور درمیان سے کاٹ کر دو حصے کیے، چھوٹی سی پلیٹ میں رکھ کر باہر آئی۔
"تمہارا تو روزہ ہے ناں!" دیا آپی نے پہلے پلیٹ کو پھر اسے دیکھا۔
"جی...... یہ سونگھتی رہتی ہوں تو طبیعت فریش رہتی ہے۔" وہ لیموں کو ناک کے قریب لے گئی۔
"تمہاری ساس ساتھ ہیلپ کروتی ہوں گی، تمہاری تو اپنی طبیعت ایسی ہے۔" دیا آپی نے صوفے پر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائیں۔
"انہوں نے جتنے کام کرنے تھے اپنے وقتوں میں کرلیے۔ اب ان کے آرام کا وقت ہے۔"
"لیکن تمہاری تو اپنی طبیعت۔" دیا آپی نے اس کے سراپے پر نگاہ دوڑائی۔
"پہلی بار میں تو پتا بھی نہیں چلتا۔ ہمت ہوتی ہے۔ ایسا میری ساس کہتی ہیں۔ مجھے تو لگ پتا لگ رہا ہے۔"
"تم نے جاب والا بھی پنگا لیا ہوا ہے۔"
"جاب تو ذرا بھی مشکل نہیں۔ سیلری پیکیج بھی اچھا ہے اور برڈن بھی خاص نہیں۔ مہینے میں چار سنڈے کی چھٹیاں ہو جاتی ہیں اور آٹھ دن ورک فرام ہوم ہوتا ہے۔ دو تین لیو بھی مل جاتی ہیں۔"
"عید سے پہلے تم فارغ ہو جاؤ گی ناں۔"
"جی جی...... لاسٹ منتھ اینڈ ہونے والا ہے۔"
"اماں کہاں رہ گئی ہیں؟ افطاری کا وقت ہونے والا ہے۔ آئد سو رہا ہے میں ذرا کچن دیکھ لوں۔ اماں

بے چاری اکیلی کرتی رہی ہیں۔" دیا آپی اٹھیں۔
"کوئی تصاویر دکھانے والی تھیں وہ...... ہمیشہ کی طرح رکھ کر بھول گئی ہوں گی۔"
"میری ہیلپ چاہیے ہو تو بتایئے گا دیا آپی۔"
عدینہ وہیں صوفے پر لیٹی۔

☆☆☆

وہ سلیب پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ باہر ایک ہنگامہ بپا تھا۔ عیدالفطر کا دن تھا۔ اور عباس کے سارے بہن بھائی آئے ہوئے تھے۔ یہ محفلیں تب اچھی لگتی ہیں جب کام بھی سب ہی مل جل کر کریں۔
"تھک گئی ہو؟" عدینہ نے مڑ کر دیکھا۔
شازمہ بھابھی کچن کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ ان کا لہجہ۔ عدینہ نے کھوجا، اس میں احساس سے زیادہ طنز کی آمیزش تھی۔
"نہیں۔" وہ پلٹ کر سیدھی کھڑی ہوئی۔ رانی جھوٹے برتن دھو رہی تھی۔ ایک عارضی ملازمہ چائے بنا رہی تھی۔
"میری ہیلپ چاہیے تو بتاؤ۔"
"نہیں بھابھی شکریہ۔ آپ بیٹھیں۔ میں چائے لا رہی ہوں۔"
"عدینہ! ایک گلاس پانی...... بلکہ میں لے لیتا ہوں۔" صفی اندر آیا تھا۔ پانی پیا اور واپس مڑا۔
شازمہ بھابھی پلٹیں تو صفی کو کرسی لاتے دیکھا۔
"یہ لیں عدینہ! کرسی پر بیٹھ جائیں، کھڑے ہو ہو کر آپ کے پاؤں سوج رہے ہیں۔"
"شکریہ صفی!" عدینہ ممنون ہوئی۔ صفی نے جاتے ہوئے شازمہ ممانی کو اوٹ میں کھڑے دیکھا
ابھی بھی نانی، نانا کی فیورٹ بہو شازمہ ممانی ہیں۔
"رضیہ، چائے تم ہی دے آؤ۔" عدینہ نے کرسی کو ٹیک لگائی۔
"بھابھی! اندر روم میں جا کر ریسٹ کر لیں۔" فارینہ کپ لینے آئی تھی اسے بیٹھے دیکھ کر بولی۔
"رانی برتن سمیٹ لے تو جاتی ہوں۔" عدینہ کو پتا تھا جیسے ہی وہ اندر جائے گی ایک ایک بات کے

لیے اسے پکارا جاتا۔ بہرحال مالکن تو وہ ہی تھی اور اسے ہی سارا اپنا تھا۔ بارہا یہ فقرہ سننے کو ملتا۔
مرد حضرات لان میں محفل سجائے بیٹھے تھے۔ جبکہ خواتین لاؤنج میں تھیں۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے اس نے شازمہ بھابھی اور ثمینہ باجی کو اکٹھے بیٹھے دیکھا۔
"عدینہ! یہ سوہن حلوہ آپ کے حصے کا۔ میں اور ریاض سب کے لیے لائے تھے۔"
"فریج میں رکھ دیں۔" عدینہ میں واپس مڑنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ اس نے وہیں کھڑے سب کے خوش باش کھلکھلاتے چہرے دیکھے پھر ساس کو دیکھا۔
کوئی ستائش بھری نظر، کوئی شکریہ جیسا لفظ، ذرا سا خیال، کوئی احساس بھرا لمس، کوئی دعائیہ کلمات، وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سب کے نزدیک رضیہ اور رانی نے ہی تو سب کیا تھا۔
دل پہ منوں بوجھ آن پڑا وہ بھاری قدموں سے گھسٹتی اپنے کمرے میں آئی۔ تیل کی شیشی لیے بیڈ پر آئی مگر اپنے پاؤں پر خود ہی مساج کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔
"کام تمہارے لیے اچھا ہے۔"
"تمہیں آسانی ہوگی۔"
"ڈاکٹرز ان دنوں زیادہ کام کا کہتی ہیں۔"
"جتنا ایکٹو ہوگی۔ اتنا آسان کیس ہوگا۔"
مختلف فقروں کی بازگشت، آنکھوں میں نمکین پانی کی صورت نکلی۔ عباس اندر آیا۔
"عدینہ......" اس نے آواز دی۔ وہ سوتی بن گئی۔ احتیاط سے دروازہ بند کر کے وہ باہر نکلا۔ یہ جو سسرال میں دھوتیں کرتی لڑکیاں ہوتی ہیں ناں ان کے میکے میں بھی عید ہوتی ہے۔ دو شفاف موتی تکیے میں پیوست ہوئے۔

☆☆☆

ننھی عرشیہ ننھی منی مصروفیات لائی تھی۔ عدینہ کی دوڑیں پہلے سے بھی بڑھ گئی تھیں۔ فرق یہ تھا کہ

اب آفس نہیں جانا ہوتا تھا۔ اس نے ایک سال کی بغیر تنخواہ چھٹی لے لی تھی۔ مگر پھر بھی وہ بوکھلائی ہی رہتی کوئی روٹین بن ہی نہ پاتی، کسی دن ریسٹ کا پلان بھی تو عرشیہ سونے تک نہ دیتی۔ کبھی تفصیلی کام کا پلان کرتی تو وہ پاس سے ہلنے تک نہ دیتی۔

"رانی (میڈ) بھی تو گھر کام والیوں سے گھر سنبھلنے لگے تو گھر کی عورت کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے۔"

"امی! ذرا پکڑیے گا۔" عدینہ لپیٹ لپاٹ کے ساس کو پکڑاتی تو پندرہ منٹ میں ہی آواز آنے لگتی۔

"عدینہ اسے لے جاؤ میرے تو بازو دکھنے لگے ہیں۔"

"یہ آج کل کی لڑکیاں۔ چہ چہ چہ ایک بچی بھی نہیں سنبھالی جاتی۔" اس کی ساس اسے بوکھلایا دیکھ کے بڑبڑاتیں۔

"یہ آج کل کے دادا دادی چہ چہ چہ ایک بچے کو بھی کچھ دیر نہیں سنبھال سکتے۔" وہ غصے سے دل میں سوچتی۔

عرشیہ ایک ماہ کی ہوئی تو اس کے ساس سسر نے اس کے پیدا ہونے کی خوشی میں، گھر میں سب بیٹیوں بہوؤں کے لیے دعوت رکھ لی۔ عدینہ کو پتا چلا تو سر ہی پیٹ لیا۔

پہلے کی بات اور تھی مگر اب عرشیہ کے ساتھ وہ اتنا کام نہیں کر سکتی تھی اور کوئی بھی اس کے ساتھ مدد کرنے کو تیار نہ ہوتا۔ ثمینہ باجی، روزینہ، فارینہ اور شازمیہ بھابھی سمیت ہنے کپڑوں اور میک اپ سے لتھڑے چہروں کے ساتھ ایک دوسرے سے مذاق کرتیں اور مہمانوں والا پروٹوکول انجوائے کرتیں۔ جبکہ جب تک وہ ریڈی ہو کر آتی سب اٹھنے لگتیں۔

سارا دن وہ ماسیوں والا حلیہ لیے رکھتی۔ اسے لگتا تھا اب عرشیہ ہو گئی ہے تو شاید ساس سسر کچھ لحاظ کریں۔ دعوت کم رکھیں یا دعوت میں سب کام سب ہی لوگ مل جل کر کریں مگر بظاہر ایسا کچھ بھی ہوتا نظر نہ آتا تھا۔

عباس رات کے وقت آئے تو عدینہ کا منہ سوجا ہوا تھا۔

"اب بتاؤ میں کیا کروں؟" وہ بھی بے بس دکھائی دیے۔

"تو بتایئے میں کیا کروں؟" عدینہ نے الٹ کر اس سے سوال کیا۔

"تم منع کر دو۔" عباس کو یہی حل سجھائی دیا۔

"میری بچی کے اعزاز میں دعوت رکھی گئی ہے اور میں ہی منع کر دوں؟"

"پھر کیا حل ہے؟"

"کر لوں گی۔ جیسے ہر بار کر لیتی ہوں۔"

"عرشیہ کو میں سنبھال لوں گا۔" عباس نے طفل تسلی دی۔

☆☆☆

دعوت کا دن گویا کوئی شادی کا دن تھا۔ رنگ و نور کا طوفان اتر آیا تھا۔

عدینہ ہمیشہ کی طرح یہی فیصلہ نہ کر پائی کہ اسے تیار کھانا لگانے سے پہلے ہونا ہے یا بعد میں۔ کپڑے نکال کر بیڈ پر پھیلائے پھر اٹھائے اور واپس الماری میں لٹکا کر کر دیے، بیڈ پر سب کا آنا جانا بیٹھنا لگا رہتا وہ کس کس سے کپڑے بچاتی۔

عرشیہ کو بھی نارمل سے کپڑے پہنائے اور عباس کو پکڑا کر کچن کی راہ لی۔

کچھ مسالے وغیرہ تو اس نے پہلے ہی تیار کر رکھے تھے۔ لیکن پھر بھی اچھا خاصا کام تھا۔ جو فیملی آرہی تھی اسے پہلے چائے، چپس اسنیکس بھی ساتھ ساتھ سرو کر رہی تھی۔ میڈ چھٹی پہ تھی۔ ایک بارہ تیرہ سال کی بچی کا بندوبست عباس نے کیا تھا۔

وہ ساتھ ساتھ سارے برتن دھو رہی تھی۔ چکن پیس کو مسالہ لگا کر کل ہی فریج میں رکھ دیا تھا۔ انہیں نکال کر اسٹیم پہ رکھا اور بریانی کی تیاری کرنے لگی۔

"ممانی جان! عرشیہ رو رہی ہے اسے بھوک لگی ہے۔"

"میں آتی ہوں۔" عدینہ نے ایک بے بسی

بھری نظر پھیلے ہوئے کچن پر ڈالی اور جلدی جلدی پیاز کاٹنے لگی۔

"عدینہ، یہ عرشیہ کو شاید بھوک لگی ہے۔"

شازمہ بھابھی بچی کو اٹھائے ہوئے آئیں۔

عدینہ نے عرشیہ کو اٹھایا اور ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ شازمہ بھابھی پہ ڈالی ایک نظر حسرت بن کر لوٹی۔ میرون کلر کے سوٹ میں وہ خوب ہی فریش لگ رہی تھیں۔

عرشیہ کو اسے تھما کر وہ ہیل کی ٹک ٹک کرتے پلٹ گئیں۔ عرشیہ سو گئی تو عدینہ اسے لیے اٹھی۔ بیڈ روم میں لٹانے کی نیت لیے کچن سے نکلی ہی تھی کہ شازمہ بھابھی کی بیٹی آئی۔

"چچی! فارینہ پھوپھو آ گئی ہیں۔"

عدینہ الٹے قدموں پلٹی۔ بائیں کندھے پر عرشہ کو لٹایا اور داہنے ہاتھ سے گلاس میں جوس ڈالنے لگی۔ تب ہی صفی اندر آیا تھا۔

عدینہ! لائیں میں کر دیتا ہوں۔" اس نے جوس کی بوتل پکڑی اور گلاس میں ڈالنے لگا۔

"عدینہ!" شازمہ بھابھی اندر آئیں۔ صفی کو معنی خیزی سے دیکھا۔

"جی!" عدینہ پلٹی۔

"فارینہ کا بتانے آئی تھی۔"

"ممانی! آپ لے جایئے پلیز۔" صفی نے ٹرے شازمہ کو تھمائی۔

"کچھ اور ہیلپ چاہیے تو بتایئے۔" صفی فرصت سے کھڑا ہوا۔

"کر لوں گی۔" عدینہ نے آہستگی سے کہا۔

جن کو خیال احساس کرنا چاہیے وہ تو کرتے نہیں۔" عباس تک کچن میں نہیں جھانکتا تھا۔ بھائی بہنوں کے ساتھ گپ شپ لگاتا رہتا۔

"میں عرشیہ کو لٹا آؤں۔" عدینہ باہر آئی، بیڈ پر احتیاط سے عرشیہ کو لٹایا اپنے ہینگ ہوئے میرون خوب صورت اور اسٹائلش سوٹ کو حسرت سے دیکھا اور کچن میں آئی صفی وہیں کاؤنٹر پر کھڑا تھا۔

"بتائیں اور کیا کرنا ہے؟"

"صفی، میں کر لوں گی۔ آپ جا کر، سب میں جا کر بیٹھو۔"

"میں اچھی کوکنگ کر لیتا ہوں اب تو بطور خاص پریکٹس کرتا ہوں، باہر تو کوئی ماں نہیں ہو گی۔"

"کب جا رہے ہو؟"

"بس نیکسٹ ویک؟"

"نیکسٹ ویک؟ بتایا ہی نہیں تم نے؟"

"بس سرپرائز سمجھو۔ پہلے اتنا ہی وقت ہو گیا تھا کبھی کیا ایشو بن جاتا کبھی کیا۔ ابھی سارے معاملے حل ہوئے ہیں۔"

"بہت، بہت مبارک، ثمینہ باجی تو اکیلی رہ جائیں گی۔ یا تمہارے بابا کے پاس چلی جائیں گی ایبٹ آباد۔"

"آپ کے سامنے شاید ذکر نہیں ہوا مما نے ادھر نانو کے گھر شفٹ ہو جانا ہے۔" صفی نے آہستگی سے بتایا۔ عدینہ نے حیرانی سے دیکھا۔

"اچھا...... واقعی؟" عدینہ ہر بات سے لاعلم تھی۔

"آپ کے پاس اچھا موقع ہو گا درمیان میں دیوار کروا دیجیے گا پچھلے صحن کا گیٹ استعمال کر لینا۔ بالکل الگ گھر ہو جائے گا۔ ایسے عید، دعوتوں پہ مہمانوں کی طرح آیا کرنا۔" صفی کسی سہیلی کی طرح رازداری سے کہہ رہا تھا۔

"شرم تو نہیں آتی۔" عدینہ نے اس کے کندھے پر چپت لگائی اور مڑی تو سامنے عباس تھا۔

"عرشیہ کہاں ہے؟" اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"بیڈروم میں سو رہی ہے۔ کچھ چاہیے؟"

"نہیں۔" وہ پلٹ گیا۔

"اب بتایئے کیا کیا رہ گیا ہے؟"

"بیف کڑاہی بنانا ہے، چکن تقریباً تیار ہے بریانی کی ساری تیاری مکمل ہے۔ سلاد رات کو ہی بنا کے فریج میں رکھ دیا تھا۔ رائتہ ابھی ہاتھ کے ہاتھ بنا لوں گی۔" عدینہ نے ہاتھ جھاڑے، گویا کوئی کام تھا

Scanned with CamScanner

ی نہیں۔

"اوکے۔ آپ بریانی دیکھیں اور ہاتھ کے باتھ رائتہ بنالیں۔ بیف میرے حوالے کریں۔"

"واقعی بنالیں گے۔"

"دعوا کرنے والے باہر گپ شپ لگا رہے ہیں۔ ثبوت آپ کے پاس موجود ہے۔" صفی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عدینہ نے کڑاہی کا سامان اس کے حوالے کیا اور بریانی بنانے کے ساتھ ساتھ برتن نکالنے لگی۔ کھانا لاؤنج میں بیٹھ کر ہی کھالیا جاتا۔ بڑے سب صوفے پر بیٹھ جاتے۔ بچہ پارٹی نیچے کارپٹ بچھالیتی۔ عدینہ تو اتنا تھکی ہوتی کہ سب کو سرو کرنے کے بعد یا کچن میں ہی بیٹھ جاتی یا بیڈ روم میں چلی جاتی۔ شازمہ فارینہ آوازیں لگاتیں۔

"آجائیں عدینہ بھابھی! آپ بھی تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔"

"اتنا ہی احساس ہے تو ساتھ بیٹھ کر بنوا بھی لیا کریں۔" وہ نگاہوں سے زمین پر لکھتی۔

شازمہ بھابھی حسب عادت دو تین بار آئی تھیں ثمینہ آپا بھی آئیں اور کچن کے دروازے پر ناقدانہ انداز میں کھڑی رہیں۔

"بس کھانا تقریباً تیار ہے۔" عدینہ ان کے کچھ دیر کھڑے رہنے سے گھبرائی تھی۔

"یہی تو دیکھ رہی ہوں، کھانا ہی بن رہا ہے ناں۔" ان کا انداز عجیب تلخی لیے ہوئے تھا۔

"کچن میں کھڑے ہو کر اور کیا ہو سکتا ہے امی جان؟" صفی پورا ان کی طرف گھوما تھا۔

"تم باہر مردوں میں جا کر بیٹھو۔ اور عدینہ! کوئی مدد چاہیے تھی تو مجھ سے کہا ہوتا۔"

آپا! میں کر رہی تھی سب کچھ اور تقریباً ہو ہی گیا ہے۔" عدینہ آپا کے لہجے سے گھبرا گئی۔

"یہ برتن لاؤنج میں لے جا کر رکھیے امی!" صفی نے پلٹتے ہی کہا تو عدینہ اور گھبرائی۔

"میں کرلوں گی۔ صفی! جاؤ تم بھی۔" عدینہ آنکھوں میں التجا جبکہ لہجے میں منت تھی۔

دونوں کے جانے کے بعد عدینہ کڑاہی کی جانب متوجہ ہوئی۔ بس چند منٹوں کی بات تھی سب کھانا تیار تھا۔ عدینہ نے بچی سے برتن لگوانے شروع کیے۔

"عدینہ! آپ جائیے ریڈی ہو جائیے۔ میں دیکھتا ہوں۔" صفی پھر سے نمودار ہوا۔

"کیوں میرے لیے مشکل بناتے ہو؟" عدینہ روہانسی ہوئی۔

شازمہ بھابھی اور ثمینہ باجی کی آنکھوں سے ابھرتے تاثرات سے وہ انجان تو نہ تھی۔

"میں تو آپ کے لیے آسانی چاہ رہا ہوں۔ اور یہ آسانیاں پیدل چل کر آتی ہیں ناں ہی اوبر کروا کر۔ یہ ڈھونڈی جاتی ہیں، یہ پیدا کی جاتی ہیں۔ یہ لاؤنج میں جو قہقہوں کی آواز آرہی ہے۔ میں چاہتا ہوں ان میں آپ کی بھی ہنسی شامل ہو۔ رنگوں روشنیوں کی باتیں آپ بھی کریں۔ تہوار، دعوتیں آپ بھی انجوائے کریں۔ رات لیٹتے ہوئے آپ کے دامن میں دن بھر کی خوش گوار یادیں ہوں تاکہ تھکن سے چور وجود۔"

"جیسے تم سوچتے ہو صفی! باقی لوگ ایسا کیوں نہیں سوچتے؟" عدینہ نے خوش گوار حسرت سے اسے دیکھا۔

"تو آپ ہی ان کو باور کروا دیجیے۔ ان کو احساس دلائیے۔" صفی نے اکسایا۔

"احساس دلایا نہیں جاتا، کیا جاتا ہے۔" عدینہ کے لہجے میں تلخی تھی۔

"جہاں کیا نہ جائے وہاں دلانا پڑتا ہے۔ اور احساس دلانا چاہیے بھی۔ فری کی چیزوں، جذبات، خدمات کی، بلا جھجھک قدر نہیں ہوتی۔" صفی اس سے متفق نہیں تھا۔ "جائیے آپ چینج کر کے آئیے میں تب تک برتن لگواتا ہوں۔"

عدینہ اس کی شکر گزار ہوتی بیڈ روم کی جانب آئی۔ اپنا خوب صورت میرون رنگ کا سوٹ پہنا ہلکا

Scanned with CamScanner

پھلکا یک اپ کیا بال سیٹ کیے۔ عرشیہ ابھی تک سو رہی تھی۔ وہ ریڈی ہو کر نکلی۔ سب کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے کئی ایک نظریں لپکی تھیں۔ عدینہ خواہ مخواہ ہی شرمندہ ہو گئی۔

وہ کچن میں کھانا نکال رہی تھی جب شازمہ بھابھی آئیں۔

"عدینہ، لاؤ میں کھانا نکالتی ہوں تم بیٹھو۔"

"میں نکال رہی ہوں۔" عدینہ نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"تم ریڈی ہوئی ہوئی ہو ناں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"ممانی جان آئیے جو کھانا بنا سکتا ہے، وہ نکال بھی تو سکتا ہے۔" صفی اندر آیا۔

عدینہ! رائتہ اور بریانی لے آئیے۔ باقی ہو چکا۔" صفی سلاد کی پلیٹیں اٹھائے باہر نکلا۔ شازمہ بھی خاموشی سے پلٹ گئی۔

"آپ نے نہ صرف سب کے درمیان آ کر بیٹھنا ہے بلکہ کھانا بھی برابر کھانا ہے۔" صفی بریانی کی ٹرے اٹھا کر لے جاتے ہوئے عدینہ کو تاکید کر رہا تھا۔

"اوکے۔" عدینہ نیم رضامندی سے بولی۔ کام مشکل تھا مگر آج یہ بھی کر ہی لیا جائے۔ وہ بریانی کی ٹرے اٹھائے آئی۔ اوپر تو سب جگہ فل تھی وہ بچہ پارٹی کے ساتھ نیچے کارپٹ پر بیٹھی۔

"بھابھی! میری طبیعت ذرا ٹھیک نہیں تھی۔ ورنہ میں آپ کے ساتھ ہیلپ کرواتی۔" فارینہ بولی۔

"آج تو ہیلپ کی خاص ضرورت نہیں تھی عدینہ کو، صفی تھا ناں۔" شازمہ نے بظاہر مسکرا کر کہا۔ مگر ان کا طنز سب تک بخوبی پہنچا۔ عدینہ نے نگاہیں اٹھائیں صفی نے آنکھیں بند کر کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"بیف کڑاہی مزے کی بنی ہے عدینہ!" روزینہ بھی بولی۔

"بریانی بھی تو مزے کی ہے۔" ریاض بھائی بھی بولے۔

"اب یہ پوچھ لیجیے، شکریہ کس کا ادا کرنا ہے عدینہ کا یا صفی کا۔" شازمہ کی پھر سے زبان پھسلی تو لاؤنج میں ایک دم سے معنی خیز سی خاموشی پھیلی۔

"آج پاکستان کا کوئی اہم میچ تھا مرد حضرات تو کھانا کھاتے ہی اٹھ کر، ڈرائنگ روم میں چلے گئے تھے کہ خواتین کی باتوں میں لاؤنج میں تو دیکھنا محال تھا۔

عباس اور صفی بیٹھے ہوئے تھے۔ "میں ابھی آتا ہوں۔" عباس بھی ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

"آینت! اٹھیں برتن کچن میں رکھوانے میں ممانی کی ہیلپ کریں۔" فارینہ نے بیٹی سے کہا۔

"مما......" وہ ٹھنکی۔

"چھوڑیں فارینہ! صفی ہے ناں۔" شازمہ بھابھی نے کہا۔

"ممانی اگر کوئی ایک بندہ عدینہ کا احساس کر ہی رہا ہے تو اسے اس کا جرم مت بنائیں۔ اتنے بڑے ٹبر کے لیے ہمیشہ وہ اکیلی کھانا بناتی ہے، کبھی کسی کو احساس نہیں ہوا۔ آج اگر میں نے ذرا سا کر ہی لیا ہے تو آپ صبح سے مجھے ٹانٹ کیے جا رہی ہیں۔" صفی کو بالآخر غصہ آ ہی گیا۔

"میں کیوں ٹانٹ کروں گی ویسے بھی تم کلاس فیلو رہے ہو، تمہارا احساس بنتا ہے۔ جہاں تک ٹبر کی بات ہے تو ہم تو امی ابو کے لیے آتے ہیں۔ ٹھیک ہے، نہیں آیا کریں گے۔" شازمہ بھابھی چٹخی تھیں۔

"صفی...... تمہاری زبان کچھ زیادہ ہی چلنے لگی ہے۔" ثمینہ آپا غصے سے بولیں۔

"لیکن حق کے لیے چل رہی ہے۔ مما! آپ یہ بھی تو دیکھیں ناں۔"

"ثمینہ آپا ڈرتی تھیں، یہ باہر سے کوئی چاند چڑھا کے نہ آ جائے۔ یہ تو یہیں چاند چڑھا کے جائے گا۔" شازمہ بھابھی کو کون چپ کرواتا۔

صفی باہر نکل گیا۔ عدینہ کی حیرت کو عرشیہ کے

رونے کے آواز نے توڑا تھا۔ عباس لاؤنج میں آرہا تھا۔ جب عدینہ بیڈروم میں جانے کو مڑی تھی۔ عرشیہ کو گود میں لے کر عدینہ بیڈ پر بیٹھی۔ پہلے اگر دنوں میں جسمانی تھکاوٹ ہوئی تھی تو اس بار ذہنی بھی تھی۔ کچھ چبھتی ہوئی باتیں تھیں۔ معنی خیز نگاہیں تھیں۔

کوئی ایک بھی عدینہ کے حق میں نہیں بولا تھا کوئی ایک بھی عدینہ کے لیے نہیں بولا تھا۔ صفی اور اس کی جان پہچان جرم تھی تو صفی کا اس کا احساس کرنا سنگین ترین جرم، اس نے جیولری اتاری اور ویٹ ٹشو سے چہرہ صاف کیا۔

کافی دیر بعد عباس اندر آیا تو اس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی۔

"چلے گئے سب؟" عدینہ نے کافی دیر کی خاموشی کے بعد پوچھا تھا۔

"ہوں۔" وہ کسی غیر مرئی نقطے کو تک رہا تھا۔ عدینہ نے عرشیہ کو لٹایا اور چینج کرنے چلی گئی۔

"آج صفی نے تمہاری خوب مدد کی۔" وہ واپس بیڈ پر آ کر بیٹھی تو عباس کی آواز آئی۔

"احساس کی بات تھی، چلو کسی کو تو ہوا۔" عدینہ نروٹھے انداز میں بولی۔

"خدا کرے یہ احساس ہی ہو۔" عباس بڑبڑایا۔

"تو آپ کے خیال میں یہ احساس کے علاوہ اور کیا تھا؟" اس کا دل صدمے سے ڈھے گیا تھا مگر لہجہ تن کے کھڑا تھا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے؟" عدینہ نے اس کی خاموشی پہ اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"ان سے پوچھو۔ جو باتیں کر رہے تھے۔"

"مجھے آپ کے سوا کسی سے کوئی غرض نہیں۔" عدینہ نے پاک دامنی کا ثبوت چاہا۔

"اب اپنا آنکھوں دیکھا کیسے جھٹلاؤں۔" عباس سر جھٹک کر اٹھا تھا اور باہر نکل گیا۔ عدینہ نے بے یقینی سے دیکھا۔ آنسوؤں کا ایک ریلا آیا تھا گلے کی گلٹی نے سانس روکا تھا۔

رات بے یقینی میں بیتی تھی آنسوؤں سے بھیگی تھی۔ عدینہ نے فیصلے اور سچ جھوٹ کا اختیار وہیں رہنے دیا تھا جو سمجھ میں آیا تھا۔ بیگ میں بھر لیا تھا۔ یاسر کو کال کی تھی۔ جب تک سب اٹھے تھے، وہ گھر چھوڑ چکی تھی۔

☆☆☆

اسے یوں واپس نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ دن بھر سوچتی اور رات بھر پچھتاتی۔

صفی نے بھی جانے سے پہلے کال کی تھی۔

"آپ کو جواز نہیں دینا چاہیے تھا شازمہ بھابھی کو۔"

"میں نے آپ کو کتنا منع کیا، مت ہیلپ کرو۔" عدینہ اس سے بھی شکوہ کر گئی۔

کبھی کبھار اسے اپنا فیصلہ ٹھیک لگتا۔ کوئی بھی تو اس کی حمایت میں نہیں بولا تھا۔ وہ ان سب کی خاطر تواضع کرتی تھی وہ ان سب سے کردار کشی کیسے کرواتی؟

سب سے زیادہ گلہ تو اسے عباس سے تھا وہ عدینہ کے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے۔ ٹھیک ہے اسے غصہ آیا ہوگا تو کیا غصے میں انسان کچھ بھی کہہ دے؟ ہو سکتا ہے اسے بھڑکایا گیا ہو تو بھڑکنے پہ انسان کردار کشی کرے؟ شک کرے؟

صفی کے جانے سے پہلے بھی ایک گرینڈ دعوت ہونا تھی۔ وہ ہو گئی ہو گی، ثمینہ آپا کے گھر ہوئی ہو گی یا ننھیال میں ہی؟

عباس نے اسے کال نہیں کی تھی۔ عدینہ نے بھی کوئی کال نہیں کی۔ جب سب کچھ سوچ کے تھک ہار جاتی تو اسے خود پہ غصہ آنے لگتا۔

ساری غلطی، سارا قصور اپنا لگنے لگتا اور واپس جانے کو پر تولنے لگتی۔ دیا آپی سمجھاتیں۔

"یا تو آنا نہیں تھا، آ گئی ہو تو۔ اب سکون سے رہو۔ بات کو کسی طرف لگنے دو۔ انتظار کرو۔" وہ پھر ... ایسے خود سے جا کر خود کو ارزاں کیسے ...

digest library.com

کر لی؟؟؟

کل پھر بقر عید تھی عدینہ پھر سے اداس ہو رہی تھی۔ کتنے بڑے لوگ تھے۔ کتنے ہی چھوٹے تھے کسی کو بھی اس کا خیال نہیں تھا۔ آنٹی انکل کو تو اب کیا۔ ہی احساس ہوتا تھا کہ ان کے پاس ... تو اب ثمینہ آپا تھیں۔

صفی کا نمبر بھی عدینہ نے بلاک ہی کر دیا تھا۔

عرشیہ کی ننھی سی ہتھیلی پہ اس نے مہندی لگائی تھی۔ وہ ننھا وجود بے خبر سو رہا تھا۔

ضبط سہتے سہتے بالآخر جواب دے گیا۔ کتنے ہی آنسو بے خبری میں نکل گئے سب دوسرے کمرے میں سو رہے تھے۔ اور وہ بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ کبھی ٹہلنے لگتی۔

تب ہی موبائل کی ٹون بجی۔ عدینہ نے دور پڑے موبائل کو دیکھا بے دلی سے آئی اور موبائل اٹھایا عباس کی کال تھی، اس کا دل یکبارگی دھڑکا۔ اس نے فوراً کال اٹھائی۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں عرشیہ کیسی ہے؟ سو رہی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ جی سو رہی ہے۔"

"واپس نہیں آنا تم نے۔"

"میری کسی کو کیا ضرورت؟" الفاظ نرم تھے، لہجہ روٹھا ہوا۔

"ضرورت تو اچھی خاصی ہے۔ کل عید ہے گھر پر دعوت ہے سب مہمانوں نے آنا ہے۔ کھانا بنانا ہے تم نے۔" عباس کے ہونٹوں کے کنارے پہ کتنی شرارت عدینہ کو اسے سامنے نہ پا کر بھی دکھائی دے رہی تھی۔

"اگر صرف کھانا بنانے کا ہی مسئلہ ہو رہا ہے تو میں ادھر سے بنوا کر بھیج دوں گی۔" اس کی شرارت سمجھتے ہوئے بھی عدینہ برا مان گئی تھی۔

"کھانا سرو کرتی ہوئی بھی تو تم چاہیے نا۔"

"ڈھنگ سے تعریف کرنا بھی نہیں آتی، الزام [illegible]

تو اچھا خاصے کا لیتے [illegible] ایک اور [illegible] نے خود کو کرا [illegible]

"الزام کا تو سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اور وہ جو کچھ بول گئے تھے۔"

"وہ سوچا ہوا نہیں تھا جو بول گیا تھا۔ معذرت خواہ ہوں۔"

"او کے معاف کیا۔" عدینہ ہلکی پھلکی ہوئی۔

"بس معاف؟ واپس نہیں آؤ گی۔"

"اگر کوئی لینے آجائے تو سوچا جا سکتا ہے۔" عدینہ اٹھلائی۔

"او کے ریڈی ہو۔ میں لینے آرہا ہوں۔"

"اس وقت؟"

"گئی بھی تو اس وقت تھیں۔"

"وہ صبح کا وقت تھا۔"

"تب بھی سب سو رہے تھے اب بھی سب سو رہے ہیں۔ وقت سے کیا فرق پڑتا ہے۔" عباس کے انداز میں عجلت تھی۔

"اور ہاں یہ مت سوچنا کہ کاموں کے لیے لا رہا ہوں۔ کل ویسے بھی مرد حضرات کا زیادہ کام ہے گھر کھانے کی ذمہ داریاں بھی اس بار مرد حضرات نے بانٹ لی ہیں۔ باربی کیو ہوگا اور انگیٹھیاں ابھی سے سیٹ کر لی گئی ہیں۔"

"صفی نے کہا ہوگا۔" عدینہ کی بات پر عباس کو صفی کی لمبی سی ای میل یاد آگئی جو اس نے آسٹریلیا جا کر کی تھی۔ احساس کسی رشتے کا محتاج تھوڑی ہوتا ہے۔ آخر میں اس نے لکھا تھا۔

"سمجھ کا سرا کہیں سے بھی میسر آئے، بات تو سمجھ آنے کی ہے ناں۔" عباس نے ہلکے پھلکے انداز سے کہا۔

"اچھا میں گیٹ سے باہر ہوں آجائیے۔"

عباس کی بات پر عدینہ نے حیرت سے موبائل کے ایئر پیس کو گھورا۔ پھر خوش گواریت بھری مسکراہٹ سے عرشیہ کو اٹھایا۔

ایک خوب صورت سے بندھن میں بندھا شخص [illegible] عباس خوب صورتی لیے اس کا منتظر تھا۔

☆☆

Scanned with CamScanner

digest library.com

نگوشی جمال

گڈی آپا

"اس ناکارہ سلائی مشین سے جانے میری کب جان چھوٹے گی۔"

گڈی آپا کا غصے سے پارہ ہائی تھا۔ صبح سے ہی شازمہ کی تکرار گڈی آپا سے جاری تھی۔ "جب دیکھو اپنی بیٹی کے کپڑے سلائی ہو رہے ہوتے ہیں۔ میری بھی عنایہ کے چار جوڑے دینے کے دیے پڑے ہیں۔" گڈی سے چھوٹی بہن شازمہ بھی آج

Scanned with CamScanner

1965ء کی جنگ جو کا روپ دھارے، گڈی سے سبقت لے جانے میں مصروف۔

''ساری زندگی زبان درازی کرتا ہی آیا کوئی ڈھنگ کے گن نہ سیکھے، نہ ایسا کون سا مشکل کام ہے سلائی کا جو تیرے بس کا نہیں؟'' گڈی آپا نے شازمہ کے لتے لیے۔

''گڈی! تو ہی ہار مان لے۔ چپ کر جا، ورنہ سے میرے سر سے بھیجا باہر آنے کو ہے،'' ماں جی نے دونوں بیٹیوں کو سرزنش کی۔ ''جب دونوں کو اسی گھر میں رہنا ہے تو بحث کاہے کی۔ دونوں ایک دوسری پہ اپنا دکھ کیوں نکال رہی ہو۔'' اماں گویا ہوئیں۔

جمال دین کے گھرانے کا شمار کھاتے پیتے گھرانوں میں ہوتا تھا۔ پہلی شادی بڑے بھائیوں نے چھوٹی عمر میں کر دی۔ اس کی پہلی بیوی پہلے بچے کی پیدائش پہ چل بسی بچہ بھی مردہ پیدا ہوا تھا۔ دس سال کے بعد بڑی بھاوج کی پھرتیلی سر دُھن بروئے کار لاتے ہوئے اٹھارہ سالہ سائرہ بیگم، بیگم جمال بن کر جمال حویلی میں آن بسیں۔ عمروں کے فرق کو بھی دونوں نے محسوس نہیں کیا اور اچھی خوش گوار زندگی گزارنے لگے۔

وقت کا پہیہ دو سال آگے سرکا اور مسرت جبیں عرف گڈی سائرہ بیگم کی گود میں آ گئی۔ جمال دین مارے خوشی کے پھولے نہیں سمایا۔ پورے خاندان میں مٹھائیاں بانٹیں۔ بڑے بھائی اور بھاوج نے مذاق اڑایا۔

''جمالے! تو باؤلا تو نہیں ہو گیا؟ بیٹی کی پیدائش پہ اتنی خوشیاں۔''

''نہ باجی! ایسا مت بول۔ بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں دیکھنا میری گڈی ایک دن میرا سر فخر سے بلند کرے گی۔''

گڈی کے بعد جمال دین کے گھر اور بچے بھی پیدا ہوئے لیکن گڈی کی اہمیت میں رتی برابر فرق نہ آیا۔ گڈی تھی بھی بلا کی حسین، اس لیے اس کی تائی حسد کرتی تھی۔ گڈی پانچویں کلاس میں آئی تو اس کی پھوپھو خیر النسا بیگم ایک دن جمال دین کے سر ہو گئیں۔

''دیکھ جمال! تو گڈی میرے حفیظ کو دے دے۔ میرا اکلوتا پتر ہے۔ خاندان کی بات خاندان میں رہ جائے گی۔'' خیر النسا نے نجی نظروں سے جمال دین کی طرف دیکھا۔

''آپا ابھی تو گڈی بہت چھوٹی ہے۔ بچے بڑے ہو جائیں پھر دیکھیں گے۔'' دراصل خیر النسا صادق آباد کے ایک گاؤں میں رہائش پذیر تھیں اور رشتے میں کزن لگتی تھیں۔

خیر النسا تو چار دن سے پڑاؤ ڈالے اپنا فیصلہ صادر کر کے صادق آباد والی گاڑی میں سر پہ صندوق دھرے روانہ ہو گئیں۔ اماں سوچوں میں غرق، جمال نے مسکرا کر بیوی سے کہا۔

''بھلیے لوکے! کیوں پریشان ہے۔ تیری مرضی کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔''

☆☆☆

مڈل میں آتے ہی گڈی نے اچھا قد کاٹھ نکالا۔ خاندان کے کچھ اور لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جمال کی سگی بہن نے اپنے بیٹے کا رشتہ ڈال دیا۔ اس بار جمال دین پریشان ہو گیا۔ اس کے بھانجے اوباش ٹائپ کے تھے۔ کسی تقریب میں گڈی کو دیکھ کر اس کا بیٹا فریفتہ ہو گیا۔ حالانکہ اس پھوپھو کی طرف دونوں خاندانوں کا آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ یہ خبر خیر النسا کی طرف پہنچ گئی اور وہ اپنی نند زینب بیگم اور شوہر کے ہمراہ جمال دین کے گھر آ دھمکی۔

آٹھ دن بیٹھے رہے اور ہاں کروا کے بجے۔ لاڈلی بیٹی کا اتنی دور رشتہ کرنے پہ اماں جی دل سے راضی نہیں تھیں لیکن شوہر کی ہاں میں ہاں ملائی اور رشتہ پکا ہو گیا۔ دھوم دھام سے منگنی ہوئی۔ جمال دین کی سگی بہن بلقیس خانم نے شرکت نہ کی اور ساری زندگی کے لیے قطع تعلق کر لیا۔

☆☆☆

ابھی ایک ہی سال گزرا تھا گڈی کے سرالیوں نے شادی کی تاریخیں طے کرنے پہ زور ڈالنا شروع کر دیا۔

"یا جمال بفکر کس بات کی ہے؟ گڈی میٹرک کے پیپرز وہاں دے لے گی کون سا پرائے گھر جا رہی ہے۔"

زینب نے پیار بھری دھونس جمائی۔ تاریخ رکھ دی گئی کچھ دنوں بعد گڈی کے سسرال والے جیولری، کپڑے وغیرہ کا ناپ لینے آئے ساتھ شوشا چھوڑ گئے۔

"سامان جہیز مت دیں۔ سفر لمبا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔"

"نہ بہن! میں نے کچھ تیاری کر لی ہے باقی کر لیں گے۔" اماں بولیں۔

"اس کا بھی ایک حل ہے میرے پاس۔" پھوپھو کی نند زینب بیگم بولیں۔

"وہ کیا بہن؟" سائرہ بیگم تشویش آمیز لہجے میں بولیں۔

"آپ لوگ فرنیچر اور کچھ الیکٹرونکس کا سامان نہ لیں۔ نقد کیش دے دیں ہم صادق آباد اچھی مارکیٹ سے خرید لیں گے۔ بات تو ایک ہی ہے۔ لیکن سامان محفوظ رہے گا۔" زینب کا لالچ زبان پر آ گیا۔ گڈی کی ماں نے جیولری بستر، کپڑے اور کچھ سامان تیار کر رکھا تھا۔ بار بار مجبور کرنے پہ جمال دین متفق ہو گئے۔

اس سامان کے علاوہ باقی سامان کے لیے نقد کیش ادا کر دیا۔ گڈی کے بھائیوں نے باپ کا ہاتھ بٹایا حالانکہ اکرم اور اسلم ابھی خود بچے تھے، آپا گڈی کی شادی پہ جوش و ولولہ عروج پہ تھا۔

گڈی موم کی گڑیا بنی۔ گاجری رنگ کے غرارہ سوٹ میں گاجر بنی صادق آباد کی منتظر بس ہموار ہچکولے کھاتی سسرال آ گئی۔

☆☆☆

حفیظ گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ بڑی تین بہنیں ابھی کنواری تھیں بس اچھا رشتہ ہاتھ سے نکل جانے کی غرض سے زینب بیگم نے اپنی بھولی بھالی خیر النسا کو آگے کر کے جلد حفیظ کی شادی کر دی۔

حفیظ احمد ابھی ایف اے کا اسٹوڈنٹ تھا۔ گڈی کے ساس اور سسر کی گھر میں کوئی اوقات نہ تھی۔ پورے گھر کی سرداری زینب بیگم کے ہاتھ تھی۔

جمال دین کا سرسری سا آنا جانا تھا گھر کے ماحول کو اچھی طرح پرکھ نہیں سکا۔ گڈی کی اماں ایسی سادہ لوح خاتون تھیں کبھی یہاں آئی نہیں۔ گھر کے ہر فرد کو زینب خرچا دیتی اور باز پرس کرتی۔ زمینوں سے جتنی آمدنی آتی سب زینب کے پاس۔ زینب کے ساتھ اس کے چار بھائی اور ایک یتیم بھتیجا رہائش پذیر تھے۔ سوائے خیر النسا

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

کے باقی سب کنوارے۔ زینب نے بھی اپنا گھر نہ بسایا۔ شادی کی اگلی رات واپس آ گئی اور طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن۔ خودمختار ضدی اور ہٹ دھرم، طلاق کے بعد دوبارہ شادی نہیں کی اور نہ ہی باقی بھائیوں کے گھر بسائے۔

☆☆☆

آہستہ آہستہ گڈی کو احساس ہونے لگا۔ یہاں تو ہر طرف زینب بیگم کی حکومت ہے نازو نعم سے پلی گڈی سارا دن کاموں میں گھن چکر بنی رہی شوہر نامدار کالج چلے جاتے۔

"حفیظ! میں نے پیپرز دینے ہیں داخلہ بھیج دو" گڈی نے ڈرتے ڈرتے شوہر کو مخاطب کیا۔

"بس بی بی! پڑھ لیا جتنا پڑھنا تھا کرنا تو ہانڈی چولہا ہے۔ کون سا افسر بن جائے گی۔"

زینب بیگم تنتنا کر برس پڑیں۔

اور گڈی نے ساری رات سسکیوں میں گزار دی۔ رہی سہی کسر بڑی دونوں نندیں باجی نصرت اور کشور پوری کر دیتیں۔ گڈی نے ہونٹ سی لیے اور اماں ابا کو بھنک نہیں پڑنے دی۔

ابھی شادی کو ایک سال ہوا اور زینب بیگم نے شور مچا دیا۔

"ہائے ہائے! سال سے اوپر ہو گیا حفیظ کے ساتھ جن کی شادیاں ہوئیں باپ بن گئے اور جمال نے یہ بنجر زمین ہمارے پلے باندھ دی۔"

گڈی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی۔

سال میں دو بار میکے آئی۔ "گڈی کے ابا! گڈی اپنے گھر خوش نہیں لگتی۔"

سائرہ بیگم نے اپنی تشویش ظاہر کی۔ لیکن گڈی نے سب اچھا ہے کہہ کر بات ٹال دی۔

اپنے سے چھوٹی شاہانہ اور شازمہ کو دیکھ کر چپ کر گئی کہ کہیں میرا گھر خراب ہونے سے ان کی زندگی نہ خراب ہو جائے۔ ظلم کی چکی میں پستا گڈی کا مقدر ٹھہرا۔

بیٹی رحمت ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن نصیبوں سے لڑا نہیں جا سکتا۔ گڈی پھر سے سسرال چلی گئی ماں باپ کے چہروں پہ سوالیہ نشان چھوڑ کر۔ جمال دین بیٹی کا چہرہ دیکھ کر خود بھی مرجھا سا گیا۔

☆☆☆

گڈی نے زینب بیگم کے اصولوں پر زندگی ڈال دی، شوہر کی ڈور تو پہلے ہی زینب خاتون کے ہاتھوں تھی۔

"حفیظ، مجھے پڑھنے دیں۔ گھر کے سارے کام میں کر لیتی ہوں پھر میری پڑھائی پہ اعتراض کیوں؟"

"جو پھوپھو کہتی ہیں۔ اس گھر میں ہوتا وہی ہے۔ اماں کو دیکھ لو کبھی ان کے فیصلوں کے خلاف جانے کی جرات نہیں کی۔" حفیظ منمنایا۔

"میرے ابو کو اگر پتا چل گیا۔ یہاں میرے ساتھ یہ ہو رہا ہے تو وہ کتنا ہرٹ ہوں گے میں ان کی عزت کی لاج رکھ رہی ہوں۔" گڈی روئی نہیں لیکن اسے لگتا تھا وہ رو دے گی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں، لیکن میں بھی مجبور ہوں میری پوزیشن تمہارے سامنے ہے۔ ابھی میرے پاس کوئی نوکری نہیں پھوپھو کی ہر جائز ناجائز بات ماننا ہماری مجبوری ہے۔" رات دیر تک حفیظ احمد گڈی کو حوصلہ دیتا رہا۔

اچھے دنوں کے انتظار میں گڈی دن بدن سوکھ کر کانٹا بنتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

ایک دن اچانک تپتی دوپہر میں، کام کرتی گڈی بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ زینب نے کھڑکی کی اوٹ سے دیکھا اور انجان بن کر چارپائی پہ لیٹ گئیں۔

باجی کشور اور نصرت زمینوں پہ کپاس چنائی کر کے گھر داخل ہوئیں اور صحن میں کپڑوں کے تار کے پاس گری گڈی کو اٹھایا۔ شور پہ زینب بیگم کمرے سے وارد ہوئیں۔

"کیا غضب ہو گیا جو اتنا شور مچا رکھا ہے۔ میری طبیعت کا خیال کر لیا کرو۔ ابھی گولی کھا کر سوئی تھی۔"

"گڈی بھابھی بے ہوش ہو گئیں۔ ڈاکٹر کو بلا لاؤں؟" نصرت فوراً بولی۔

"ایسے بی بی، رہنے دے گرمی کا ہلکا سا چکر ہے ٹھنڈا پانی منہ پر پھینکو۔" زینب کی بے حسی عروج پر تھی۔

چھوٹی نند نوشابہ دل کی اچھی تھی کسی کی پروا کیے بغیر وہ بھاگ کر گاؤں سے لیڈی ڈاکٹر بلا لائی

"ایسی حالت میں احتیاط کرنی چاہیے۔" ڈاکٹر بولی۔

زینب بیگم کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھیں۔

"کیا مطلب؟ ایسی حالت؟"

"آپ کی بہو پریگنٹ ہیں، آپ کو نہیں معلوم۔ اس کا شوہر کہاں ہے؟"

"بھائی! اس وقت یونی ورسٹی ہیں۔" نوشابہ بولی۔

پھر نوشابہ نے بھابھی کا ہاتھ پکڑا اور کمرے میں پنکھا چلا کر لیٹا دیا۔

"آپ اپنے حق کے لیے آواز کیوں نہیں اٹھاتیں؟"

"کیا بولوں نوشابہ، جب تمہارے بھائی میرے ساتھ نہیں کھڑے۔ پھوپھو کے فیصلوں پہ کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔" گڈی کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

گڈی کا ساتواں مہینہ چل رہا تھا جب اس کے والدین اسے اپنے ساتھ لینے آ گئے۔

زینب بیگم نے فون کھڑکا کر گڈی کے والدین کے کانوں میں یہ بات ڈال دی۔

"ہمارے یہاں یہ رواج ہے بہوویں پہلے بچے کی پیدائش میکے میں کرتی ہیں۔" زینب بیگم کی بات کی تائید کرتے ہوئے گڈی کے والدین

اسے اپنے گھر لے آئے۔ گڈی کے کانوں میں زینب بیگم کی کچھ دنوں پہلے والی باتیں کھنک رہی تھیں۔

"دیکھ بی بی اتنے پوتا چاہیے۔ ہمارے خاندان کا پہلا وارث بیٹا ہی ہونا چاہیے۔" خیر النسا اس گھر میں اس مقام مرتبے پر اس لیے نہیں پہنچ پائی کیونکہ اس نے پہلے تین بیٹیاں پیدا کیں۔ پھر کہیں جا کر ایک بیٹا پیدا کیا۔ اس کو میں نے پالا پوسا ہے۔ خیر النسا نے صرف پیدا کیا ہے۔ اس کی اصلی ماں میں ہوں۔ ساری زندگی میرا فرماں بردار رہے گا۔" سنسنی سی گڈی کے وجود میں دوڑی۔

☆☆☆

"باجی آ گئی!" سب چھوٹے بہن بھائی والہانہ انداز سے گڈی سے لپٹ گئے۔

"باجی آپ! جلدی کیوں نہیں آتیں؟ مجھے شاہانہ آپا کہانیاں نہیں سناتیں۔"

آنسوؤں سے لبریز آنکھیں لیے چھوٹا بھائی صائم گڈی سے لپٹ گیا۔ نمی گڈی کی آنکھوں میں جھلملا گئی۔

"اب بہت سارے دن آپ ہمارے ساتھ رہیں گی نا......؟"

ننھی شازمہ سوالیہ نشان بنی گڈی آپا سے مخاطب تھی۔ "بہت سارے دن رہوں گی۔"

گڈی نے مسکرا کر صائم اور شازمہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنے کمرے میں آ کر اک سکون محسوس کیا۔

صبح فجر کی نماز پڑھ کر گڈی اماں کے پاس آ گئی۔

"کیا بات ہے گڈی؟ کوئی خوشی تیرے چہرے پہ مجھے نظر نہیں آتی، تو اپنے گھر میں خوش تو ہے، حفیظ تیرا خیال رکھتا ہے۔"

"ٹھیک ہوں اماں!" آنکھوں کے گوشے پانیوں سے لبالب بھر گئے۔ ماں کا دل کٹ کر رہ گیا جو خدشات تھے آج گڈی کی آنکھوں نے سچ

digest-library.com
Scanned with CamScanner

ثابت کر دیے۔ منہ پر دوپٹہ دھرے اماں کتنی دیر سسکتی رہی۔ بیٹیوں کے دکھ بھی عجیب ہوتے ہیں ماؤں کے جگر چھلنی کر دیتے ہیں۔ ابھی رات ہی تو گڈی اماں کی گود میں سر رکھ کر پوچھ رہی تھی۔

''اماں، کیا میرے ہاں بیٹا ہی ہوگا ......؟''

پھوپھو زینب کا سپاٹ لہجہ اور درد بھی۔

''اگر بیٹی پیدا کی تو گڈی، اس گھر کے دروازے پہ دوبارہ مت آنا۔'' سسرال میں صرف اس کی ساس خیر النساء کے علاوہ کوئی ہمدرد نہیں تھی! کہ شوہر بھی زینب بیگم کے اشاروں پہ چلتا ہے۔ بھی خیر النسا کی حیثیت تو اس گھر میں نوکروں سے بھی گئی گزری تھی۔ رشتہ مانگنے صرف فارمیلٹی کے لیے ہی خیر النسا کو اہمیت دی گئی تھی ان کا اصل مقام گڈی نے وہاں دو سال گزار کر اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔

شام کو گڈی حویلی کی چھت پر آ گئی۔ میرے بابا کی حویلی، دیواروں پہ ہاتھ پھیرتے آہیں بھرتی رہی۔ ''میں تو یہاں کی راج دلاری تھی۔ اللہ جی! کیسے نصیب پائے میں نے۔''

آہٹ پہ پیچھے مڑ کر دیکھا صائم چپ چاپ گڈی آپا کو تکے جا رہا تھا۔

یہ تو میری وہ گڈی آپا نہیں جو مجھے اٹھایا کرتی تھی۔ اس کے پاس رات رات بھر کہانیاں سنا کرتا تھا۔ ننھے سے دماغ میں طوفانوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ آپا تو ہر وقت کھلکھلاتی پھول پرندوں سے کھیلتی، صحن میں رونق لگائے رکھتی تھی۔ اپنی دوست نسرین کے ساتھ گڈی گڈے کے کھیلوں میں مگن۔ سلیقہ شعار، ذہین و فطین گڈی آپا اب یہ اجڑی لاش۔

''گڈی آپا! رات ہونے والی ہے آئیں نیچے چلتے ہیں ابا بھی زمینوں سے آ گئے ہیں سب پہلے کی طرح ساتھ میں کھانا کھاتے ہیں۔''

گڈی نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائی اور صائم کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

اماں کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔ مٹی کی ہانڈی میں لکڑی والے چولہے پہ پکے گوشت ساتھ میں گڈی کے پسندیدہ گڑ والے چاول۔

''آپا! اب میں بھی گڑ والے چاول بنا لیتی ہوں، اماں نے مجھے سب سکھا دیا ہے۔''

منجھلی بہن شاہانہ خوشی خوشی بتا رہی تھی اور جمال دین اپنی بیٹی کے کھردرے ہاتھ جو کبھی سفید اور نرم و ملائم ہوا کرتے تھے، تکے جا رہا تھا۔ بمشکل دو نوالے منہ میں ڈالے اور نمکین کسی اک گھونٹ گھونٹ اتار رہے تھے۔

☆☆☆

صبح سے گڈی کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ اماں نے گاؤں کی ہیلتھ ورکر کو بلوایا۔ اس نے بڑی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا کہا۔ وسوسوں اور تکلیف میں پور پور ڈوبی مسرت نسیم ہسپتال پہنچ گئی۔ ننھے بچے کی قلقاریوں سے گڈی بیدار ہوئی۔ ڈری سہمی۔ نرس ہاتھوں میں ننھا وجود تھامے۔

''مبارک ہو! ماشاء اللہ سے بیٹی ہوئی ہے۔''

اور گڈی کو یوں لگا پورے ہسپتال کی چھت اس پہ آ گری۔

☆☆☆

سائرہ بیگم نانی بن گئیں اور جمال نانا۔ خوشی سے دونوں کے چہرے تمتما رہے تھے۔

''دیکھو گڈی! یہ ننھی پری تم ماں بن گئی ہو۔''

''ماں......آں میں بھی آج ماں بن گئی۔''

ایک عجیب پر کیف احساس اپنی جنت کو گود میں لے کر گڈی زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ فرط اشتیاق سے ننھے سینے سے لگائے جانے کتنے لمحے بیت گئے۔

''میں ابھی حفیظ احمد کو فون کرتا ہوں۔''

''نہیں ابا نہیں، ابھی نہیں......!'' ہذیانی کیفیت گڈی پہ طاری ہو گئی۔

''یونہی کبھی وہ باپ بن گیا۔ اسے اس

digest.library.com

وقت یہاں ہونا چاہیے تھا۔"

"ابا، گھر جا کر بتا دیں گے۔"

"جیسے تو کہے پتر......!"

اطلاع نہ ملنے پر گڈی کے سسرال میں بالکل خاموشی۔ گہری چپ ابا نے فون پر حفیظ احمد سے پوچھا۔

"بیٹا! آ جاؤ تیری بیٹی کا نام رکھنا ہے۔"

"انکل کوئی سا بھی رکھ لیں ہمیں آنے میں کچھ دن لگیں گے زینب پھوپھو ٹھیک نہیں ہیں۔ ہم کچھ دن میں چکر لگائیں گے۔"

راہ تکتے تکتے تیس دن بعد ننھی پری کو نانا اور ماموں نے زوباریہ کی شناخت سے نواز دیا۔

☆☆☆

پھر ایک دن اچانک اطلاع دیئے بغیر جب زوباریہ سوا مہینے کی ہو گئی، زینب بیگم، ہمراہ زوباریہ کی کشور پھوپھو اور نام نہاد والد حفیظ احمد دو سستے کھلونے کچھ گھٹیا سے تحائف سمیت آن دھمکے۔ اک شور، طوفان سا بھانت بھانت کی آوازیں۔ سینہ کوبی کرتی زوباریہ کی پھوپھو اور حفیظ احمد کی پھوپھو۔

"ہائے ہائے! ہمارے سب ارمانوں پہ پانی پھر گیا کیسے چاؤ سے ہم نے بیٹے کی خریداری کی نصرت نے اپنے ہاتھوں سے سویٹر بنا، بھتیجے کے لیے اور دیکھو آئی کیا پھر وہی بیٹی......"

اس گارے مٹی سے بنے کچے مکان میں رہنے والے ایمان کے کچے ہی نکلے۔ واویلا کرتے یہ نہیں سوچا کہ ہم بھی بیٹیاں ہی ہیں۔ اور کسی بیٹی کی ہی یہ تخلیق ہے۔

گڈی کسی مجرم کی طرح ایک کونے میں ایستادہ۔ حفیظ احمد خاموشی کا لبادہ اوڑھے جو سکھا کر لایا گیا تھا صوفہ پہ بیٹھا نظریں جھکی اور تائی اماں کی زہر آلود مسکراہٹ۔

"بہن زینب اب بس بھی کرو اتنی دور سے سفر کر کے آئی ہو آؤ میرے ساتھ کچھ آرام کر لو۔"

تینوں نفوس تائی کی رہنمائی میں اس کے پورشن میں داخل ہو گئے۔

"ابا! آپ یہاں دیوار کے ساتھ کیوں بیٹھے ہو۔"

"کتنے صبر والی ہو اتنے عرصہ سے اذیت میں مبتلا ہو۔ ابا ہوں تمہارا، کیوں پرایا کر دیا۔"

"نہیں ابا...... امیں بہت خوش رہی ہوں۔"

"تمہارا نام میں نے مسرت رکھا۔ پر خوشیاں نہ دے سکا۔ یہ کیسا فیصلہ کیا میں نے تیرا مقدر بگاڑ دیا۔"

"آپ دنیا کے سب سے اچھے ابا ہو۔ میں کہہ رہی ہوں نا۔"

"میری پھول سی بچی رل گئی۔ کبھی غور سے دیکھا ہے پہلے والی گڈی اور یہ کون ہے......؟ تیرے بچپن کی پہلی چوٹ میں آج تک نہ بھولا اور اب وجود لہولہان زندہ لاش کی مانند۔ تیری کلائی جس پر چوڑیاں کھنکتی تھیں۔ آج روح زخموں سے نڈھال۔ میں باپ ہوں مجھ سے بہتر اپنی گڈی کو کون جانتا۔ اب وہی ہوگا جو تیرا فیصلہ ہو گا۔"

"ابا، میں وہاں نہیں جاؤں گی پھوپھو زینب بہت ظالم ہیں۔ اور پھر میں نے بھی فیصلہ کر لیا اب گھٹ گھٹ نہیں جیوں گی مجھے اپنے ابا کی تربیت پہ فخر ہے۔"

آج خلع کے کیس والے پیپرز پر سائن کرتے گڈی کے ہاتھ نہیں کانپے ابا اس کے اس فیصلے میں اس کے ساتھ کھڑے، اعتماد بڑھ گیا۔ جہیز کے نام پہ موٹی بھاری رقم پھوپھو کیسے ہضم کر سکتی تھی۔

ایک دو بار صلح کی کوشش پہ تائی اماں نے زینب بیگم کو اور بڑھاوا دے کر بری عورت ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ابا دنیا سے رخصت ہو گئے اور گڈی کو باقی بہن بھائیوں کی ذمہ داری سونپ گئے۔

☆☆

Scanned with CamScanner

سکون سے دل سے، فراغت کی رات سے بھی گئے
تجھے گنوا کے ... میری کائنات سے بھی گئے

جُدا ہوئے تھے مگر دل کبھی نہ ٹوٹا تھا
خفا ہوئے تو تیرے التفات سے بھی گئے

چلے تو نیل کی گہرائیاں تھیں آنکھوں میں
پلٹ کے آئے تو موجِ فرات سے بھی گئے

خیال تھا کہ تجھے پا کے خود کو ڈھونڈیں گے
تو مل گیا ہے، تو خود اپنی ذات سے بھی گئے

بچھڑ کے خط بھی نہ لکھے اُداس یاروں نے
کبھی کبھی کی ادھوری سی بات سے بھی گئے

وہ شاخ شاخ چٹکتے ہوئے بدن محسن
مجھے تو مل نہ سکے، تیرے ہاتھ سے بھی گئے

محسن نقوی

ہمیشہ دو رُخی رہنا

نگاہوں کے سمندر کو ہمیشہ ڈھانپ کر رکھنا
کہ اس کو لوگ پڑھتے ہیں
لبوں کو بھینچ کر رکھنا
کہ شکوے اور شکایت کا کوئی موسم نہیں ہوتا
یہ جو دل ہے بہت ہی خوب صورت ہے
مگر اُلجھا ہوا دل ہے
بہت آزار پروردہ
یہیں ساون برستا ہے
اسی میں روگ پلتے ہیں
تم اپنے دل کی تختی کو ہمیشہ ان لکھا رکھنا
کسی بھی بدگماں موسم کی دو سطریں بھی مت لکھنا
کبھی تم ان کہے سپنوں کو تعبیریں بنا لینا
کبھی تم آئینہ رکھنا پھر اس سے گفتگو کرنا
سدا شاداب ہی رہنا
کبھی غمگین نہ ہو جانا
یہاں سب کی نگاہ، یہ تمہیں گھائل ہی کر دے گی
یہ دُنیا ہے
گِدھوں کی بادشاہت ہے
تمہیں جو نوچ پھینکیں گے
ہراساں ہو نہ جانا
بہت ہی دل نشیں ہو کر بہت انجان ہو جانا
ہمیشہ دو رُخی رہنا
سنو تم دو رُخی رہنا

ناہید حزمی

شعاع کی مسکراہٹیں

digest.library.com

مدد

دو عمر رسیدہ خواتین ایک بڑی کمپنی کے دفتر میں داخل ہوئیں جب ڈائریکٹر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ "ہماری تنظیم بھٹکی ہوئی خواتین کی مدد اور اصلاح کا کام کرتی ہے۔ کیا آپ اس کام کے لیے چندہ دینا چاہیں گے؟"

"میں چندہ ضرور دوں گا مگر آپ کے توسط سے نہیں ڈائریکٹ ان خواتین کو دینا پسند کروں گا۔" ڈائریکٹر نے جواب دیا۔

حیرانی

شادی کے بعد میاں بیوی صحت افزا پہاڑی مقام پر ہنی مون منانے گئے تو ہوٹل کے منیجر نے نام پوچھے بغیر اندراج کرلیا۔ یہ دیکھ کر بیوی بہت حیران ہوئی اور کہنے لگی۔

"منیجر صاحب! آپ کو میرے شوہر کا نام کیسے معلوم ہوا؟"

منیجر بولا۔ "محترمہ! آپ کے شوہر ہر سال ہمارے ہی ہوٹل میں ہنی مون منانے آتے ہیں۔"

ذہانت

ایک پٹھان سے کسی نے پوچھا

"خان جی عقل بڑی کہ بھینس؟"

پٹھان نے اس کی طرف غور سے دیکھا اپنی ٹوپی اتار کر سر کھجایا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "یار پہلے تاریخ پیدائش تو بتاؤ۔"

احتیاط

ایک پبلشر نے اپنی سیکریٹری سے کہا۔

"اے پیاری لڑکی! میں اپنے دل کے سادہ ورق پر تمہارا نام تحریر کرسکتا ہوں؟"

"ضرور کرسکتے ہیں، لیکن براہ کرم اسے شائع مت کیجیے گا۔" سیکریٹری نے شرماتے ہوئے کہا۔

نیند

ایک خاتون نے اپنے شوہر کو چوروں کے ہاتھوں پٹتے دیکھ کر پڑوسی کو مدد کے لیے پکارا۔ "بھائی ذرا جلدی آنا، میرے شوہر کو چار آدمی مل کر پیٹ رہے ہیں۔"

پڑوسی سویا ہوا تھا ہڑبڑا کر اس نے ذرا سی آنکھ کھولی اور وہیں سے لیٹے لیٹے جواب دیا۔

"چار آدمی کم ہیں جو مجھے بھی بلا رہی ہو۔"

شرط

ایک عورت نے ایک وکیل سے پوچھا کہ "طلاق لینے کے لیے کیا شرائط لازمی ہوتی ہیں؟"

وکیل نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"طلاق لینے کے لیے آپ کا شادی شدہ ہونا ضروری ہے۔"

مبالغہ

"کیا آپ کا نیا ملازم واقعی بہت رزیل ہے۔"

ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا۔

"ارے صاحب! اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے اسے تو اگر آپ مشین میں ملک شیک بنانے کے لیے کہیں گے تو وہ سب چیزیں جگ میں ڈالنے کے بعد کئی دن تک اس آس پر جگ پکڑے کھڑا رہے گا کہ شاید زلزلہ آئے اور ملک شیک خود بخود بن جائے۔" ان صاحب نے غصے میں جواب دیا۔

Scanned with CamScanner

شگفتہ جاہ

باتوں سے خوشبو آئے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی آدمی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر، نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔''

فوائد ومسائل:

☆ جب کسی عورت کے لیے اس کے گھر والوں سے بات چیت ہو رہی ہو اور رشتہ طے پا جانے کی امید ہو تو دوسرے آدمی کو اس عورت کے لیے بات چیت شروع نہیں کرنی چاہیے۔

☆ اگر محسوس ہو کہ ابھی عورت نے اس مرد کو قبول کرنے کا فیصلہ نہیں کیا اور اس کی طرف واضح میلان نہیں تو دوسرا آدمی بھی پیغام بھیج سکتا ہے تاکہ عورت فیصلہ کر سکے کہ اس کے لیے ان دونوں میں سے کون سا مرد زیادہ مناسب ہے اور اس کے سرپرست بھی معاملے پر بہتر انداز سے غور کر سکیں۔

☆ اس ممانعت میں یہ حکمت ہے کہ مسلمانوں کے باہمی معاملات میں بگاڑ پیدا نہ ہو اور آپس میں ناراضی پیدا نہ ہو۔

(۱۸۶۸۔ سنن ابن ماجہ)

حضرت عمر کا زہد

حضرت ابوحازم رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ کے ہاں گئے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ٹھنڈا شوربا اور روٹی رکھی اور شوربے پر تیل ڈال دیا تو حضرت عمرؓ نے کہا۔

''ایک برتن میں دو سالن (ایک شوربا اور دوسرا تیل) میں مرتے دم تک ایسے سالن کو نہیں چکھ سکتا۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

مسلمان کے عیب چھپانا

حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ایک لڑکی سے برا کام ہو گیا جس کی اسے شرعی سزا مل گئی پھر اس کی قوم والے ہجرت کر کے آئے اور اس لڑکی نے توبہ کر لی اور اس کی دینی حالت اچھی ہو گئی۔ اس لڑکی کی شادی کا پیغام اس کے چچا کے ہاں آیا تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے اس کی بات بتائے بغیر شادی کرتے تو یہ بھی ٹھیک نہیں، امانت داری کے خلاف ہے اور اگر بتا دے تو یہ بھی ٹھیک نہیں، ستر مسلم کے خلاف ہے۔ اس کے چچا نے یہ بات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بتائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (بالکل نہ بتاؤ اور) اس کی ایسے شادی کرو جیسے تم اپنی نیک بھلی لڑکیوں کی کرتے ہو۔

(حیاۃ الصحابہ، حصہ دوم)

علم کا احترام

امام مالکؒ سے خلیفہ ہارون رشید نے درخواست کی کہ اس کے لڑکوں کو امام مالک محل میں آ کر پڑھا دیں۔ امام صاحب نے محل جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''جس کو شوق ہو، اس کو خود آنا چاہیے۔''

لہٰذا خلیفہ وقت ہارون رشید اپنے بیٹوں خلیفہ امین اور مامون کو لے کر خود آیا۔ وہاں بے شمار طلباء

Scanned with CamScanner

digest library.com

موجود تھے۔ خلیفہ کہنے لگا۔

"اس بھیڑ کو الگ کر دیجیے۔"

امام مالک نے جواب دیا۔

"دو افراد کے فائدے کے لیے تمام طلباء کا نقصان نہیں کیا جا سکتا۔"

چنانچہ شہزادوں کو بھی عام طلباء کے ساتھ پڑھنا پڑا۔

عقل و دانش کی باتیں

☆ بعض اوقات اللہ کا بندے کی درخواست کو قبول نہ کرنا بندے پر شفقت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

☆ دین کی اصل عقل، عقل کی اصل علم اور علم کی اصل صبر ہے۔ لہٰذا صبر کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑو۔

(شیخ عبدالقادر جیلانی)

دوسروں کی مدد

عالمی شہرت یافتہ نفسیات دان ڈاکٹر کارل مننگر نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ "اگر تمہیں علم ہو کہ کسی شخص کا نروس بریک ڈاؤن ہونے والا ہے تو تم اسے کیا نصیحت کرو گے؟"

سامعین کو توقع تھی کہ ڈاکٹر میننگر کہے گا کہ اسے کسی نفسیاتی معالج کے پاس جانا چاہیے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کہا۔ اس نے کہا۔ "میں اس شخص کو نصیحت کروں گا کہ وہ شہر کی دوسری جانب جائے۔ کسی ضرورت مند کو ڈھونڈے اور اس کی مدد کرے۔ ایسا کرنے سے اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

رضا کار بنو، اس سے تم میں اپنے قابل قدر ہونے کا احساس جنم لے گا۔ جس طرح تمہیں توقع ہے کہ دوسرے تمہاری مدد کریں اسی طرح دوسروں کی مدد کرو گے تو تم میں طمانیت کا احساس پیدا ہوگا۔ صلے کی توقع کے بغیر دینے سے انسان کی عزت نفس بڑھ جاتی ہے۔

صحت مند شخصیت کا حامل فرد نا صرف حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے بلکہ دینے کا بھی۔

بار بار غلطی کی دہرانا

پاگل پن کی ایک تعریف یہ ہے کہ انسان بار بار ایک ہی کام کرتا ہے اور مختلف نتائج کی توقع رکھتا ہے۔ تم جو کام کر رہے ہو اگر اسے جاری رکھو گے تو تمہیں وہی کچھ حاصل ہوگا۔ جو کچھ تمہیں حاصل ہو چکا ہے۔

عمدہ کام

مائیکل اینجلو ایک مجسمہ پر کئی دن سے کام کر رہا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر بار بار دیر تک کام کر رہا تھا۔ ایک دیکھنے والے نے سوچا کہ وہ غیر اہم کام کر رہا ہے۔ اس نے مائیکل اینجلو سے پوچھا کہ "وہ اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو اتنی اہمیت کیوں دے رہا ہے؟" مائیکل اینجلو نے جواب دیا۔

"کاملیت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ابھرتی ہے اور کاملیت کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔"

اکثر لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ کوئی کام آپ نے کتنی دیر میں کیا تھا لیکن یہ یاد رکھتے ہیں کہ آپ نے کس عمدگی سے کیا تھا۔

راز کی بات

ایک شخص عبدالمالک بن مروان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"آپ سے کچھ راز کی بات کہنا چاہتا ہوں۔"

عبدالمالک نے اپنے مصاحبوں سے نکلنے کا کہا۔ وہ سب لوگ اٹھ گئے تو آپ نے اس شخص سے کہا۔

"دیکھو، میری مدح نہ کرنا۔ میں اپنے آپ کو خوب پہچانتا ہوں۔ مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔ جھوٹا بغیر سزا پائے میرے پاس سے بچ کر نہیں جا سکتا اور نہ کسی کی لگائی بجھائی کرنا کیونکہ چغل خوری سب سے بڑا جرم ہے۔ اب کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ شخص کچھ نہ بولا، اٹھ کر چلا گیا۔

☆☆

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

واصفہ سہیل

digest.library.com

ثوبیہ قطب............کراچی
نہ جانے کتنے محاذوں پر جنگ تھی میری
بس ایک وعدہ نبھانے میں اپنے گھر جاتا

حبیبہ خان............مانسہرہ
دن ڈھل گیا تو آئے وہ ملنے کے واسطے
یارب ہماری عید ہوئی بھی تو شام کو

رقیہ احمد............لاہور
ہر کسی کے لیے کہاں ہوتی ہیں عید کی خوشیاں
مسرتیں لاتا ہے کہاں سب کے لیے عید کا چاند

سعدیہ طیب............فیصل آباد
ہر طرف گل کھلیں مسرت کے
تم جو آؤ تو عید ہو جائے

ماریہ خان............لاہور
عید کا چاند ہے ہر سمت ہے گہما گہمی
آنا چاہوں میں تیرے پاس تو آؤں کیسے
میری ہر سانس امانت ہے تیری یادوں کی
ٹوٹ کر اس سے زیادہ تجھے چاہوں کیسے

فاکہہ سہیل............کراچی
روٹھنے والے اگر اجازت ہو
عید کے روز ملنے آجاؤں

اقصیٰ اکبر............لانڈھی
کبھی تو خواب میں آؤ کہ عید کا دن ہے
رخ جمال دکھاؤ کہ عید کا دن ہے

فرح............ایبٹ آباد
یوں تیری چاہتیں سنبھالی ہیں
جیسے عیدی ہو میرے بچپن کی

زرناب جمیل............شیخوپورہ
عید کا چاند نظر آئے گا جس دم مجھ کو
میں تیرے وصل کی اے دوست دعا مانگوں گا

کومل فضل میرا............شیخوپورہ
میں ہوں تیرا خیال ہے اور چاند رات ہے
دل درد سے نڈھال ہے اور چاند رات ہے

ثمرین فضل میرا............چیچہ وطنی ملیاں
تارے اترے جب پھیلایا دامن کو
عید کے چاند میں دیکھا میں نے ساجن کو

شائستہ نسرین............کراچی
میں نے اک عمر کے خوابوں کو تیرے نام کیا
اپنے احساس کو کر میرے حوالے تو بھی
میں بھی دل میں تری تصویر چھپائے رکھوں
اپنے ہونٹوں سے میرا نام مٹالے تو بھی

ریحانہ وقار............حیدرآباد
تجھے کھو کے سوچتا ہوں، میرے دامن طلب میں
کوئی خواب ہے تو کیوں ہے، کوئی آس ہے تو کیوں ہے
کبھی پوچھ اس کے دل سے کہ یہ خوش مزاج شاعر
بہت اپنی شاعری میں جو اداس ہے تو کیوں ہے

رضوانہ وقاص............ہری پور
پھر کہیں دور سے اک بار صدا دو مجھ کو
میری تنہائی کا احساس دلا دو مجھ کو
تم تو چاند ہو، تم کو میری ضرورت کیا ہے
میں دیا ہوں کسی چوکھٹ پر جلا دو مجھ کو

جیہا عدنان............کراچی
اک تبسم ہزار شکووں کا
کتنا پیارا جواب ہوتا ہے

مریم واحد............پشاور
رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے
تم جو بچھڑے تو یہ بھی نہ سوچا
ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

امت الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور بے مثال صبر

قرآن مجید میں ذکر ایوب، پروردگار عالم نے حضرت ایوب علیہ السلام کو پختگی دین اور صبر و استقامت کے ضمن میں ایک امتیازی مقام عطا فرمایا۔ جو ان کی شخصیت کا حصہ بن کر رہتی دنیا تک کے لیے ضرب المثل بن گیا۔ ان کے صبر و شکر کی قرآن کریم نے تعریف کی اور ان کے کمال صبر پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ قرآن کریم کی چار سورۃ مبارکہ میں آیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ فرشتوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بہت تعریف کی، جس پر شیطان کو بہت حسد ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ......

"مجھے ان کے جسم اور مال و اولاد پر ایسا تسلط عطا کر دیا جائے، جس سے میں ان کے ساتھ جو چاہوں، سو کروں۔"

اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش مقصود تھی اس لیے شیطان کو یہ حق دے دیا گیا اور اس نے حضرت ایوب علیہ اسلام کو اس بیماری میں مبتلا کر دیا۔

بیماری کی حالت میں حضرت ایوب علیہ السلام کے دل میں شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتا تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت ایوب علیہ السلام بہت امیر و کبیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مال و دولت، شان و شوکت، محلات و جائیداد، نوکر چاکر اور کثیر اولاد سے نوازا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں۔ جو سب آپ پر آنے والی آزمائش کے دنوں میں انتقال کر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش ختم کی، تو انہیں مزید اولاد عطا فرمائی۔ روایت کے مطابق ان کی تعداد ستائیس تھی۔

"جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ اسلام کو پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا فرمایا، تو ان سے سب کچھ چھین لیا گیا۔

حتیٰ کہ طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو گئیں اور جسم کا کوئی عضو صحیح سالم نہ رہا، سوائے دل و زبان کے، جن سے وہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے اور نہایت صبر کے ساتھ معروف عبادت رہتے۔ پھر ان کا مرض اتنا طویل ہو گیا کہ کوئی ہم نشین بھی ساتھ نہ بیٹھتا تھا۔ دوست، احباب بھی وحشت کرتے، یہاں تک کہ انہیں شہر سے باہر ایک مقام پر ڈال دیا گیا۔ سب نے ان سے قطع تعلق کر لیا، سوائے ان کی ایک بیوی کے، جو دن رات ان کی خدمت میں معروف رہتیں۔ حتیٰ کہ جب تنگ دستی حد سے بڑھ گئی اور تمام عزیز، رشتے دار، دوست احباب نے منہ موڑ لیا تو بھی اس صالح خاتون نے حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت و نگہبانی میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

کہا جاتا ہے کہ "حضرت ایوب علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنہیں چیچک اور دیگر جلدی بیماریاں لاحق ہوئیں۔ روایت میں ہے کہ آپ کے پورے جسم پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے تھے اور یہ بھی کہ "حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم سے گوشت تک جھڑ چکا تھا، صرف ہڈیاں اور پٹھے باقی رہ گئے تھے۔ بیوی باریک ریت لے آتیں اور ان کے نیچے بچھا دیتیں، تا کہ جسم

digest.library.com

کو تکلیف نہ ہو۔"

بعض مفسرین کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جس بیماری میں مبتلا فرمایا، اس کی نوعیت سے متعلق کہیں بتایا گیا۔

جسم میں کیڑے پڑ جانا یا گوشت کا جھڑنا، اسرائیلی روایات کا حصہ ہے (واللہ اعلم)

حضرت ایوب علیہ السلام کی شدید تکلیف کے پیش نظر ان کی اہلیہ نے کہا کہ

"اگر آپ اپنے پروردگار سے دعا کریں تو وہ آپ کو ان مصائب سے نجات عطا فرما دے گا۔"

جواب دیا "میں ستر برس تک صحیح سالم رہا تو کم از کم اللہ کے لیے کچھ برس تو صبر کر لوں۔"

شیطان طبیب کے روپ میں:

امام احمد بن حنبل نے "کتاب الزہد" میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ "حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے زمانے میں ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں ان کی بیوی کے پاس آیا۔ انہوں نے اسے طبیب سمجھ کر حضرت ایوب علیہ السلام کے علاج کی درخواست کی، تو شیطان نے کہا کہ "میں اس شرط پر علاج کروں گا کہ اگر انہیں میرے علاج سے شفا ہو جائے تو یوں کہہ دیں کہ "تو نے شفا دی" میں اس کے علاوہ کچھ اور نذرانہ نہیں چاہتا۔"

بیوی نے پورا واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام سے بیان کیا۔ واقعہ سن کر انہوں نے فرمایا

"بھلی مانس! وہ طبیب کے روپ میں شیطان تھا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی تو میں تجھے سو قمچیاں ماروں گا۔" دراصل آپ کو اس بات سے سخت رنج پہنچا تھا کہ ان کی بیماری کی بدولت شیطان کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ ان کی اہلیہ سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا تھا جو ظاہراً موجب شرک تھے، گو کہ تاویل سے شرک نہ ہوں۔ یہ ایک واقعہ بھی ازالہ مرض کے لیے دعا کا باعث بنا۔

آسمان سے تصدیق:

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کے پیغمبر حضرت ایوب علیہ السلام کو اٹھارہ سال مصیبتیں آزمائشیں گھیرے رہیں پھر انہیں قریب والے، دور والے، سب چھوڑ گئے سوائے ان دو شخصیات کے جو آپ کے خاص بھائی تھے۔ وہ آپ کے پاس صبح وشام آتے تو ایک مرتبہ ایک نے دوسرے کو کہا۔

"تو جانتا ہے کہ اللہ کی قسم، شاید ایوب جیسا گناہ جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔"

ساتھی نے دریافت کیا کہ "وہ کیا ہے؟"

کہا کہ "دیکھو انہیں اٹھارہ سال ہو گئے ہیں ان کی بیماریاں دور نہیں ہوئیں اور اب تک اللہ نے ان پر رحم نہیں فرمایا اگر ایسی بات نہ ہوتی تو رب ان کی بیماریوں کو دور فرما دیتا۔"

پھر دونوں شام کو حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس گئے تو اس شخص سے رہا نہ گیا اور وہ حضرت ایوب سے اس بات کا ذکر کر بیٹھا۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ "حضرت عبید بن عمیر سے مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے، وہ دونوں ایک دن آپ کے پاس آئے تو آپ کے زخموں کی بو کی وجہ سے قریب نہ آ سکے اور ذرا دور کھڑے ہو گئے۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ

"اگر اللہ تعالیٰ، ایوب علیہ السلام میں کوئی بھلائی و خیر جانتا، تو ان کو اس طرح امراض میں مبتلا نہ کرتا۔" اس بات سے حضرت ایوب علیہ السلام کو اس قدر تکلیف ہوئی کہ پہلے کبھی کسی سے نہ ہوئی۔

چنانچہ آپ نے فوراً بارگاہ رب العزت میں دست التجا بلند کیے۔

"اے اللہ! تجھے علم ہے کہ میں نے کبھی کوئی

digest library.com

رات سیر ہو کر نہیں گزاری اور میں جانتا ہوں کہ بھوکے کا کیا مرتبہ ہے، تو میری تصدیق کر۔"
آسمان سے تصدیق ہوئی، جسے دونوں بھائیوں نے سنا۔ پھر فرمایا۔
"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے پاس کبھی دو قیمیص نہیں رہیں اور۔ میں مفلس کا مرتبہ جانتا ہوں، تو میری تصدیق فرما۔" پھر آسمان سے تصدیق ہوئی اور دونوں بھائیوں نے سنا۔ پھر کہا۔
"اے اللہ! تجھے تیری عزت کا واسطہ" اور یہ کہتے ہوئے سجدے میں گر پڑے اور فریاد و التجا کرتے رہے۔" (قصص ابن کثیر صفحہ نمبر 309)
حضرت ایوب علیہ السلام کی سخت ترین آزمائش کو ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اس عرصے میں دنیا کی کوئی طاقت، کوئی ایذا، مصیبت و پریشانی ان سے صبر و شکر کے کلمات نہ چھڑا سکی۔ شکوہ و شکایت اور جزع و فزع صبر کے منافی ہیں جن کا اظہار حضرت ایوب علیہ السلام نے کبھی نہیں کیا۔ البتہ دعا صبر کے منافی نہیں۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے کہا کہ زمین پر پیر مارو جس سے ایک چشمہ جاری ہو گیا اور اس چشمے کا پانی پینے سے اندرونی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہو گئیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل فرمایا اور دوسرے سے پانی پیا، لیکن قرآن کے الفاظ سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے یعنی ایک ہی چشمہ تھا۔
"حضرت ایوبؑ قضائے حاجت کے لیے نکلتے تھے تو ان کی اہلیہ ان کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتی تھیں۔ ایک دن وہ دیر سے آئیں۔
اسی اثناء میں رب عزوجل نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنا پاؤں مارو، یہ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ تمہارے نہانے اور پینے کے لیے ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام دیر تک اس پانی سے نہاتے رہے، پانی جسم پر پڑتا جاتا تھا اور توانائی آتی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر صحت مند ہو گئے۔
ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے جنت سے ایک جوڑا بھجوایا تھا جسے پہن کر اور اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ اتنے میں ان کی اہلیہ تشریف لائیں اور انہیں پہچان نہ سکیں۔ انہوں نے آپؑ ہی سے پوچھا۔
"اے اللہ کے بندے! یہاں ایک آفت زدہ شخص ہوتا تھا وہ کہاں گیا؟" حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا۔
"میں ہی ایوب ہوں۔"
انہوں نے عرض کیا۔
"اے اللہ کے بندے! آپؑ مجھ سے مذاق کرتے ہیں؟"
حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا۔
"میں ہی ایوب ہوں۔ میرے پروردگار نے مجھے میرا جسم لوٹا دیا۔"
جب آپؑ صحت یاب ہوئے تو ایک طرف سعادت مند، خدمت گزار بیوی تھی، دوسری طرف سو کوڑوں کی قسم بھی پوری کرنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی پریشانی دور کرنے کے لیے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ترجمہ:
"اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا۔ (جھاڑو لے کر مار دے اور قسم کے خلاف نہ کر۔) سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا صابر بندہ پایا۔
وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی رغبت رکھنے والا۔" (سورۃ ص آیت نمبر 44)
حضرت ایوب علیہ السلام کی ان خدمت گزار اہلیہ کے نام پر مورخین میں اختلاف ہے۔ کسی نے ان کا نام لیا بنت میشا ابن یوسف لکھا ہے تو کسی نے رحمت بنت افراہیم ابن یوسف علیہ السلام۔ (واللہ اعلم)
(قصص ابن کثیر، معارف القرآن، قصص الانبیاء)
☆☆

digest library.com

بقیہ محلآپ کے

ترس آتا ہے۔ خالہ زبیدہ کا دسترخوان میں انہوں نے نیکی کا کام شروع کیا۔ جوان کے مرنے کے بعد بھی نیکی کا عمل جاری رہا۔ اصل صدقہ یہی ہوتا ہے جو مرنے کے بعد بھی جاری رہے۔

آدھ نیم کش میں نہیں پڑھتی ہوں۔ مجھے اس کہانی کی سمجھ میں نہیں آتی اور انٹرسٹنگ بھی نہیں لگی۔ "بہترین فیصلے" نے ہنسا دیا۔ چاہت کے انداز میں شکر ہے مائرہ کی جاشر سے جان چھوٹ گئی۔ عورت شکی مرد کے ساتھ کبھی زندگی نہیں گزار سکتی۔ چار بالشت کا فاصلہ افسانہ خیالی سا لگا اس میں کوئی خاص سبق نہیں تھا۔

گنگا کنارے فی الحال اچھی جا رہی ہے مجھے لگتا ہے نعیمہ ناز سلطان 14 اگست تک کے حالات لکھیں گی (ہاہاہا) فضیلت بیگم کی کبیر کے بارے میں غلط سوچ ہے۔ ضروری نہیں جس طرح کا باپ ہو اسی طرح کا بیٹے کا مزاج ہو۔ پچھلے ماہ کے شروع میں میری امی جان کا آپریشن ہوا تھا۔ الحمدللہ خیر سے ہو گیا ہے۔ پورا مہینہ مہمان آتے رہے امی جی کی عیادت کے لیے۔ اب مہمان کچھ آنا کم ہوئے ہیں۔ میں بھی پچھلے ماہ سے ووکیشنل ٹریننگ سنٹر سے کمپیوٹر کورس کر رہی ہوں۔ وہاں آٹھ بجے جاتی ہوں اور چار بجے واپس آتی ہوں۔ واپس آ کر گھر کے کام اور پڑھائی میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ کمپیوٹر کورس اس وجہ سے کر رہی ہوں آنے والا دور کمپیوٹر کا ہو گا۔ بندے کو چلانا لازمی آنا چاہیے۔ آپی سترہ مارچ کو میری سالگرہ ہے۔ میں اٹھارہ سال کی ہو جاؤں گی۔ سالگرہ مناتے تو نہیں ہیں لیکن بس وش کی جاتی ہے ہمارے درمیان آپ سب مجھے وش کریں مجھے خوشی ہو گی۔ اٹھارہ سال کی ایج کے لیے کوئی نصیحت۔

ج: پیاری اقراء! آپ کو سالگرہ مبارک ہو اللہ تعالیٰ خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین نصیحت ایک نہیں دو کریں گے۔ کبھی کسی کا برا نہ چاہیں اس کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑتا ہے۔ دوسری نصیحت اپنا کام دیانت داری اور خلوص کی ساتھ کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی محنت رائیگاں نہیں کرتا۔

اچھی بات یہ ہے کہ آپ بہت ذہین ہیں خط سے بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ آپ اتنی کم عمر ہیں۔

فرخندہ سلیم......ملتان

شعاع کی تمام قارئین کو میٹھی عید بے حد مبارک ہو۔ اگر میرے تبصرے کوئی انجان پڑھے شاید تو سمجھے کہ صرف تعریفیں ہی ہیں مگر اب جب کوئی خامی ہی نہیں تو کیا تنقید کروں، سب ہی اچھا چل رہا ہے جو دلچسپ ہے اور وقت کے لحاظ سے ہے۔

سرورق پہلے برے لگتے تھے۔ مگر اب وہ بھی اس قدر پیارے ہوتے ہیں۔

فروری کے شعاع کا سرورق میرے پاس الفاظ نہیں کہ مجھے بے حد پسند آیا اتنا نفیس ہلکے رنگ کا سر پر آنچل رمضان کی وجہ سے بالوں میں پھول اور جوڑا بہت ہی کمال تھا اور مجھے تو ہلکے رنگوں میں یہ کریم رنگ بہت پسند ہے۔

"دھوپ دریچہ" اب کافی دلچسپ کہانی ہو گئی ہے با آسانی قسطیں سمجھ میں آ جاتی ہیں اس قسط میں بہت سی چیزیں کلیئر ہو گئیں۔

گنگا کنارے ایک حسین دور کی حسین سی داستان نعیمہ کے قلم سے۔ کہانی کو پڑھتے ہوئے دل کرتا ہے کاش میں اس زمانے میں جا سکتی۔ کتنی مکمل کہانی ہے نا، ہر چیز، کام، بات، انداز سب اس زمانے کا بہت مزہ آ رہا ہے جی جی کر پڑھ رہی ہوں۔ اتنے باوقار الفاظ "دوسرے جی سے ہے" کتنا اچھا تھا سب۔ ذہین کا کردار بہت دلچسپ ہے جو شہزادی کی طرح ہے۔ ہر کردار اپنی جگہ فٹ ہے مگر لگتا ہے آنے والے وقت میں دل خون کے آنسو روئے گا کہ ہجرت قریب ہے۔ رضیہ بٹ کا ناول بانو یاد آ جاتا ہے۔ یہ موضوع ہی ایسا ہے جتنا پڑھا جائے بلکھا جائے کم ہے۔

تیرے بعد افسانہ مثبت اور خود اعتمادی میں اضافہ کرتا بہت اصلاحی رہا۔ مہوش عروج کا افسانہ صدقہ جاریہ کہنا درست ہو گا جو انسانیت پر کتنی اچھی سوچ دے رہا تھا۔ واقعی دل کا سکون خدمت خلق میں ہے۔ میں خود یہ سوچتی ہوں کہ واقعی جانے کے بعد اچھے الفاظ میں یاد رکھا جانا

Scanned with CamScanner

اصل کامیابی ہے۔

نادیہ جہانگیر کافی دن بعد افسانے کے سنگ آئیں جس میں دوہری ساس اور نند کو اچھا سبق سکھایا گیا۔ آسیہ رئیس خان کی ممیل اور آدم کی دلکش سی داستان اور عدن و عثان کی باوقار محبت اور عنایت جہاں کا جاہ و جلال بھرا کردار جس میں کتنے رنگ ہیں یہ سب پڑھتے ہوئے وقت اچھا گزرتا ہے۔ آسیہ کو پڑھتے ہوئے بھی خالص انداز اور طرز کی خوشبو آئی ہے نعیمہ کی طرح۔

"اپنوں کے درمیان" ناولٹ پڑھ کر سکون سا ہوا اپنا پرانا وقت یاد آیا۔ دادی کا کردار سب سے زیادہ پسند آیا کہ فرشی شلوار والا قصہ دلچسپ لکھا۔

"چاہت کے رنگ" افسانہ ایک مخلص خالہ کی اپنی بھانجی سے متعلق اچھے فیصلے کو ظاہر کرتی تعمیری تحریر تھی۔ یہ بھی سچ ہے کہ اکثر بیٹے اپنے باپ پر ہوتے ہیں۔

فاتحہ رابعہ کا افسانہ سب ماؤں کو سکھا رہا تھا اچھے سے کہ کیسے بچوں کی اچھی تربیت کرنی ہے۔

اس بار حمیرا علی کا ناول پورے ڈائجسٹ میں ٹاپ پر تھا جس کا اپنا ہی ایک الگ تجسس بھرا انداز اور الفاظ کا چناؤ تھا اور پلاٹ بھی اچھا رہا۔ ہیروئن کا انڈیا سے پاکستان آنا۔ کرداروں کے نام کافی منفرد تھے اور مشکل بھی۔ شفاف نام کی طرح اچھا کردار تھا۔ فارسین اور دوسرا نام مشکل تھے مگر کردار اچھے تھے۔ مطلب رائٹر نے نہیں بتایا، میں بتا دیتی ہوں۔

فراسین ......عربی اصل : تیز فہم، بصیرت رکھنے والا۔

شارعین ...... عربی اصل : راستہ یا اصول مقرر کرنے والی۔

شفان......عربی/ فارسی نسبت : شفا یا آرام دینے والا۔

ج: پیاری فرخندہ! تبصرے کے بارے میں کیا کہیں۔ آپ تو اب شعاع کا حصہ بن گئی ہیں۔ ہر ماہ اتنے خوب صورت اور جامع خط لکھتی ہیں کہ ہمیں تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔

رضوانہ وقاص......کرلاں ہری پور سے شریک محفل ہیں

سب کو رمضان مبارک۔ ہنستا مسکراتا شعاع تین تاریخ کو ملا اور ماڈل بہت ہی پسند آئی ہے۔ سفید کپڑوں میں بالوں کا جوڑا ہاتھ کا دل بنا ہوا بہت ہی اچھا لگا۔

"پہلی شعاع" پڑھا۔ دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ بلدیہ ٹاؤن میں آگ لگی۔ ٹی وی پر ہر جگہ ایک ہی خبر یہ جو مجھے فون کرتی ہیں۔ کراچی سے نرگس آنٹی جن کا نام لکھا ہے۔ ان کے بیٹے کی دکان تھی۔ کھلونوں کی سامان دکان سب کچھ جل گیا۔ اور شکر ہے ان کا بیٹا بچ گیا۔ "حمد و نعت پڑھی۔" "پیارے نبی کی پیاری باتیں" واقعی پیاری ہوتی ہیں۔ "فواد خان" سے ملاقات ذرا اچھی نہیں رہی۔ جو لوگ آپ کو انٹرویو دینا پسند نہیں کرتے نہ لیا کریں۔ "دستک" بھی اچھی نہیں رہی چلیں یہ پتا چل گیا ہے۔ علی عباس آغا علی کا کزن ہے۔ آپ کے بھائی کا نام بھی آغا علی اور بھائی علی سکندر۔ ان فنکاروں کے انٹرویو لیتے ہیں تو پوری فیملی کی تصویریں بھی لیا کریں ناں۔ احسن خان۔ دانش تیمور۔ لائبہ خان۔ آفان وحید، ہمایوں سعید۔ حرا مانی۔ اور بھی بہت ہیں ان کے انٹرویو لیں۔

"دھوپ دریچہ" پڑھا ناہید کیسی ماں ہے جو کومل کو یہ باتیں سکھا رہی ہے۔ حارث کومل کی وجہ سے گھر سے نکالا گیا۔ حارث نے کومل کو پسند کیا اور قصور وار اس کی ماں ٹھہرائی گئی۔ حارث کو سمجھ آئے گی لیکن دیر ہو چکی ہوگی۔ فائزہ کی سوتیلی ماں بہت ہی بری لگی کیسی ماں ہے۔

"تیرے بعد" والدین فوت ہو جائیں یہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ "خالہ زبیدہ کا دسترخوان" اچھا لگا۔ غریب لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔ "بہترین فیصلہ" فرزانہ بیگم اور نیہا کے ساتھ اچھا ہوا۔ "اپنوں کے درمیان" فرشی شلوار کا سن رکھا ہے۔ لیکن پتا نہیں کیسی ہوتی ہے۔ ہنسی آ گئی جب دادی نے اتنے پیار سے دانیہ سے پوچھا کیوں رو رہا ہے میرا بچہ۔ اسے بھی فرشی شلوار پہننی تھی۔ ایشی پھوپھو جیسی ہونی چاہیے، پھوپھو۔ نصرت جبیں ملک "چاہت کے انداز" بہت اچھا لکھا۔ خالہ نے ثمن کے لیے اچھا سوچا۔ "موڑ تو سارے من کے ہیں۔" تاجور جیسی مائیں بھی ہوتی ہیں۔ جو نہ اپنا گھر بسنے دیتی ہیں اور نہ دوسروں کا اور بیٹیوں کو بھی اپنے جیسا بنانا چاہتی تھی۔ اور خود اپنے ہاتھ سے مار ڈالا۔"

digest library.com

تجھ سے بھی دلفریب" قانتہ رابعہ نے اچھا لکھا۔ رحاب کی طرح میں بھی اپنے بچوں کے ساتھ کرتی ہوں لیکن بچے اپنی مرضی کرتے ہیں۔ رحاب نے یہ ہی سمجھا کہ اس کے جانے پر بچے اداس ہوئے لیکن ڈسٹرب نہیں ہوئے بلکہ انجوائے کرتے رہے رحاب کو واپس آ کر دھچکا لگا۔ کہ بچے تو اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ سمیرا حمید نے نئے سال پر بہت اچھا لکھا ہے۔ "موسم کے پکوان" پڑھے امی کو بولتی ہوں جو ڈش اچھی لگتی ہے بنا دیتی ہیں میری امی جیسا کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔

رمضان کی بھی خوشی ہے۔ اللہ کرے روزے رکھ لوں لیکن نائلہ، بشارت بھائی اور عدنان آ رہے ہیں بہت خوشی ہے سولہ کو راولپنڈی اسٹیشن اتریں گے لینے جائیں گے ان شاء اللہ۔

ج: پیاری رضوانہ......! بہت خوشی ہوئی آپ نے محفل میں شرکت کی اللہ آپ کو صحت دے اور آپ رمضان کے روزے رکھ سکیں۔ ویسے آپ بیمار ہیں تو آپ روزہ چھوڑ سکتی ہیں شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

نصرت جبین ملک......خوشاب

یوں تو شعاع کا ہر شمارہ ہی خاص ہوتا ہے مگر ماہ فروری کا شمارہ میرے لیے انتہائی خاص تھا کیونکہ اس میں میرا افسانہ پبلش ہوا، اس نوازش کے لیے میں آپ کی بے حد ممنون ہوں اب ہو جائے تبصرہ اس شمارے کی ان تحریروں پر جو میں اب تک پڑھ چکی ہوں۔ "اپنوں کے درمیان، میں عنبرین اعجاز نے شروع میں جو جملے اور نوک جھونک فرشی شلوار پر دکھائی وہ مزہ دے گئی تو اسی ناولٹ کا اختتام دو خاندانوں کے ملاپ پر ہوا تو خوشی ہوئی۔

نادیہ جہانگیر "بہترین فیصلہ" میں مدیحہ بیگم نے اپنے گھر کے تحفظ اور سلامتی کے لیے بہترین فیصلہ کرانے میں کامیاب رہیں۔

"خالہ زبیدہ کا دستر خوان، کومہوش نے نئے منظر نامہ میں لکھا اور اچھا پیش کیا۔ "تیرے بعد" دعا ایوب کی دل کو چھو لینے والی تحریر تھی اگر ہم اپنے اندر موجود انسان کی بھی سننا شروع کر دیں تو ہماری زندگی کے بہت سارے مسائل اپنے ہاتھوں سے حل کر سکتے ہیں۔ ڈائجسٹ کے باقی سلسلے بھی دلچسپی سے بھرپور تھے۔

پیاری نصرت......! یہ جان کر خوشی ہوئی کہ شعاع کی تحریریں آپ کو پسند آئیں۔ بہت شکریہ۔

کراچی سے تسنیم کوثر شریک محفل ہیں لکھا ہے

اس بار تو شعاع ہمیں 28 تاریخ کو ہی مل گیا اتنی جلدی ملنے پر خوشی ہوئی۔ فوراً آپ کی پیاری دل پسند بزم میں پہنچے۔ ماشاء اللہ افسانے ناولز سب ہی زبردست لگے مگر حمیرا علی کا دلکش ناول موڑ تو سارے من کے ہیں بے حد اچھا مکمل جامع تحریر، بہترین کہانی سے دل خوش کر دیا طویل ہونے کے باوجود بھی شروع سے آخر تک دلچسپی برقرار رہی۔ بس یوں سمجھیے کہ ہمیں دل سے پسند آیا ہے۔ حمیرا کو بہت مبارک باد۔

مریم عزیز کا دھوپ دریچہ بھی اچھا لگ رہا ہے لگتا ہے، تھوڑی سی کہانی آگے بڑھی ہے یقیناً ان کا خوب صورت ناول شاہکار ناول میں شامل ہو جائے گا۔

بات ہے اپنا جائز حق لینے کے لیے بہادر بننا بہت ضروری ہے ورنہ تو لوگ جینے بھی نہ دیں۔ اسی طرح خالہ زبیدہ کا دستر خان کو مہوش عروج نے بہت خوب سجایا ان کی اچھی سی نصیحت یا سبق آموز کہانی دل سے پسند آئی۔

اور سب سے مزید افسانہ نادیہ جہانگیر کا بہترین فیصلہ لگا لیا لیکن بھئی رشنا جیسی نایاب بہو تو نصیبوں والوں کو ملتی ہے۔ آج کل کے دور میں تو نیہا ٹائپ کی بہوئیں اور فرزانہ بیگم جیسی بیٹی کو سپورٹ کرنے والی امائیں بہت ہیں، اللہ ان سب کو ہدایت دے۔

اور نصرت جبین ملک کے چاہت کے انداز کا جواب نہیں خالہ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ان کی کہانی بے حد اچھی تھی۔ چار بالشت کا فاصلہ کوئی خاص نہیں لگا رفعت، فاطمہ سے معذرت۔

قانتہ رابعہ کی اسٹوری تجھ سے بھی دلفریب ہیں اچھی لگی بلکہ حقیقت سے قریب لگی۔ آج کل کے بچے چکا چوند سے متاثر ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی کسی کو یاد نہیں کرتا بس اچھی اعمال اور نیکیاں ہی تمہارے ساتھ جاتی ہیں۔

پیاری تسنیم......! آپ نے ہماری محفل کو رونق بخشی، اس کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ آپ کا تفصیلی تبصرہ

Scanned with CamScanner

بہت اچھا لگا۔

حسینہ یاسین مصباح نے کوٹ چھٹہ سے لکھا ہے

میں کرن، شعاع اور خواتین کی خاموش قاری ہوں اور اس وقت سے ہوں جب الفاظ بھی ٹھیک سے پڑھنا نہیں آتے تھے پڑھنے کے ساتھ لکھنے کا کب سے شوق ہونے لگا پتا ہی نہیں چلا بڑی بہن آپی سمیہ اور پھر چھوٹی بہن چاندنی کو بتایا تو انہوں نے شعاع میں بھجوا کے دم لیا اور یہ الگ کہانی ہے کہ چھوٹے بھائی محمد ابرار کی کتنی منتیں کرنی پڑیں تب جا کے وہ کہانیاں ڈاک میں دے آیا۔

پیاری حسینہ آپ کی کہانیاں قابل اشاعت نہیں۔ آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔

صائمہ گل نے مردان سے لکھا ہے

نومبر سے جو منگنیوں اور شادیوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اب کہیں جا کر رکا ہے۔

آج تو پکا ارادہ کر لیا کہ جو ہو سو ہو آج ہی خط لکھ کر کل پوسٹ کرانا ہے میاں صاحب کو کال ملائی۔ کل خط پوسٹ کر دیں گے۔

”ہاں ہو جائے گا۔“ میاں جی کام میں مصروف۔

گندم کی فصل اپنے جوبن پر ہے۔ دو ماہ بعد گندم کاٹنے کے قابل۔ اپریل کے اینڈ یا مئی کے اسٹارٹ میں ان شاء اللہ۔

پہلی شعاع پڑھا ”گل پلازا“ والا واقعہ دل دہلانے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم کرے۔ آمین

رمضان کے حوالے سے سروے ندارد۔ ”حمد ونعت“ اور پیارے نبی کی باتوں سے مستفید ہوئے۔ ”نانا جوڑا“ خیر سے ہماری پیدائش سے پہلے کی داستان ہے۔ ویسے نانا جوڑا کے لیے ہمارے ہاتھ میں بھی کھجلی ہو رہی ہے۔ لیکن اگر سب کچھ سچ لکھ دیا تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ اس لیے رہنے دیتے ہیں۔ ہاہاہا۔

فنکاروں سے زیادہ ہمیں رائٹرز سے ملنا پسند ہے۔ اہی دیا کریں۔ بہنوں کی محفل میں خوب رونق لگی۔ تسنیم کوثر۔ پیاری سی سلمیٰ مسرت۔ مسرت حسن، رضوانہ وقاص، صدف ناصر، فرخندہ سلیم، زرینہ خانم اور عدینہ لغاری ان سب بہنوں سے شعاع کے ساتھ ساتھ اور خواتین کے سلسلے آپ کا باورچی خانہ میں شرکت کی پرزور فرمائش ہے۔

سلمیٰ مسرت نے ماں ”پر کچھ لکھنے کی رائے دے کر ہمارے دل کی بات کہہ دی۔ ان شاء اللہ بہت جلد آپ ”صائمہ گل کی امی جان“ کو پڑھ لیں گی۔

قانتہ جی ”تھینک یو اللہ میاں“ از کرنل اشفاق حسین کا تعارف دے کر آپ نے دل خوش کر دیا۔ جینٹل مین سیریز میری فیورٹ میں سے ہے۔ ”چار آدمی“ کی تلاش جاری ہے دیکھتے ہیں کب مستفید ہوتے ہیں۔ فروری کی دھوپ میں بیٹھے دھوپ دریچہ میں جھانکا۔

زیمل کو کچھ زیادہ ہی معصوم دکھایا جا رہا ہے۔

ویسے یہاں ”انگنا پھول“ والی ارم یاد آجاتی ہے۔ کتنا پیارا کردار تھا نا ارم کا نہ حد سے زیادہ معصوم نہ زیادہ چالاک۔

آخر میں سب سے اہم بات جو میں کب سے کہنا چاہ رہی ہوں مدت ہوئی دیسی پس منظر پر کوئی تحریر نہیں آئی۔ گاؤں دیہات کی خوش گوار محفلیں، تازہ مکھن دیسی گھی میں بنے پراٹھوں کی مہک، لسی بلوتی اماں، گاؤں کے کنویں سے پراندہ جلاتی ہنستی مسکراتی پانی بھرتی دوشیزائیں۔ کھیت میں ہل جوتتے بیل کے گلے میں پڑے گھنٹے کی ٹن ٹن۔

گاؤں کا امام مسجد، اسکول ماسٹر یہ سب کچھ کتنا سحر انگیز ہوتا نا۔ مصنفین سے درخواست ہے اس طرف بھی توجہ دیں۔

باقی تمام رسالہ زبردست تھا۔ بیوٹی بکس کے مشورے پسند آئے یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ گائے کا خالص دودھ دستیاب ہے۔ وہی ہمارا کلینزر بھی ہے نائٹ کریم بھی کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ چہرہ چمک اٹھتا ہے۔

ج: پیاری صائمہ......! آپ کا تفصیلی تبصرہ تعریف وتنقید بہت دلچسپ خوب صورت ہے بہت شکریہ۔

☆☆

Scanned with CamScanner

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

پر چھوہاروں کی گارنشنگ کر کے سرو کریں۔

عید شیر خورما

ضروری اشیاء:

دودھ	دو کلو
سویاں	ایک کپ
چینی	آدھا پاؤ
چاول	آدھا کپ
قلاقند یا کھویا	آدھا پاؤ
چھوٹی الائچی	دس عدد
گھی	حسب ضرورت
پستہ	حسب پسند
بادام	حسب پسند
کیوڑا	دو چائے کے چمچے
چھوہارے	چھ عدد

ترکیب:

ایک دیگچی میں دودھ گرم کریں۔ اس میں چاول ابال کر مسل کر ڈالیں اور پکائیں۔ ایک پین میں تھوڑا سا گھی گرم کریں۔ اس میں سویاں ڈال کر بھون لیں۔ سویاں بھی دودھ والے مکسچر میں ڈال کر پکائیں۔ جب جوش آجائے تو آنچ کم کر دیں۔ دودھ کے گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ اس کے بعد چینی اور کھویا، قلاقند چورا کر کے ڈالیں کچھ دیر پکانے کے بعد بادام، پستہ ڈال دیں۔ گھی گرم کریں۔ الائچی ڈال کر فرائی کریں۔ فرائی کرنے کے بعد سویوں میں ڈال دیں۔ آخر میں کیوڑہ ڈال کر چولہے سے اتارلیں۔ سرونگ باؤل میں نکال کر ٹھنڈا کرلیں، چھوہاروں کو پانی یا دودھ میں اتنا پکائیں کہ چھوہارے گل جائیں۔ چھوہاروں کے بیج نکال دیں۔ شیر خورما

کریمل سویاں

ضروری اشیاء:

سویاں	ایک کپ
دودھ	ڈیڑھ لیٹر
چینی	ایک کپ
پستہ	حسب ضرورت
بادام	حسب ضرورت
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

ایک بھاری پیندے کی دیگچی میں تھوڑا سا گھی ڈال کر ہلکی آنچ پر گرم کر کے اس میں چینی کو ہلکی آنچ پر پگھلنے کے لیے رکھ دیں۔

جب پگھل کر سنہری ہوجائے (زیادہ نہ پکائیں ورنہ کڑوا پن آجائے گا) تو اس میں دودھ ڈال کر چمچہ چلائیں تاکہ ابلنے لگیں۔

مسلسل چمچہ چلائیں تاکہ چینی مکس ہوجائے اس کے بعد سویاں ڈال کر پکائیں اور چمچہ چلاتی رہیں۔ سویاں گل جائیں اور گاڑھی ہونے لگیں تو الائچی پاؤڈر ڈال کر آنچ سے اتارلیں۔

سرونگ باؤل میں نکال کر ٹھنڈا کریں اور پستے بادام سے گارنش کر کے فریج میں رکھ کر خوب ٹھنڈا کرنے کے بعد پیش کریں۔

وائٹ چکن بریانی

اشیاء:

چاول	ایک کلو
چکن	ایک کلو
پیاز	تین عدد
دہی	ایک پاؤ
ادرک لہسن	ڈھائی چمچہ
ہری مرچ پسی	آٹھ عدد
تیل	ایک پیالی
پسا گرم مسالہ	ایک چمچہ
ٹماٹر	پانچ عدد
ثابت زیرہ	ایک چمچہ
سونف	آدھا چمچہ
پسا زیرہ	آدھا چمچہ
نمک	حسب پسند
پسی کالی مرچ	ایک چمچہ
جائفل جاوتری	آدھا چمچہ
لیموں	دو عدد
آلو بخارہ	آٹھ عدد
ہری مرچ	آٹھ عدد
پودینہ	آدھی گٹھی

ترکیب:

تیل میں تین عدد پیاز براؤن کرلیں۔ بقیہ تیل میں چکن پسی ہوئی ہری مرچ، پسا گرم مسالہ ٹماٹر زیرہ پسی سونف نمک ڈال کر تیز آنچ پر پکائیں کالی مرچ ایک چمچہ پسا ہوا زیرہ ڈال کر پکنے دیں۔ چکن گل جائے تو دو عدد ٹماٹر، ہری مرچ، باریک کٹا لیموں تلی پیاز پودینہ کو مکس کر کے اس چکن پر پھیلا دیں۔ چاول ایک کنی چھوڑ کر ابال لیں۔ اب چکن کا جو مسالا ہے اس پر چاول پھیلا دیں اور دم پر رکھ دیں دو منٹ کے لیے تھوڑا سا کیوڑہ چھڑک دیں۔ مزے دار وائٹ بریانی تیار ہے۔

برنس روڈ کے وحید کے سیخ کباب

اشیاء:

قیمہ	ایک کلو
بھنے چنے	دو کھانے کے چمچے
ثابت لال مرچ	آٹھ عدد
کالی مرچ	ایک چمچہ
لونگ	پانچ سے چھ عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا
کباب چینی	پندرہ دانے
چھوٹی الائچی	چھ عدد
بڑی الائچی	ایک عدد
پپیتا	تین چمچے
ادرک لہسن	تین چمچے
دھنیا	دو چمچے
پیاز	دو عدد
زیرہ	ایک چمچہ
لال مرچ	ڈیڑھ چمچہ
نمک	ایک چمچہ
ہلدی	ایک چمچہ
جائفل جاوتری	آدھا چمچہ
گھی	آدھا کپ

ترکیب:

قیمہ باریک لیں سب مسالے ملا کر چار گھنٹے رکھ دیں پوری رات بھی رکھ سکتے۔ ایک برتن میں آدھا کپ گھی میں پیاز کو باریک کاٹ کر براؤن کرلیں پھر قیمہ شامل کردیں اور مستقل ہلاتے رہیں۔ پھر ڈھک کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ دس منٹ بعد گھی اوپر آجائے تو اتار لیں۔ کوئلہ کی دھونی بھی دے لیں مزیدار برنس روڈ کے وحید کے کباب تیار ہیں باریک کٹے دار پیاز، ادرک اور پودینہ کے ساتھ پیش کریں۔ پوری پراٹھا یا چپاتی کے ساتھ مزا دیتا ہے۔

☆☆

digest library.com

Scanned with CamScanner

خوبصورت بنیے

گھر پر عید کی تیاری

اس عید پر آپ گھر میں موجود قدرتی اشیا سے اپنی جلد کے نکھار کا کام بخوبی انجام دے کر فاضل اخراجات سے بچ سکتی ہیں۔

چہرے کا فیشل

سب سے پہلا مرحلہ کلینزنگ یعنی چہرے کی صفائی کا ہوتا ہے۔

☆ دو کھانے کے چمچے کچا دودھ لیں، اس میں صاف ستھری روئی ڈبو کر چہرے اور گردن پر لگائیں پھر چند منٹ ہلکے ہاتھ سے مساج کریں، اس کے بعد نیم گرم پانی سے دھولیں۔

☆ دو کھانے کے چمچے گلاب کا عرق لیں اور روئی کی مدد سے چہرے پر لگائیں پھر کاٹن کے کسی نم کپڑے سے چہرے کو اوپر کی جانب آہستگی سے صاف کریں۔

دوسرا مرحلہ اسکرب کا ہے۔

☆ ڈیڑھ چمچہ (کھانے کا) بیسن میں تھوڑا سا دودھ ملا کر پیسٹ سا بنالیں پھر اپنے چہرے پر لگالیں خشک ہوجائے تو ہلکے ہاتھ سے رگڑیں، یوں مردہ خلیے جھڑ جائیں گے۔ یا ایک چمچہ چینی میں ایک چمچہ شہد اچھی طرح مکس کرکے چہرے پر لگائیں ہلکے ہاتھ سے تین سے پانچ منٹ مساج کریں پھر سادے پانی سے دھولیں۔

تیسرا مرحلہ فیس پیک کا ہے۔

☆ ایک چمچہ دہی میں ایک چمچہ بیسن اور چٹکی بھر ہلدی ملائیں۔ چہرے پر لگائیں اور پندرہ بیس منٹ بعد دھولیں۔

☆ ایک انڈے کی زردی میں چٹکی بھر ہلدی، دو تین قطرے بادام کا تیل مکس کرکے چہرے پر لگائیں اور خشک ہونے [illegible] دھولیں۔

آخری مرحلہ موئسچرائزنگ کا ہے۔

☆ ایلوویرا کا جیل یا ناریل کا تیل ہلکے ہاتھوں سے لگائیں۔

مینی کیور

☆ ایک پیالے میں نیم گرم پانی لیں، اس میں ایک چمچہ نمک، اور تھوڑا سا برتن دھونے والا لیکوڈ یا بار صابن ڈال دیں مکس کریں اور دس سے پندرہ منٹ اس میں ہاتھ بھگوئیں۔

☆ ایک چمچہ چینی میں چند قطرے لیموں کا رس ملا کر ہاتھوں پر پانچ سے تین منٹ مساج کریں۔

☆ اب تھوڑا سا شہد لگا کر پانچ منٹ کے بعد دھولیں۔

☆ آخر میں ناریل یا زیتون کے تیل سے ناخنوں اور ہاتھوں کا مساج کریں۔

پیڈی کیور

☆ ٹب میں نیم گرم پانی ڈالیں اس میں ایک چمچہ نمک، ایک چمچہ بیکنگ سوڈا ڈال کر پندرہ بیس منٹ پیر بھگوئیں۔

☆ چینی اور لیموں ملا کر ایڑیوں اور انگلیوں پر رگڑیں، سرسوں یا ناریل کے تیل سے مساج کریں اور موزے پہن لیں۔

گلابی ہونٹ

☆ لیموں کا رس اور شہد ملا کر ہونٹوں پر لگائیں۔ یہ سیاہی دور کرنے میں مددگار ہے۔

☆ ایک چائے کا چمچہ چینی اور شہد ملا کر ہلکے ہاتھ سے ہونٹوں پر مساج کریں۔ یہ مردہ جلد کو صاف کرتا ہے۔

☆ گلاب کی پتیوں کو پیس کر دودھ میں ملا کر ہونٹوں پر لگانے سے رنگت گلابی ہوتی ہے۔

☆☆

digest library.com

Scanned with CamScanner